منارۂ ہدایت

جلد ۱

(سیرت رسول خداؐ)

مؤلفین:
سید منذر حکیم اور عدی غریباوی

مترجم :
نثار احمد زین پوری

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

بسم الله الرحمن الرحیم

فہرست

حرف اول 1

عرض مؤلف 3

پہلا باب 9

پہلی فصل 17

خاتم النبیینؐ ایک نظر میں 17

دوسری فصل 20

بشارت 20

تیسری فصل 26

خاتم النبیینؐ کے اوصاف 26

۱۔امی عالم 26

۲۔ مسلمِ اوّل 27

۳۔خدا ہی پر بھروسہ 29

۴۔شجاعت 30

۵۔بے مثال زہد 30

۶۔بردباری اور کرم 32

۷۔حیا و انکساری 34

دوسرا باب 36

پہلی فصل 37

ولادت و پرورش 37

۱۔بت پرست معاشرہ کی جھلکیاں 37

۲۔رسولؐ کے آباء واجداد کا ایمان............38
۳۔ولادتِ رسولؐ............39
۴۔مبارک رضاعت............40
۵۔نبیؐ کے واسطہ سے بارش............42
۶۔اپنی والدہ آمنہ کے ساتھ............43
۷۔اپنے جد عبد المطلب کے ساتھ............43
دوسری فصل............45
شباب و جوانی کا زمانہ............45
۱۔نبیؐ ابوطالبؑ کی کفالت میں............45
۲۔شام کی طرف پہلا سفر............45
۳۔بکریوں کی پاسبانی............46
۴۔حرب الفجار............47
۵۔حلف الفضول............48
۶۔خدیجہ کے مال سے تجارت............49
تیسری فصل............50
شادی سے بعثت تک............50
۱۔شادی مبارک............50
۲۔حجر اسود کو نصب کرنا............52
۳۔حضرت علیؑ کی ولادت او ر نبیؐ کے زیر دامن پرورش............53
۴۔بعثت سے قبل رسولؐ کی شخصیت............54
تیسرا باب............57
پہلی فصل............58
بعثت نبوی اوراس کے لئے ماحول سازی............58
دوسری فصل............67

مکہ کی زندگی میں تحریک رسالت کے مراحل.....67
۱۔ایمانی خلیوں کی ساخت.....67
۲۔مکی عہد کے ادوار.....68
۳۔اوّلین مرکز کی فراہمی کا دور.....68
۴۔پہلا مقابلہ اور قرابتداروں کو ڈرانا.....69
۵۔دعوت عام.....70
تیسری فصل.....72
رسولؐ کے بارے میں بنی ہاشم کا موقف.....72
قریش کا موقف.....73
کفر عقل کی بات نہیں سنتا.....74
سحر کی تہمت.....75
اذیت و آزار.....76
حبشہ کی طرف ہجرت.....77
مقاطعہ اور بنی ہاشم.....78
عام الحزن.....79
معراج.....80
چوتھی فصل.....81
کشائش و خوشحالی ہجرت تک.....81
طائف والوں نے اسلامی رسالت کو قبول نہیں کیا.....81
مکہ میں راہ رسالت میں رکاوٹیں.....82
عقبۂ اولیٰ کی بیعت.....84
عقبۂ ثانیہ.....85
چوتھا باب.....89
پہلی فصل.....90

اوّلین اسلامی حکومت کی تشکیل..90
۱۔مدینہ کی طرف ہجرت..90
۲۔مسجد کی تعمیر..92
۳۔مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات..93
اقتصادی پہلو..93
اجتماعی پہلو..93
سیاسی پہلو..94
۴۔معاہدۂ مدینہ..94
۵۔مدینہ میں قیام اور نفاق..95
۶۔تحویلِ قبلہ..96
۷۔فوجی کاروایوں کی ابتداء..96
دوسری فصل..98
نئی حکومت کے نظام کا دفاع..98
۱۔غزوۂ بدر..98
جنگ کے نتائج..101
۲۔فاطمہ زہراؑ کی شادی..102
۳۔یہود اور بنی قینقاع سے ٹکراؤ..104
۴۔مسلمانوں کی فتح کے بعد قریش کا رد عمل..105
۵۔جنگ احد..105
۶۔مسلمانوں کو دھوکا دینے کی کوشش..109
۷۔غزوۂ بنی نضیر..110
۸۔احد کے بعد فوجی حملے..111
۹۔غزوۂ بنی مصطلق اور نفاق کی ریشہ دوانیاں..112
۱۰۔رسوم جاہلیت کی مخالفت..113

تیسری فصل..114

مسلمانوں کی مشکلات..115

دشمن کی شکست 116

غزوۂ بنی قریظہ اور مدینہ سے یہودیوں کا صفایا...116

پانچواں باب 118

پہلی فصل 119

فتح کا مرحلہ..119

۱۔ صلح حدیبیہ 119

صلح کے نتائج...123

۲۔اسلامی رسالت کی توسیع 123

۳۔جنگ خیبر 124

۴۔آپؐ کے قتل کی کوشش...125

۵۔اہل فدک کی خود سپردگی 125

۶۔عمرۃ القضا...126

دوسری فصل..128

جزیرۃ العرب سے باہراسلام کی توسیع...128

۱۔جنگ موتہ..128

۲۔فتح مکہ 129

فوج اسلام کی مکہ کی طرف روانگی...131

ابو سفیان کا سپر انداختہ ہونا...131

مکہ میں داخلہ...132

۳۔جنگ حنین او ر طائف کا محاصرہ...135

مال غنیمت کی تقسیم 137

انصار کا اعتراض..138

۴۔جنگ تبوک 139
نبیؐ کی نظر میں علیؑ کی منزلت 140
رسولؐ کے قتل کی کوشش.. 141
جنگ تبوک کے نتائج 141
۵۔مسجد ضرار 142
۶۔وفود کا سال.. 142
قبیلۂ ثقیف کااسلام لانا.. 143
۷۔فرزندِ رسولؐ ، حضرت ابراہیم کی وفات 143
تیسری فصل.. 145
جزیرہ نما عرب سے بت پرستی کا صفایا.. 145
۱۔مشرکین سے اعلانِ برائت 145
۲۔نصارائے نجران سے مباہلہ.. 146
۳۔حجۃ الوداع 147
حجۃ الوداع میں رسولؐ کا خطبہ.. 149
۴۔وصی کا تعین 151
۵۔نبوت کے جھوٹے دعویدار.. 154
۶۔روم سے جنگ کے لئے فوج کی عام بھرتی.. 155
چوتھی فصل.. 157
رسولؐ کی زندگی کے آخری ایام 157
۱۔وصیت لکھنے میں حائل ہونا.. 157
۲۔فاطمہ زہراؑ باپ کی خدمت میں.. 159
۳۔رسولؐ کے آخری لمحاتِ حیات.. 160
۴۔وفات ودفن رسولؐ.. 160
پانچویں فصل.. 163

اسلامی رسالت کے بعض نقوش.......... 163
رسولؐ کس چیز کے ساتھ مبعوث کئے گئے؟.......... 163
شریعت اسلامی کی عظمت و آسانی.......... 163
اسلامی قوانین کا امتیاز.......... 163
قرآن مجید.......... 165
شریعت اسلامیہ میں واجب اور حرام.......... 165
چھٹی فصل.......... 167
میراث خاتم المرسلینؐ.......... 167
سید المرسلینؐ کی علمی میراث کے چند نمونے.......... 171
۱۔عقل و علم.......... 171
۲۔تشریع کے مصادر.......... 174
قرآن اور اس کا ممتا زکردار.......... 175
اہل بیتؑ دین کے ارکان ہیں.......... 176
۳۔اسلامی عقیدے کے اصول.......... 178
توحید کے شرائط.......... 179
رحمتِ خدا.......... 179
نہ جبر نہ اختیار.......... 179
خاتمیت.......... 179
رسولؐ کے بعد امام.......... 180
حضرت علیؑ کی فضیلت.......... 181
رسولؐ کے بعد ائمہ.......... 181
ائمہ حق.......... 181
رسولؐ نے حضرت مہدیؑ کی بشارت دی.......... 182
۴۔رسولؐ کی میراث میں اسلامی تشریع کے اصول.......... 182

الف۔اسلام کی خصوصیات...182
ب۔علم اور علماء کی ذمہ داری...183
ج۔اسلامی طرز زندگی کے عام قواعد 184
د۔فیصلے کے عام خطوط...185
ھ۔عبادات اپنے وسیع مفہوم کے ساتھ..185
و۔خاندانی نظام کے اصول...186
ز۔نظام اقتصاد اسلامی کی چند شقیں...187
ح۔اجتماعی زندگی کے کچھ اصول 188
۵۔میراث رسولؐ کے کچھ حکمت آمیز کلمات......................................190
۶۔آپؐ کی چند دعائیں 195
الف۔یہ دعاآپ ماہ رمضان میں پڑھتے تھے:.....................................195
ب۔یہ دعا آپؐ نے جنگ بدر میں پڑھی تھی:.....................................195
ج۔جنگ خندق کے دن آپؐ نے یہ دعا پڑھی تھی:.................................196
د۔آپؐ نے اپنے اصحاب کو دشمن کے شر سے بچنے کے لئے درج ذیل دعا تعلیم کی۔..................196
ھ۔آپؐ کی وہ دعا جو آپؐ نے حضرت علی بن ابی طالبؑ کو قرض کی ادائیگی کے لئے تعلیم دی تھی:...196

حرف اول

جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت وظرفیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتی ہے حتی ننھے ننھے پودے اس کی کرنوں سے سبزی حاصل کرتے اور غنچہ وکلیاں رنگ ونکھار پیدا کرلیتی ہیں تاریکیاں کافور اور کوچہ وراہ اجالوں سے پرنور ہوجاتے ہیں، چنانچہ متمدن دنیا سے دور عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے قوت و قابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔

اسلام کے مبلغ وموسس سرورکائنات حضرت محمد مصطفیٰ غار حراء سے مشعل حق لے کر آئے اور علم وآگہی کی پیاسی اس دنیا کو چشمۂ حق وحقیقت سے سیراب کردیا، آپ کے تمام الٰہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل فطرت انسانی سے ہم آہنگ ارتقائے بشریت کی ضرورت تھا، اس لئے ۲۳ برس کے مختصر عرصے میں ہی اسلام کی عالمتاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمراں ایران وروم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماند پڑگئیں، وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اگر حرکت وعمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سمت دینے کا حوصلہ، ولولہ اور شعور نہ رکھتے ہوں تو مذہبِ عقل وآگہی سے روبرو ہونے کی توانائی کھودیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان ومذاہب اور تہذیب وروایات پر غلبہ حاصل کرلیا۔ اگرچہ رسولؐ اسلام کی یہ گرانبہا میراث کہ جس کی اہل بیتؑ اور ان کے پیرووں نے خود کو طوفانی خطرات سے گزار کر حفاظت وپاسبانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کی بے توجہی اور ناقدری کے سبب ایک طویل عرصے کے لئے تنگنائیوں کا شکار ہوکر اپنی عمومی افادیت کو عام کرنے سے محروم کردی گئی تھی، پھر بھی حکومت وسیاست کے عتاب کی پروا کئے بغیر مکتب اہل بیتؑ نے اپنا چشمۂ فیض جاری رکھا اور چودہ سو سال کے عرصے میں بہت سے ایسے جلیل القدر علماء ودانشور دنیائے اسلام کے سامنے پیش کئے جنھوں نے بیرونی افکار و نظریات سے متاثر اسلام وقرآن مخالف فکری ونظری موجوں کی زد پر اپنی حق آگین تحریروں اور تقریروں سے مکتب اسلام کی پشت پناہی کی ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں ہر قسم کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا ہے، خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام وقرآن اور مکتب اہل بیتؑ پر ٹکی ہوئی ہیں، دشمنان اسلام اس فکری ومعنوی قوت واقتدار کو توڑنے کے لئے اور دوستداران اسلام اس مذہبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب وکامراں زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین وبے تاب ہیں، یہ زمانہ علمی اور فکری مقابلے کا زمانہ ہے اور جو مکتب بھی تبلیغ اور نشرواشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھاکر انسانی عقل وشعور کو جذب کرنے والے افکار ونظریات دنیا تک پہنچائے گا، وہ اس میدان میں آگے نکل جائے گا۔ (عالمی اہل بیتؑ کونسل) مجمع جہانی اہل بیتؑ نے بھی مسلمانوں خاص طور پر اہل بیتؑ عصمت وطہارت کے پیرووں کے درمیان ہم فکری ویکجہتی کو فروغ دینے کو وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے کہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر

انداز سے اپنا فریضہ ادا کرے، تاکہ موجودہ دنیائے بشریت جو قرآن و عترت کے صاف وشفاف معارف کی پیاسی ہے زیادہ سے زیادہ عشق و معنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان وولایت سے سیراب ہوسکے، ہمیں یقین ہے عقل و خرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علمبردار خاندان نبوتؑ ورسالت کی جاوداں میراث اپنے صحیح خدو خال میں دنیا تک پہنچادی جائے تو اخلاق و انسانیت کے دشمن، انانیت کے شکار، سامراجی خوں خواروں کی نام نہاد تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے تھکی ماندی آدمیت کو امن و نجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر(عج) کی عالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جاسکتا ہے۔

ہم اس راہ میں تمام علمی و تحقیقی کوششوں کے لئے محققین و مصنفین کے شکر گزار ہیں اور خود کو مؤلفین ومترجمین کا ادنی خدمتگار تصور کرتے ہیں، زیر نظر کتاب، مکتب اہل بیتؑ کی ترویج واشاعت کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس کو فاضل جلیل مولانا نثاراحمد زین پوری صاحب نے اردو زبان میں اپنے ترجمہ سے آراستہ کیا ہے جس کے لئے ہم شکر گزار ہیں اور مزید توفیقات کے آرزومند ہیں، اسی منزل میں ہم اپنے تمام دوستوں اور معاونین کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنھوں نے اس کتاب کے منظر عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے، خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یہ ادنی جہاد رضائے مولیٰ کا باعث قرار پائے۔

والسلام مع الاکرام

مدیر امور ثقافت، مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

عرض مؤلف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ الّذی اعطی کلّ شیءٍ خَلْقَہ ثم ھدی ثم الصلوٰۃ والسلام علی من اختارھم ھداۃ لعبادہ لاسیّما خاتم الانبیاء وسید الرسل و الاصفیاء ابی القاسم المصطفی محمد وعلی آلہ المیامین النجباء۔

حمد ہے بس اس اللہ کے لئے جس نے انسان کو عقل و ارادہ جیسی قوت عطا کی ہے، عقل کے ذریعہ وہ حق کا سراغ لگاتا ہے، اسے دیکھتا ہے اور اسے باطل سے جدا کرلیتا ہے وہ ارادہ کے وسیلہ سے اس چیز کو اختیار کرتا ہے جو اس کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کا باعث اور اس کے حق میں مفید ہوتی ہے۔

بھلے برے کو پہچاننے والی عقل کو خدا نے اپنی مخلوق پر حجّت قرار دیا ہے اور اپنی ہدایت کے ذریعہ اس کی مدد کی ہے، اس نے انسان کو وہ چیز سکھائی جس کا اسے علم نہیں تھا اور اس کے مناسب حال، کمال کی طرف اسکی ہدایت کی اور اسے اس غرض و مقصد سے آگاہ کیا جس کے لئے اسے پیدا کیا اور جس کے لئے وہ اس دنیا میں آیا ہے۔

قرآن مجید نے اپنی صریح آیتوں کے ذریعہ ربّانی ہدایتوں کے مناروں، اس کے آفاق، اس کے لوازم اور اس کے راستوں کو واضح کیا اور پھر ایک طرف تو ہمارے لئے اس کے علل واسباب کو بیان کیا اور دوسری طرف اس کے نتائج پر سے پردہ ہٹایا۔

خداوند عالم کا ارشاد ہے :

(قل انّ الھُدیٰ ھو الھُدیٰ)[1]

آپ کہہ دیجئے کہ ہدایت، بس اللہ کی ہدایت ہے۔

(و اللّٰہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم)[2]

اور خدا جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ کی ہدایت کر دیتا ہے۔

(واللّٰہ یقول الحقّ و ھو یھدی السّبیل)[3]

اور خدا حق ہی کہتا ہے اور وہی سیدھے راستہ کی ہدایت کرتا ہے۔

---

1 انعام:۷۱

2 بقرہ:۲۱۳

3 احزاب:۴

(و من یعتصم باللّٰہ فقد ھدی الیٰ صراط مستقیم)[1]

جو خدا سے وابستہ ہو جاتا ہے اسے صراط مستقیم کی ہدایت ہو جاتی ہے۔

(قل اللّٰہ یہدی للحق افمن یہدی الیٰ الحق احقّ ان یتّبع امّن لا یہدی الّا ان یُہدیٰ فما لکم کیف تحکمون)[2]

کہ دیکھئے کہ خدا حق کی ہدایت کرتا ہے سپس جو حق کی طرف ہدایت کرے وہ قابل اتباع ہے یا پھر وہ لائق اتباع ہے کہ جو ہدایت نہیں کرتا ہے، بلکہ خود محتاجِ ہدایت ہے؟ تمھیں کیا ہو گیا ہے تم کیسا فیصلہ کرتے ہو؟

(و یری الّذین اوتوا العلم الذی انزل الیک من ربّک ھو الحق و یھدی الیٰ صراط العزیز الحمید)[3]

اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ اس چیز کو حق سمجھتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے اور وہی عزیز و حمید کے سیدھے راستہ کی ہدایت کرتی ہے۔

(و من اضلّ ممّن اتّبع ھواہ بغیر ھدی من اللّٰہ)[4]

اور اس سے بڑا گمراہ کون ہو گا جس نے خدا کی ہدایت سے سروکار رکھے بغیر بس اپنی خواہش کی پیروی کی۔

ہدایت کا سرچشمہ صرف خدا ہے۔ اس کی ہدایت، حقیقی ہدایت ہے وہی انسان کو صراط مستقیم اور حق کی راہ پر لگاتا ہے۔

علم بھی انہیں حقائق کی تائید کرتا ہے اور علماء بھی انہیں کو تسلیم کرتے ہیں۔ بیشک خدا نے انسان کی فطرت میں یہ صفت ودیعت کر دی ہے کہ وہ کمال و جمال کی طرف بڑھتا رہے۔ پھر اس کمال کی طرف اس کی راہنمائی کی جو اس کے شایان شان ہے اس کو ایسی نعمتوں سے نوازا جن کے ذریعہ وہ کمال کے راستوں کو پہچان سکتا ہے۔ اسی لئے فرمایا ہے:

(وما خلقتُ الجنَّ و الانسَ الا لیعبدون)[5]

میں نے جن وانس کو خلق نہیں کیا مگر یہ کہ وہ میری عبادت کریں۔

واضح ہو کہ عبادت، معرفت کے بغیر نہیں ہو سکتی اور معرفت و عبادت ہی ایسا راستہ ہے جو معراجِ کمال تک پہنچاتا ہے۔

انسان کے اندر خدا نے غضب و شہوت جیسی دو طاقتیں رکھی ہیں تاکہ وہ ان کے ذریعہ کمال کی طرف بڑھے لیکن اس پر غضب و شہوت غالب آسکتی ہے اور ان دونوں سے عشق و ہوس کی آگ بھڑک سکتی ہے اس لئے عقل اور معرفت کے دیگر اسباب کے علاوہ انسان کو ایسی چیز کی ضرورت ہے جو اس کی فکر

---

1 آل عمران:۱۰۱

2 یونس:۳۵

3 سباء:٦

4 قصص:۵۰

5 ذاریات:۵٦

و نظر کو محفوظ رکھ سکے اس پر خدا کی حجّت تمام ہو جائے اور اس کے لئے نعمت ہدایت کی تکمیل ہو جائے مختصر یہ کہ اس کے پاس ایسے تمام اسباب جمع ہو جائیں کہ جو اسے خیر و سعادت یا شر و بد بختی کا راستہ کا منتخب کرنے کا اختیار دیدیں (کہ جس پر چاہے گامزن ہو جائے)۔

اس لئے ہدایت ربّانی کا تقاضا ہوا کہ وحی اور خدا کے ان برگزیدہ ہادیوں کے ذریعہ عقل انسان کی مدد کی جائے کہ جن کے دوش پر بندوں کی ہدایت کی ذمہ داری ہے اور یہ کام معرفت کی تفصیلوں اور زندگی کے ہر موڑ پر انسان کی رہبری ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔

ہدایت ربانیہ کی مشعل آغاز تاریخ ہی سے انبیاء اور ان کے اوصیاء کے ہاتھ میں رہی ہے خدا نے اپنے بندوں کو، ہادی و حجت، ہدایت کرنے والے مناروں اور نور درخشاں چمکتے نور کے بغیر نہیں چھوڑا ہے جیسا کہ عقلی دلیلوں کی تائید کرتے ہوئے وحی کی نصوص نے بیان کر دیا ہے: زمین حجتِ خدا سے اس لئے خالی نہیں رہ سکتی تاکہ خدا پر لوگوں کی حجّت تمام ہو جائے، بلکہ خدا کی حجّت خلق سے پہلے بھی تھی، خلق کے ساتھ بھی ہے اور خلق کے بعد بھی رہے گی اگر روئے زمین پر دو انسان رہیں گے تو ان میں سے ایک حجّت ہوگا۔ اس چیز کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جس سے شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی؛ ارشاد ہے:

(انما انت منذر و لكل قوم هاد) [1]

آپ تو بس ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے ہادی ہے۔

انبیاء اور ان کے ہدایت یافتہ اور ہدایت کرنے والے اوصیاء نے ہدایتوں کی ذمہ داری اپنے دوش پر لی تھی ان کی صلاحیتوں کا خلاصہ درج ذیل شقوں میں ہوتا ہے:

۱۔ وحی کو مکمل طور سے درک کریں اور پیغام رسالت کو گہرائی سے حاصل کریں، رسالت و پیغام کے حصول کے لئے صلاحیت کامل ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ رسولوں کا انتخاب خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ خداوند عالم قرآن مجید میں فرمایا ہے:

(الله اعلم حيث يجعل رسالته) [2]

خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کہاں قرار دے۔

(والله يجتبى من رسله من يشاء) [3]

اور خدا اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔

۲۔ خدائی پیغام کو بندوں تک اور ان موجودات تک پہنچانا جن کی طرف انہیں مبعوث کیا گیا ہے اور صحیح پیغام اسی صورت میں پہنچ سکتا ہے کہ جب پیغام کو مکمل اور صحیح طریقہ سے حاصل کیا گیا ہو، وہ رسالت اور اسکے تقاضوں سے واقف ہو اور خطا و لغزش سے معصوم و محفوظ ہو۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

---

1 رعد:۷

2 انعام:۱۲۴

3 آل عمران ۱۷۹

(کان النّاس امة واحدة فبعث اللّٰہ النبیین مبشّرین و انزل معہم الکتاب بالحق لیحکم بین النّاس فیما اختلفوا فیہ۔)[1]

سارے لوگ ایک امت تھے پس خدا نے بشارت دینے والے نبی بھیجے اور ان کے ساتھ برحق کتاب نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے اختلاف کا فیصلہ کریں۔

۳۔الٰہی پیغام کی روشنی میں مومن امت کی تشکیل، اور رہبر وہادی کی مدد کے لئے امت کو آمادہ کرنا تاکہ رسالت کے مقاصد پورے ہو جائیں اور زندگی میں اس کے قوانین نافذ ہو جائیں، اس مشن کو قرآن مجید میں دو عنوان سے یاد کیا گیا ہے ''تزکیہ و تعلیم'' خداوند عالم فرماتا ہے:

(یزکّیہم و یعلّمہم الکتاب و الحکمة)[2]

رسولؐ ان کو پاک کرتا ہے انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

تزکیہ یعنی اس کمال کی طرف راہنمائی کرنا جو انسان کے شایان شان ہے، تربیت کے لئے ایسا نمونہ چاہئے کہ جس میں کمال کا ہر عنصر موجود ہو، چنانچہ خدا نے ایسا نمونہ بھی پیش کر دیا:

(لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوة حسنة)[3]

بیشک رسولؐ میں تمہارے لئے اچھا نمونہ ہے۔

۴۔اور اس پیغام کو اپنی معینہ مدت میں تحریف و تبدیلی اور زمانہ کی دست برد سے محفوظ رہنا چاہئے اس مشن کے لئے بھی نفسانی اور علمی صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے، اسی نفسانی وعلمی صلاحیت کو عصمت کہتے ہیں۔

۵۔ معنوی رسالت کے مقاصد کی تکمیل اور لوگوں کے نفسوں میں اخلاقی اقدار کے نفوذ ورسوخ کے لئے کام کیا جائے اور یہ ربّانی مسائل کے نفوذ کے ساتھ (خدائی حکم کے نفوذ ہی سے ہو سکتا ہے) یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب معاشرہ میں ایک سیاسی نظام کے تحت دین حنیف کے قوانین نافذ ہوں اور امت کے مسائل ومعاملات کو ان قوانین کے مطابق رواج دیا جائے جو خدا نے انسان کے لئے معین کئے ہیں ظاہر ہے کہ ان کے نفاذ کے لئے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو حکیم شجاع، ثابت قدم، لوگوں کے مزاج اور معاشرہ کے طبقوں سے آشنا، فکری رجحان، سیاسی وسماجی دھارے سے آگاہ، نظم و نسق کے قانون اور زندگی کے طریقوں سے باخبر ہو، ایک عالمی اور دینی حکومت چلانے کے لئے مذکورہ صلاحیتوں کی ضرورت ہے، چہ جائیکہ عصمت جو کہ ایک نفسانی کیفیت ہے۔ یہ قائد کو کجروی اور ایسا غلط کام کرنے سے باز رکھتی ہے کہ جس کا خود قیادت پر منفی اثر ہوتا ہے اور اس صورت میں امت اپنے رہبر کی اطاعت بھی نہیں کرتی ہے اور یہ چیز رسالت کے اغراض ومقاصد کے منافی ہے۔

گذشتہ انبیاء اور ان کے برگزیدہ اوصیاء دائمی ہدایت کے راستہ پر گامزن ہوئے اور تربیت کی دشوار راہوں کو اختیار کیا اور رسالت کی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے، الٰہی رسالت کے مقاصد کی تکمیل کی راہ میں انہوں نے ہر اس چیز کی قربانی دی کہ ایک سرفروش اپنے عقیدہ کے لئے جس کی قربانی دے سکتا ہے ،وہ لمحہ بھر کے لئے بھی اپنے موقف سے نہیں ہٹے اور چشم زدن کے لئے بھی بہانہ سے کام نہیں لیا چنانچہ ان کی صدیوں کی مسلسل کوشش وجانفشانی کے

---

1 بقرہ:۲۱۳

2 جمعہ:۲

3 احزاب:۲۱

سلسلہ میں خدانے محمدؐ بن عبداللہ کے سر پر ختم نبوت کا تاج رکھا عظیم رسالت اور ہر قسم کی ہدایت کی ذمہ داری ان ہی کے سپرد کر دی اور آپؐ سے کار رسالت کی تکمیل کی فرمائش کی چنانچہ آنحضرتؐ نے اس پر خطر راہ میں حیرت انگیز قدم اٹھائے اور مختصر مدت میں انقلابی دعوت کو کامیابی سے ہمکنار کیا اور یہ آپؐ کی دن رات کی کوشش و جانفشانی کا ثمرہ دو عرصوں کی دین ہے:

ا۔ بشر کے سامنے ایک ایسا مشن پیش کیا جو اپنے دامن میں دوام و بقا کی دولت لئے ہوئے تھا۔

۲۔ بشریت کو ایسی چیزوں سے مالا مال کیا جو اسے کجروی و انحراف سے محفوظ رکھیں۔

۳۔ ایسی امت کی تشکیل کی جو اسلام پر ایمان رکھتی ہے، رسولؐ کو اپنا قائد سمجھتی ہے اور شریعت کو اپنا ضابطہ حیات تسلیم کرتی ہے۔

۴۔ اسلامی حکومت بنائی، اور ایسے سیاسی نظام کی تشکیل کی جو پرچم اسلام کو بلند کئے ہوئے ہے اور آسمانی قانون کو نافذ کرتا ہے۔

۵۔ ربّانی قیادت کے لئے صاحب حکمت اور ایسا جانا پہچانا انسان پیش کیا جو رسولؐ کی قیادت میں جلوہ گر ہوا۔

رسالت و مشن کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ:

الف۔ ایسی قیادت کا سلسلہ جاری رہے جو رسالت کے احکام نافذ کر سکے اور اسے ان لوگوں سے بچا سکے جو اسے مٹانے کے لئے گھات لگائے بیٹھے ہیں۔
ب۔ صحیح تربیت کا سلسلہ نسلوں تک جاری رہے اس کی ذمہ داری اس شخص پر ہو جو علمی اور نفسانی لحاظ سے انسان کامل ہو جو اخلاق و کردار میں رسولؐ جیسا نمونہ ہو، جس کی حرکت و سکون میں رسالت کا عکس نظر آئے۔

یہاں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ خدائی منصوبہ تھا۔ اس نے رسولؐ پر یہ فرض کیا کہ رسول اپنے اہل بیتؑ میں سے منتخب افراد کو تیار کریں اور ان کے نام اور کردار کو بیان کریں تاکہ وہ حکم خدا سے نبیؐ کی تحریک اور خدائی ہدایت کی ذمہ داری کو قبول کرلیں رسالت الٰہیہ کو (جس کے لئے خدانے دوام لکھدیا ہے۔) جاہلوں کی تحریف سے اور خیانت کاروں کی دست برد سے بچائیں اور نسلوں کی تربیت اس شریعت کی رو سے کریں جس کی نشانیوں کو بیان کرنے اور ہر زمانہ میں جس کے اسرار و رموز کو واضح کرنے کی ذمہ داری اپنے دوش پر لی ہے یہاں تک کہ خدا انہیں زمین اور اس کی تمام چیزوں کا وارث بنادے۔
یہ خدائی اور الٰہی منصوبہ رسولؐ کی اس حدیث سے واضح ہوتا ہے:

''انّی تارک فیکم الثّقلین ما ان تمسکتم بھما لن تضلّوا ، کتاب اللّٰہ و عترتی و انّھما لن یفترقا حتی یردا عليّ الحوض''۔

میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جارہاہوں اگر تم ان دونوں سے وابستہ رہے تو ہر گز گمراہ نہ ہوگے ایک خدا کی کتاب اور دوسرے میری عترت یہ دونوں ایک دوسرے سے ہر گز جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض (کوثر) پر پہنچیں گے۔

امت کی قیادت و رہبری کے لئے نبیؐ نے حکمِ خدا سے جن لوگوں کا تعارف کرایا تھا ان میں ائمہ اہل بیتؑ سب سے افضل ہیں۔

بیشک اہل بیتؑ میں سے بارہ اماموں نے رسولؐ کے بعد اسلام کے حقیقی راستہ کی نشاندہی کی۔ ان کی زندگی کی مکمل تحقیق و مطالعہ سے خالص اسلام کی تحریک کی پوری تصویر سامنے آتی ہے اب اس کے نقوش امت میں گہرے ہورہے ہیں حالانکہ رسولؐ کی وفات کے بعد اس کا جوش وولولہ ماند پڑ گیا تھا۔

ئمہ معصومینؑ نے امت کی روشن فکری اوراس کی طاقت کو صحیح سمت دینے کی کوشش کی اور شریعت وتحریک اور انقلاب رسولؐ سے متعلق امت کے اندر بیداری پیدا کی حالانکہ وہ دنیا کی اس روش سے بھی نہیں ہٹے جوامت اور رہبر کے طرز عمل پر حاکم ہے۔

ائمہ معصومینؑ کی پوری حیات اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ لمحہ بھر کے لئے بھی سنتِ رسولؐ سے جدا نہیں ہوئے اور امت نے بھی ان سے اسی طرح استفادہ کیا جس طرح منارۂ ہدایت سے استفادہ کیا جاتا ہے یا جیسے اس چراغ سے استفادہ کیا جاتا ہے جس کو راستہ چلنے والوں کے لئے سر راہ رکھ دیا جاتا ہے پس وہ خدا اور اس کی رضا کی طرف راہنمائی کرنے والے، اس کے حکم پر ثابت و پابند، اس کی محبت میں کامل اور اس کی ملاقات کے شوق میں گھلنے والے اور کمالِ انسانی کی چوٹیوں پر پہنچنے کے لئے سبقت لے جانے والے ہیں۔

ان کی زندگی جفاکاروں کی جفا سے اور اطاعتِ خدا میں صبر و جہاد سے معمور ہے۔ احکام خدا کے نفاذ کے سلسلہ میں انہوں نے بے مثال ثابت قدمی اور استقلال کا ثبوت دیا اور پھر ذلت کی زندگی قبول نہ کرتے ہوئے عزت کی موت قبول کر لی یہاں تک کہ ایک عظیم جنگ اور جہاد اکبر کے بعد خدا سے جا ملے۔

مورخین اور صاحبان قلم ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو بیان نہیں کر سکتے اور یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ ہم نے ان کی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کر لیا ہے ظاہر ہے کہ ہماری یہ کاوش بھی ان کی زندگی کے بعض درخشاں پہلوؤں ہی کو پیش کرے گی۔ ہم نے ان کی سیرت و کردار اور موقف کے انہیں گوشوں کو بیان کیا ہے جو مورخین نے تحریر کئے ہیں۔

ہاں ہم نے ان کے منابع و مصادر کا مطالعہ کیا ہے۔ امید ہے کہ خدا اس کے ذریعہ فائدہ پہنچائے گا وہی توفیق دینے والا ہے۔

اہل بیتؑ کی رسالتی تحریک خاتم النبیین رسولؐ اسلام محمد بن عبداللہ سے شروع ہوتی ہے اور خاتم الاوصیاء محمد بن حسن العسکری حضرت مہدی منتظرؑ (خدا ان کے ظہور میں تعجیل کرے اور ان کے عدل سے زمین کو منور کرے) پر منتہی ہوتی ہے۔

یہ کتاب رسول مصطفی حضرت محمدؐ بن عبداللہ کی حیات سے مخصوص ہے کہ جنہوں نے اپنی فردی اور اجتماعی زندگی کے ہر موڑ پر اور حالات کی سیاسی و اجتماعی پیچیدگی میں اسلام کے ہر پہلو کو مجسم کر دکھایا اور اسلام کے مثالی اقدار کی بنیادوں کو فکر و عقیدہ کی سطح پر بلند کیا اور اخلاق و کردار کے آفاق پر اونچا کیا۔

ہم یہاں جناب حجۃ الاسلام والمسلمین سید منذر الحکیم حفظہ اللہ کی زیر نگرانی کام کرنے والی ہیئت تحریریہ اور ان تمام برادران کا شکریہ ادا کر دینا ضروری سمجھتے ہیں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں حصہ لیا ہے ہم خداوند عالم کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے اس مجموعے کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائی وہی ہمارے لئے کافی ہے اور وہ بہترین مددگار ہے۔

مجمع عالمی اھل البیت علیہم السلام

قم المقدسہ

پہلا باب

مقدمہ

سیرت وتاریخ کی تحقیق کے بارے میں قرآن کا نظریہ

پہلی فصل

خاتم النبیینؐ ایک نظر میں

دوسری فصل

بشارت

تیسری فصل

خاتم النبیینؐ کے اوصاف

مقدمہ

سیرت وتاریخ کی تحقیق کے بارے میں قرآن کا نظریہ

قرآن مجید نے انبیاء کی سیرت کو پیش کرنے پر خاص توجہ دی ہے ان کی سیرت کو پیش کرنے میں قرآن کا اپنا خاص اسلوب ہے۔

ان برگزیدہ افراد کی سیرت کو پیش کرنے کے لحاظ سے قرآن مجید کا یہ اسلوب کچھ علمی اصولوں پر قائم ہے۔

قرآن مجید لحجۂ ہدایت میں بات کرتا ہے، جو انسان کی اس کے شایان شان کمال کی طرف راہنمائی کرتا ہے، اور تاریخی حوادث کے ایک مجموعہ کے لئے کچھ حقیقت پر مبنی مقاصد کو مد نظر رکھتا ہے، یہ حوادث فردی واجتماعی زندگی میں خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ ممکن ہے یہ علوم ومعارف کے ان دروازوں کے لئے کلید بن جائیں جو انسان کے تکاملی سفر میں کام آتے ہیں۔

ان مقاصد تک پہنچنے کے لئے قرآن مجید نے وسیلے معین کئے ہیں چنانچہ وہ عقل اور صاحبان عقل کو مخاطب قرار دیتا ہے اور انسان کے سامنے نئے آفاق کھول دیتا ہے، وہ فرماتا ہے:

۱۔(فاقصص القصص لعلهم يتفكرون)[1]

آپ قصے بیان کردیجئے ہوسکتا ہے یہ غور کریں۔

۲۔(لقد كان فى قصصهم عبرة لاولى الالباب)[2]

یقیناًان کے قصوں میں صاحبان عقل کے لئے عبرت ہے۔

بیشک گذشتہ قوموں کی تاریخ اور راہبروں کی سیرت کے بارے میں غور کرکے عبرت حاصل کرنا چاہئے یہی دونوں تاریخ کے بارے میں قرآنی روش کے دو بنیادی مقاصد ہیں۔

واضح رہے کہ سارے مقاصد انہیں دونوں میں محدود نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی دوسرے مقاصد ہیں جن کی طرف خدا کے اس قول میں اشارہ ہوا ہے:

---

1 اعراف:۱۷٦

2 یوسف:۱۱۱

(ما كان حديثا يفترىٰ ولكنّ تصديق الّذى بين يديه و تفصيل كل شىء و هدى و رحمة لقومٍ يومنون)[1]

یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کو گڑھ لیا جائے قرآن گذشتہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور اس میں مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :

(و کلاً نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت به فواد و جائک فی هذه الحق و موعظة و ذکریٰ للمومنین)[2]

ہم آپ سے پہلے رسولوں کے قصے بیان کرتے رہے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ آپ کے دل کو مضبوط رکھیں، اور ان قصوں میں حق، نصیحت اور مومنین کے لئے عبرت ہے۔

انبیاء و مرسلین کی خبروں کو پیش کرنے اور ان کے واقعات کو بیان کرنے کے لئے ہر آیت میں چار مقاصد بیان ہوئے ہیں۔

قرآن مجید اپنے منفرد تاریخی اسلوب میں مذکورہ چار اصولوں پر اعتماد کرتا ہے :

۱۔ حق

۲۔ علم

۳۔ گردش زمانہ کا ادراک

۴۔ اس پر پورا تسلط

قرآن مجید جن تاریخی مظاہر اور ماضی و حال کے اجتماعی حوادث کو بیان کرتا ہے ان میں شک و شبہہ کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ قرآن نے ان کو حق اور علم کے ساتھ بیان کیا ہے، خیال و خرافات کی بنیاد پر نہیں۔

خدا نے اس قول کے ذریعہ ان دونوں اصولوں کی تاکید کی ہے:

(ان هذا لهو القصص الحق...)[3]

بیشک یہ برحق قصے ہیں۔

اور سورۂ اعراف کے آغاز میں فرماتا ہے :

---

1 یوسف:۱۱۱

2 ہود:۱۲۰۔

3 آل عمران:۶۲

(فلنقصّنّ علیہم بعلم و ما کنا غائبین) [1]

اس آیت میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ ہم جن واقعات کو بیان کر رہے ہیں وہ ہمارے سامنے رونما ہوئے ہیں۔

ان تمام باتوں کے علاوہ واقعات کے تجزیہ و تحلیل اور اس سے برآمد ہونے والے نتیجہ میں قرآن مجید کا ایک علمی نہج ہے ایک طرف تو وہ تحقیق و استقراء پر اعتماد کرتا ہے دوسری طرف استدلال کا سہارا لیتا ہے۔

جب قرآن مجید عام طریقہ سے انبیاء کی حیات کو پیش کرتا ہے تو انہیں ایک صف میں قرار دیتا ہے، سب کو ایک دوسرے کے برابر کھڑا کرتا ہے، یہ اسلام کی عام روش ہے جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

(ان الدّین عند اللّٰہ الاسلام) [2]

پھر اولوالعزم انبیاء میں سے ہر ایک کی سیرت کی گہرائی میں جاتا ہے تاکہ ان کی سیرت کے ان پہلوؤں کو بیان کردے جن میں وہ ایک دوسرے سے جدا و منفرد ہیں اور ان کو پہلے والوں سے متصل کردے اور ان کی سیرتوں سے ملحق ان حوادث کو پہچان لے جو حیات انسانی کے ساتھ جاری روش رسالت سے تعلق رکھتے ہیں۔

تاریخی بحث کا فطری یہ خاصہ ہے، اس میں تحریف ہو جاتی ہے، کہیں ایہام و چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہے کبھی تاریخی حقائق پر پردے ڈال دئے جاتے ہیں یا دھیرے دھیرے حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے اور پھر اتنی واضح ہو جاتی ہے کہ جس سے انسانی معاشرہ تغافل نہیں کر پاتا ہے اور حقائق سے آنکھیں بند کر کے آگے نہیں بڑھ پاتا ہے۔

سورۂ یوسف کی ۱۱۱ ویں آیت میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہوا کہ تاریخی حقائق میں مبالغہ آرائی، افتراء اور بغیر علم کے بحث و تحقیق کا امکان ہے، لیکن جس حق پر، پردہ ڈال دیا گیا ہے وہ کسی نہ کسی زمانہ میں ضرور ظاہر ہو گا۔

یہاں سے قرآنی مکتب پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ حقیقت کے جویا انسان کو ایسے متعلقہ اسلحہ سے لیس کردے جو مکمل طریقہ سے حقیقت کا انکشاف کردے۔

یقیناً قرآن نے ایسا محکم و ثابت نظریہ پیش کیا ہے کہ جس سے فکر انسانی کسی بھی صورت میں آگے نہیں بڑھ سکتی اس نظریہ کو محکمات اور امّ الکتاب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہی فکرِ انسانی کے لئے ثابت، ناقابل تغیر اور واضح حقائق ہیں؛ ان میں کسی شک و تردید شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

یہی محکم و ثابت حقائق فکر انسان کے لئے ہمیشہ وسیع زاویئے اور بنیادی چیزیں پیش کرتے ہیں یہ حقائق ایسی چیزوں پر مشتمل ہیں کہ جو مادہ کی گرفت اور اس کی حد سے باہر ہیں۔ کیونکہ قرآن مبہم اور متنازعہ پذیر چیزوں کے سامنے دست بستہ کھڑے ہونے کو بھی جائز نہیں سمجھتا ہے۔

قرآن مجید اپنے ذہین قاریوں کو دو راستوں کی طرف ہدایت کرتا ہے ایک یہ کہ وہ مبہم اور متنازعہ چیزوں کے بارے میں کیا کرے تاکہ انسان ایسے واضح نتیجہ پر پہنچ جائے جو معیار قرار پائے دوسرے فکر انسانی کے سامنے آنے والی ہر چیز سے نمٹنے کے لئے ایک قاعدہ پیش کرتا ہے یہ اصل و قاعدہ ہر نئی چیز سے نمٹنے کے لئے جداگانہ صورت پیش کرتا ہے اور ذہنِ انسان سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ پیش آنے والی چیز کے لحاظ سے وہ اپنا موقف اختیار کرے۔

خداوند عالم نے اس جانب اشارہ کرنے کے بعد کہ قرآن وہ فرقان ہے جسے اللہ نے اپنے امین رسولؐ پر نازل فرمایا ہے۔ یہ ارشاد فرمایا ہے:

---

1 اعراف:۷

2 عمران:۱۹

(هو الّذی انزل علیک الکتاب منه آیات محکمات هن امُّ الکتاب و أُخَرُ متشابهات فامّا الّذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة و ابتغاء تاویله وما یعلم تاویله الّا اللّٰه و الرّاسخون فی العلم یقولون آمنا به کل من عند ربنا و ما یذکر الا اولوا الالباب ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ہدیتنا و ھب لنا من لدنک رحمة انک انت الوهاب) [1]

وہ خدا وہی ہے جس نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس کی آیتیں محکم اور واضح ہیں جو اصل کتاب ہے اور کچھ متشابہ ہیں، جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ انہیں متشابہات کی پیروی کرتے ہیں تاکہ فتنے بھڑکائیں اور من مانی تاویلیں کریں حالانکہ اس کی تاویل کا علم خدا اور ان لوگوں کو ہے جو علم میں رسوخ رکھتے ہیں وہ تو یہی کہتے ہیں: ہم اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں یہ سب آیتیں تو خدا ہی کی طرف سے آئی ہیں، (لیکن) نصیحت تو صاحبان عقل ہی اخذ کرتے ہیں، پروردگارا ہم سب کو ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو کج نہ ہونے دے اور اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا کر بیشک تو بڑا فیّاض ہے۔

یقیناً نفس کا کجی سے محفوظ ہونا، انسان کو فتنہ پردازیوں سے بچاتا ہے اور یہیں سے انسان متشابہ آیتوں کا اتباع چھوڑ کر حقیقت کو قبول کر لیتا ہے بلکہ اپنا معاملہ خدا کے سپرد کر دیتا ہے۔

انسان کی عقل، بے دلیل اور غیر علمی تفسیر کے درمیان حائل ہو جاتی ہے بلکہ یہ عقل ہی ہے جو اسے محکم آیتوں اور ام الکتاب کی پابندی کرنے کی ہدایت کرتی ہے اور ایسا نقشہ کھینچتی ہے کہ جس سے کسی بھی صورت میں چشم پوشی نہیں کی جاسکتی ان حقائق اور محکم نشانیوں کی روشنی میں ہم کچھ ایسی آیتوں کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ جن سے تجاوز نہیں کیا جاسکتا۔

نفس کے آفاق فکر کو روشن کرتے ہیں تاکہ انسان اس چیز کے بارے میں غور کرے جو اس سے پہلے واضح اور آشکار نہیں تھی۔ اس طرح وہ عقلمند انسان، جو اپنے پروردگار پر ایمان لا چکا ہے، کجی سے محفوظ رہتا ہے، اور متشابہ آیتوں کی تفسیر و تحلیل میں عجلت سے کام نہیں لیتا ہے بلکہ ان کی تفسیر کے سلسلہ میں وہ ایک پڑھے لکھے انسان کا کردار ادا کرتا ہے اگر وہ حقیقت کشف کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا تو بھی وہ ان کا انکار نہیں کرتا اور نہ ان کو رد کرنے کی کوشش کرتا ہے بلکہ اس چیز کو اس کے منبع کی طرف لوٹا دیتا ہے اور معاملہ کو اپنے پروردگار کے سپرد کر دیتا ہے کہ جس نے ان آیتوں کو نازل کیا ہے اور اپنی مطلوبہ شئ کو اسی سے سمجھنا چاہتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ مجھے ہمیشہ ہدایت و رحمت سے سرافراز فرما۔

یہی صحیح موقف ہے نصوص سے عہدہ برآ ہونے کے لئے یہ منطقی طریقہ ہے کیونکہ عقلمند انسان تحقیق و تحلیل میں عجلت سے کام نہیں لیتا۔

یہ حقیقت ہم سورہ ہود کی پہلی ہی آیت:

(الر، کتاب احکمت آیاته ثم فصلت من لدن حکیم خبیر ...). [2]

"الرا۔ یہ آیات ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں محکم ہیں پھر صاف صاف بیان بھی کی گئی ہیں ایک باخبر حکیم کی طرف سے" سے سمجھ چکے ہیں کہ تفصیل کی نوبت آیتوں کے محکم ہونے اور ان آیتوں کی تعیین کے بعد آتی ہے جو ام الکتاب ہیں اور بنیادی اصول ہیں چنانچہ سورۂ آل عمران کی ساتویں آیت نے اسی حقیقت کو بیان کیا ہے۔

---

1 آل عمران: ۷و۸

2 ہود: ۱

(منه آیات محکمات هنّ امُّ الکتاب) [1]

سورۂ رعد کی ۳۹ ویں آیت اس نکتہ کو اور زیادہ روشن کر دیتی ہے ارشاد ہے:

(یمحوا اللّٰہ ما یشاء و یثبت و عندہ امُّ الکتاب)

یعنی خدا جس چیز کو چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ثابت کرتا ہے کہ اس کے پاس ام الکتاب ہے۔ ام الکتاب میں سے نہ کسی چیز کو محو کیا جاتا ہے اور نہ ہی اس میں ترمیم ہوتی ہے اس کے علاوہ حالات کے تحت ہر چیز سے محو و تغیر کا تعلق ہوتا ہے۔

تاریخی واقعات کے بارے میں قرآن کا جو نظریہ و نہج ہے اس کی وضاحت کے لئے یہ آیتیں کافی ہیں، تفصیل کے بارے میں جو اختلاف ہے اس سے اصل حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور جو چیز تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے اس سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔

اس کی روشنی میں ہر اس چیز کو درست کیا جا سکتا ہے جو سیرت اور تاریخ اسلام یا اسلام سے پہلے کی ان تاریخوں میں وارد ہوئی ہے جو انبیاء اور ان کی امتوں سے متعلق ہیں، لیکن تاریخی حقائق سے کسی بھی صورت میں چشم پوشی نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی نظر انداز کیا جا سکتا ہے یہی تفسیر کی رد و قبول اور اس چیز کے غلط و صحیح ہونے کا معیار ہے جو تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہے۔

چونکہ تاریخ میں حق و باطل یک جا ہو گئے ہیں لہذا تاریخ کے موضوع کی جانچ پرکھ کے لئے ایسے وسائل درکار ہیں جو مکمل حقیقت کے انکشاف میں ہماری مدد کریں۔

تاریخی حقائق (جن کی عقل و نقل نے تائید کی ہے) ہی تفسیر، تاویل، فیصلے اور مذمت کا معیار ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے انبیاء اور ان کی امتوں کی سیرت و تاریخ کے سلسلہ میں اسی قانون پر عمل کیا ہے اور ہمارے سامنے ایسی واضح تصویر پیش کی ہے جس میں تمام انبیاء مشترک ہیں اور نبوت و اصطفا جو کہ نبیؐ کی شخصیت

سے پیدا ہوتے ہیں، اس کی اہلیت و استعداد کو معیار سمجھا گیا ہے کیونکہ خدا اسے خلق کی ہدایت کے لئے منتخب کرتا ہے اور وہ اوصاف یہ ہیں: کامل العقل ہو، ذی شعور ہو، صلاح و صبر سے آراستہ ہو اور شعور و بصیرت کے ساتھ خدا کا عبادت گذار ہو۔ خدا نے اپنے نبیؐ کو مخاطب کرکے فرمایا ہے :

(قل انّی علیٰ بیّنۃ من ربّی ...) [2]

نیز فرمایا ہے:

(قل ھذہ سبیلی ادعوا الیٰ اللّٰہ علیٰ بصیرۃ انا و من اتبعنی ...) [3]

کہدیجئے! کہ میں اپنے رب کی واضح دلیل پر ہوں ... اور کہدیجئے! کہ یہی میرا راستہ ہے میں اور میرا اتباع کرنے والے بصیرت کے ساتھ خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

یہ ہے قرآن کی منطق جو محکم و ثابت کا نقشہ پیش کرتی ہے ... پھر خدا ایسے انسان کو کیسے نبی بنا سکتا ہے جو ادراک و شعور نہ رکھتا ہو؟ اور وہ کسی ایسے شخص کو اپنا نمائندہ کیسے بنا سکتا ہے جو اس کی آیتوں کو ملاحظہ کریں مگر اس سے مطمئن نہ ہوتے ہوں؟ ہاں دوسرے اسے مطمئن کرتے ہوں؟! وہ خود نہیں جانتا

---

1 آل عمران: ۷

2 انعام: ۵۷۔

3 یوسف: ۱۰۸

کہ وہ نمائندہ ہے اور اسے نبوت کے لئے ذخیرہ کیا گیا ہے وہ نہیں سمجھتا کہ وہ نبی ہے یا خدا کی طرف سے مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے یا وہ اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں شک کرتا ہے۔ جو خود ہی بے بہرہ ہو وہ حقیقت ڈھونڈنے والوں کی کیا ہدایت کرے گا۔ خداوند عالم اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے :

(...أفمن یھدی الیٰ الحق احقُّ ان یتّبع امّن لا یُھدیٰ الا یھدیٰ فما لکم کیف تحکمون)[1]

تو پھر جو راہ حق کی نشاندہی کرتا ہے وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ جو بغیر نشاندہی کے خود راہ حق نہ دیکھ پاتا ہو پس تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے فیصلے کر بیٹھتے ہو۔

انبیاء کی شخصیت سے متعلق قرآن کریم نے جو واضح صورت پیش کی ہے اور عقل کے محکمات کی بھی جسے تائید حاصل ہے وہ ان تمام صورتوں کے بارے میں فیصلہ کرنے کا معیار ہے کہ جو توریت و انجیل میں داخل کر دی گئی ہیں یا جو ان کتابوں میں نقل ہوئی ہیں کہ جن کو صحاح کا نام دیا جاتا ہے۔ یا تاریخ کی وہ عام کتابیں کہ جن میں بعض انبیاء مثلاً جناب ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ یا محمدؐ کے قصے بیان ہوئے ہیں، خواہ اس صورت کے نقل کرنے والوں کی فہرست میں رسولؐ کی ازواج ہوں یا کوئی صحابی یا رسولؐ کے قریبی یا دور کے رشتہ دار ہوں۔

---

1 یونس:۳۵۔

پہلی فصل

خاتم النبیینؐ ایک نظر میں

خاتم النبیین، سید المرسلین محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلبؑ، کی ولادت اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد ۱۷ ربیع الاول عام الفیل میں ہوئی، شیر خوارگی کا زمانہ بنی سعد میں گزرا پھر اپنی عمر کے چوتھے یا پانچویں سال اپنی والدہ کے پاس لوٹے، چھ سال کے ہوئے تو والدہ کا انتقال ہو گیا۔ دادا نے اپنی کفالت میں لے لیا اور ان کی پرورش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا دو سال تک آپؐ ان کی کفالت میں رہے پھر ان کا انتقال ہو گیا لیکن دادا نے اپنی وفات سے پہلے آپ کی پرورش و سرپرستی کی ذمہ داری آپؐ کے شفیق چچا حضرت ابو طالبؑ کے سپرد کر دی تھی چنانچہ آپؐ شادی ہونے تک انہیں کے ساتھ رہے۔

بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا کے ساتھ شام کے سفر پر روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں بحیرا نامی راہب سے ملاقات ہوئی۔ بحیرا نے آپؐ کو پہچان لیا اور ابو طالبؑ سے کہا: دیکھو! ان کے سلسلہ میں خبردار رہنا کیونکہ یہودی انہیں قتل کرنا چاہیں گے۔

بائیس سال کے ہوئے تو معاہدۂ حلف الفضول میں شریک ہوئے آنحضرتؐ اپنے اس اقدام پر فخر کیا کرتے تھے۔ خدیجہ کے مال سے تجارت کے لئے شام کا سفر کیا، عنفوان شباب میں پچیس سال کی عمر میں جناب خدیجہ سے عقد کیا اس سے قبل آپ صادق وامین کے لقب سے شہرت پا چکے تھے، چنانچہ جن قبیلوں میں حجر اسود کو نصب کرنے کے سلسلہ میں نزاع و جھگڑا تھا انہوں نے حجر اسود کو نصب کرنے کے لئے آپ کو منتخب کیا تاکہ کسی قبیلے کو اعتراض نہ ہو۔ پس آپؐ نے ایک انوکھا اور عمدہ طریقہ کار اپنایا جس سے تمام قبیلے خوش ہو گئے۔

چالیس سال کی عمر میں مبعوث برسالت ہوئے، خدا کی طرف لوگوں کو بلانا شروع کیا وہ اپنے معاملات میں گہری نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے انصار و مہاجرین میں سے جو لوگ مومن تھے انہیں جمع کیا۔

تین یا پانچ سال تک آپ لوگوں کو خدائے واحد کی طرف بلاتے رہے اس کے بعد خدا نے آپ کو یہ حکم دیا کہ اپنے اقربا کو ڈراؤ! پھر یہ حکم دیا کہ اپنی رسالت کا اعلان کرو اور عام طور پر لوگوں کو علی الاعلان اسلام کی دعوت دو تاکہ جو مسلمان ہونا چاہتا ہے وہ مسلمان ہو جائے۔

اسی زمانہ سے قریش نے آپؐ کے راستے میں رکاوٹ کھڑی کرنا شروع کر دی اور لوگوں کو راہ خدا سے روکنے کے لئے یہ کوشش کرنے لگے کہ آپ کا پیغام عام نہ ہونے پائے۔ اس صورت حال کے پیش نظر رسولؐ نے مکہ سے باہر اپنی دعوت کا ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا اور وہ یہ کہ جب حبشہ کے بادشاہ (نجاشی) نے مسلمانوں کو حبشہ میں خوش آمدید کہا تو رسولؐ نے مسلمانوں کی کئی جماعتوں کو وہاں بھیجدیا جنہوں نے جعفر بن ابی طالبؑ کی قیادت میں وہیں بود و باش اختیار کر لی اور ۷ھ تک جعفر نے حبشہ نہیں چھوڑا۔

جب قریش، نجاشی کو مسلمانوں کے خلاف اکسانے میں ناکام رہے تو انہوں نے ایک نیا راستہ اختیار کیا اور آپؐ کے خلاف سماجی، اقتصادی اور سیاسی پابندی عائد کر دی، اس پابندی کا سلسلہ تین سال تک جاری رہا لیکن جب قریش رسولؐ، ابو طالب اور تمام بنی ہاشم کو اپنے سامنے نہ جھکا سکے تو پابندی ختم کر دی مگر جب رسولؐ اور ان کا خاندان کامیابی کے ساتھ محاصرے سے باہر نکلا تو بعثت کے دسویں سال انہیں ابو طالب اور جناب خدیجہ کا غم اٹھانا پڑا رسولؐ کے لئے

یہ دونوں حادثے جاں گسل تھے کیونکہ آپؐ ایک ہی سال میں دو بڑے مددگاروں سے محروم ہو گئے تھے۔
بعض مورخین نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ معراج بھی اسی سال ہوئی تھی حالانکہ نبیؐ اس عظیم غم میں مبتلا تھے اور نبیؐ پر ذہنی دباؤ تھا کیونکہ آپ دیکھ رہے تھے کہ قریش آپ کی رسالت کی راہ میں دشواریاں پیدا کر رہے ہیں لہذا خداوند عالم نے آپؐ پر آفاق کی راہیں روشن کر دیں اور آپؐ کو اپنی عظیم آیتیں دکھائیں چنانچہ معراج، رسولؐ اور تمام مومنوں کے لئے ایک عظیم برکت تھی۔ نئے مرکز کی تلاش میں رسولؐ نے طائف کی طرف ہجرت کی لیکن مکہ سے قریب ہونے اور اس کی آب وہوا سے متاثر ہونے کے باوجود وہاں آپؐ کو کامیابی نہ ملی اور مکہ واپس آ گئے مطعم بن عدی کی ہمسائیگی اختیار کی اور موسم حج میں لوگوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے لئے از سر نو سر گرم عمل ہوئے۔ ان لوگوں سے ملاقات کا سلسلہ شروع کیا جو حج کرنے کی غرض سے مکہ یا تجارت کے لئے عکاظ کے بازار میں آتے تھے، اہل یثرب سے آپؐ کی ملاقات کے بعد خدا نے آپ کی کامیابی کے دروازے کھول دیئے چنانچہ یثرب میں نشر اسلام اور لوگوں کو خدا کی طرف بلانے کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ خدا نے آپؐ کو یہ خبر دی کہ قریش کے جوانوں نے آپؐ کے قتل کا منصوبہ بنا لیا ہے لہذا آپؐ نے بھی یثرب کی طرف ہجرت کا ارادہ کر لیا چنانچہ حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر لٹایا اور تمام خطروں کے سایہ میں یثرب کی طرف ہجرت کر گئے، یثرب والوں نے آپؐ کے استقبال کی پوری تیاریاں کر رکھی تھیں، ربیع الاول کے شروع میں آپؐ "قبا" پہنچے آپؐ کی ہجرت اسلامی تاریخ کا نقطہ آغاز قرار پائی۔
پہلے سال میں آپؐ نے بتوں کو توڑ کر مسجد نبویؐ تعمیر کی اسے اپنی سر گرمی اور تبلیغ و حکومت کا مرکز قرار دیا، مہاجرین وانصار کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا تاکہ اس طرح ایک قومی وعوامی مرکز بن جائے جس پر نو تشکیل حکومت کی بنیادیں قائم کی جا سکیں اس کے علاوہ ایک دستاویز مرتب کی جس میں قبیلوں کے ایک دوسرے سے روابط کے ضوابط تحریر کئے یہودیوں کے سربراہوں سے معاہدے کئے یہ اسلامی حکومت کے عام اصولوں پر مشتمل تھے۔
اس نو تشکیل اسلامی حکومت اور اس نئی اسلامی تحریک کو قریش کی پیدا کی ہوئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، قریش نے اسلامی تحریک و تبلیغ اور اسلامی حکومت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا عزم محکم کر رکھا تھا اسی لئے مسلمانوں کے خلاف یکے بعد دیگرے جنگ کی آگ بھڑکائی گئی، نبیؐ اور مسلمانوں کے لئے اپنا دفاع کرنا ضروری ہو گیا۔
اس نو تشکیل حکومت کے دفاع ہی میں سالہا سال گزر گئے پہلی جنگ ہجرت کے ساتویں مہینے میں آپؐ کے چچا جناب حمزہ کی قیادت میں ہوئی، ہجرت کے پہلے سال میں تین جنگیں ہوئیں، اس سال بہت سی آیتیں نازل ہوئیں تاکہ نبیؐ کی حکومت اور امت کے لئے دائمی احکام مرتب ہو جائیں، اس طرح خاتم المرسلین اور آپکی نو تشکیل حکومت کے خلاف منافقوں کا منصوبہ ناکام ہو گیا اور یہودیوں کی سازش بے نقاب ہو گئی۔
رسول اور آپ کی حکومت کے خلاف قریش نے مدینہ کے باہر سے اور یہودیوں نے مدینہ کے اندر سے محاذ جنگ کھول دیا جس کی وجہ سے رسولؐ کو ان سب پر نظر رکھنا پڑی چنانچہ دوسرے سال میں آٹھ غزوات اور سرایا ہوئے ان میں سے بدر کبریٰ بھی ہے جو رمضان المبارک میں ہوئی تھی۔ اس وقت ماہ رمضان کے روزے واجب ہو چکے تھے اور قبلہ بھی تبدیل ہو چکا تھا۔
اس سے امت مسلمہ اور اسلامی حکومت کو ایک طرح کی خود مختاری نصیب ہو گئی تھی۔
دوسرے سال ایک طرف تو جنگ میں فتح ملی دوسری طرف سیاسی اور اجتماعی قوانین بنے، اہل قریش بدر میں شکست کھانے سے اور یہودی بنی قینقاع کی جلاوطنی سے آزمائے گئے۔ بنی قینقاع یہودیوں پہلا وہ قبیلہ تھا جس نے بدر کبریٰ میں مسلمانوں کی فتح کے بعد رسولؐ سے کئے ہوئے معاہدہ کو توڑ کر مدینہ کو وطن بنا لیا تھا تین سال تک مسلسل قریش باہر سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف فوج کشی کرتے رہے اور یہودی رسولؐ سے کئے ہوئے عہد کو توڑتے رہے چنانچہ یہ پانچ جنگیں، احد، بنی نضیر، خندق، بنی قریظہ اور جنگ مصطلق، رسولؐ اور مسلمانوں کے لئے بہت گراں تھیں۔
جب مسلمان اچھی طرح آزمائے گئے اور پانچویں سال خدا نے مختلف گروہوں اور یہودیوں کے جھگڑوں سے انہیں نجات عطا کی اور اس طرح خدا نے فتح مبین کا راستہ ہموار کر دیا اور کفار ومشرکین مسلمانوں کی شوکت کو مٹانے سے مایوس ہو گئے۔ صلح حدیبیہ کے بعد رسولؐ نے ان قبیلوں سے معاہدہ کیا جو

آپؐ کے ساتھ رہتے تھے اس معاہدہ کا مقصد یہ تھا کہ ان قبیلوں کے اتحاد کو شرک والحاد کے مقابلہ میں طاقتور بنادیا جائے۔ یہاں تک کہ ۸ھ میں خدا نے آپ کو فتح مکہ سے سرفراز فرمایا۔ قریش کے سرکش افراد آپ کی سیاست وحکومت کے سامنے جھک گئے اور آپ نے جزیرۃ العرب کو شرک سے پاک کرنے میں کامیابی حاصل کرلی۔

۹ھ میں مدینہ میں قبائل اور وفود کی آمد میں اضافہ ہوگیا لوگ جوق درجوق دین خدا میں داخل ہورہے تھے۔

۱۰ ھ میں حجۃ الوداع کا واقعہ ہوا یہ آخری سال ہے جو آپؐ نے اپنی امت کے ساتھ گزارا اس میں آپؐ نے اپنی عالمی حکومت اور اپنی امت کو تمام امتوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی۔

اپنی اسلامی حکومت کے پایوں کو مضبوط کرنے کے بعد ۲۸، صفر ۱۱ھ کو وفات پائی اور اسلامی حکومت کے لئے معصوم قائد معین کیا جو آپ کا خلیفہ و جانشین اور آپؐ کی راہ پر چلنے والا ہے اور وہ ہیں علیؑ بن ابی طالبؑ یہ وہ رہبر کامل ہیں جن کی تربیت آغاز ولادت سے خود رسولؐ نے کی ہے اور تاحیات ان کی نگرانی وسرپرستی کی چنانچہ حضرت علیؑ نے بھی اپنی فکر وسیرت اور کردار میں اسلام کے اقدار کو مجسم کر دکھایا آپؑ نے اطاعتِ رسولؐ اور آنحضرتؐ کے امر ونہی پر عمل کرنے کی اعلیٰ مثال قائم کی حقیقت تو یہ ہے کہ ولایت کبریٰ، وصایت نبویہ اور خلافت الٰہیہ کا نشان آپؑ ہی کو زیب دیتا ہے، رسولؐ نے ان کے وجود کی گہرائی میں اسلامی (رسالت) پیغام، انقلاب الٰہی اور حکومت نبویؐ کے نظام کی محبت کو راسخ کیا تا کہ آنحضرتؐ کی عدم موجودگی میں علیؑ حکم خدا سے رسولؐ کے پہلے خلیفہ بن جائیں۔

رسولؐ نے سخت حالات کے باوجود حضرت علیؑ کو مسلمانوں کا ہادی وخلیفہ مقرر کرنے کے بعد اپنے پروردگار کی آواز پر لبیک کہا۔ اور اس طرح آپؐ نے طاعت خدا اور اس کے امر کے سامنے سراپا تسلیم ہونے میں اعلیٰ مثال قائم کی۔ حکم خدا کی بہترین طریقہ سے تبلیغ کی اور فصیح وبلیغ خطبہ کے ساتھ حجّت تمام کی۔

یہ تھا خاتم الانبیاء حضرت محمد بن عبداللہ کی شخصیت وحیات کا سرسری جائزہ۔ آیئے اب آپؐ کی شخصیت وحیات کا تفصیلی اعتبار سے جائزہ لیا جائے۔

دوسری فصل

بشارت

قرآن مجید نے صریح طور پر یہ بیان کیا ہے کہ بشریت کا تاریخی عہد انبیاء کی بعثت اور رسولوں کے آنے سے شروع ہوا۔ انبیاء اور رسولوں نے اپنی امتوں کو اعلیٰ حیات اور کامل ترین انسانی وجود کی طرف ہدایت کی۔ اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ معاشرۂ انسانی میں انبیاء کا نور و ظہور اسی وقت سے ہے جب سے بشریت کی تاریخ شروع ہوئی ہے۔

خداوند عالم کا ارشاد ہے :

(کان النّاس امة واحدة فبعث اللّٰہ النّبیین مبشّرین و منذرین و انزل معھم الکتاب بالحق لیحکم بین النّاس فیمااختلفوا فیه وما اختلف فیه الا الّذین اوتوہ من بعد ما جائتھم البینات بَغْیاً بینھم فھدی اللّٰہ الذین آمنوا لما اختلفوا فیه من الحق باذنه واللّٰہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم) [1]

لوگ ایک ہی امت تھے، پس خدا نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے نبی بھیجے اور ان پر برحق کتاب نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان چیزوں کا فیصلہ کریں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں در حقیقت اختلاف انہیں لوگوں نے کیا جنہیں (نبی کے ذریعہ) کتاب دی گئی اور ان پر آیتیں واضح ہو گئی ہیں ایسا انہوں نے بغاوت کی وجہ سے کیا ہے تو خدا نے ایمان قبول کرنے والوں کو ہدایت دیدی چنانچہ انہوں نے اختلاف میں حکمِ خدا کو پالیا اور خدا جس کو چاہتا ہے اسے صراط مستقیم کی ہدایت کرتا ہے۔

خدا کی رحمت و حکمت کا یہ تقاضا ہوا تھا کہ اس نے انسانوں کے درمیان ایسے انبیاء بھیجے جن کے ہاتھوں میں ہدایت کا پرچم ہو اور وہ لوگوں کو خواہشات کے غار سے نکال کر عقل کی بلندی پر پہنچادیں، اور جنگ و جدال (جو طاقت و غریزہ کی وجہ سے ہوتی ہیں) کی لت سے ہٹا کر نظام کی منطق پر پہنچادیں جس کا سرچشمہ قانون ہے، انبیاء کے ذریعہ انسان حیوانیت سے بلند ہوا اور اس نے یہ محسوس کیا کہ وہ عقل و روح کا پیکر ہے۔ انبیاء نے انسان کے لئے ایک گھاٹ (حوض، چشمہ) کی نشاندہی کی جو زندگی کی وحدت سے بہت بلند ہے۔

یہ ایسی وحدت ہے جو عقیدہ کی بنیاد پر استوار ہے اس سے انسانی تعلقات کو وسعت ملتی ہے، یہ مادی روابط سے معنوی روابط کی طرف لے جاتی ہے، عہد نبوت کے بعد سے انسانوں کے درمیان اختلافات کا سبب معنوی امور قرار پائے، دین و عقیدہ میں اختلاف ہوا، واضح رہے انبیاء کے لائے ہوئے دین کو لغو

---

1 بقرہ:۲۱۳

قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ ان کا سلسلہ جاری رہے گا ان میں تنوع ہوتا رہیگا ہاں اس موضوع کا سرچشمہ غریزہ نہیں ہے بلکہ قانون کو قرار دیا گیا ہے۔ اور انسانی وحدت وارتقاء اور ان کے تعاون کے لئے وہی قانون، مستقل دستور بن سکتا ہے جس کی دین نے ضمانت لی ہے۔[1]

حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ میں (پیدائش عالم، تخلیق آدمؑ اور زمین پر بسنے والے افراد کی تاریخ بیان کرنے کے بعد) اس بات کی وضاحت کی ہے کہ تاریخ انسان اور کمال وارتقاء کی طرف اس کے سفر کا محور انبیاء کی روشنی اور ان کی مسلسل بعثت ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید نے تاریخ کے ساتھ اپنے تعامل کے طریقہ میں اسکی وضاحت کی ہے :

ارشاد ہے: "... واصطفیٰ سبحانہ من ولد (آدم) انبیاء، اخذ علی الوحی میثاقھم"

ان سے یہ عہد لیا تھا کہ جو وحی ان پر کی جائے گی وہ اسے لوگوں تک پہنچائیں گے اور لوگوں کے لئے اسی چیز کو شریعت بنائیں گے جو وحی کے ذریعہ ان تک پہنچے گی۔

خدا نے اولادِ آدم میں سے بعض کو نبی بنایا اور ان سے یہ عہد لیا کہ وہ اس چیز کی تبلیغ کریں گے جس کی ان پر خدا کی طرف سے وحی ہو گی۔

تبلیغِ رسالت کے لئے ان سے عہد لیا یہ ان کے پاس امانت ہے کیونکہ بہت سے لوگوں نے خدا سے کئے ہوئے عہد میں ردوبدل کر دی تھی، یعنی میثاق فطرت کو بدل دیا تھا۔

جس کے نتیجہ میں وہ اس سے جاہل رہے اور اس کی مثال قرار دینے لگے۔ اور شیطان نے انہیں معرفتِ خدا کے راستہ سے ہٹا دیا اور انہیں اسکی عبادت سے بہکا دیا۔

خدا کے علاوہ انہوں نے دوسرے معبود بنا لئے تھے۔

لہٰذا خدا نے ان میں اپنے رسولوں کو بھیجا، ایک کے بعد ایک ان کے درمیان اپنے انبیاء بھیجے تاکہ وہ ان سے فطری میثاق کی ادائیگی کا تقاضا کریں اور انہیں خدا کی نعمت یاد دلائیں جس کو وہ بھلا چکے ہیں، اور تبلیغ کے ذریعہ ان پر حجّت تمام کریں، عقل کے دفینوں کو ان پر آشکار کریں اور انہیں پوشیدہ نشانیاں دکھائیں، آسمان کا شامیانہ دکھائیں، زمین کا بچھا ہوا فرش دکھائیں، ان کو فنا کرنے والی اجل سے آگاہ کریں، ان کو بوڑھا کرنے والے رنج ومشقت اور پے در پے رونما ہونے والے حوادث کی طرف متوجہ کریں۔

خداوند عالم نے اپنی مخلوق کو " نبیِ مرسل"، "کتاب منزل"، ضروری ولازمی حجّت اور واضح راستہ سے محروم نہیں کیا ہے۔

رسولوں کی کم تعداد ان کی ہمت پر اثر انداز نہیں ہوتی تھی اور نہ جھٹلانے والوں کی کثرت سے وہ مرعوب ہوتے تھے۔ جو پہلے آتا تھا اسے بعد والے کا نام بتا دیا جاتا تھا اور وہ اس کی بشارت دیتا تھا، یا اس کے آنے سے پہلے اس کا تعارف کرایا جاتا تھا۔

اسی طرح صدیاں گذر گئیں، زمانے بیت گئے، باپ اسلاف میں اور بیٹے اخلاف کے زمرہ میں چلے گئے تو خدا نے اپنا وعدہ پورا کرنے اور سلسلۂ نبوت کی تکمیل کے لئے محمدؐ کو رسولؐ بنا کر بھیجا۔ انبیاء سے آپؐ کی نبوت کا عہد لیا جا چکا تھا۔ پہلے انبیاء کی کتابوں میں ان کی علامتیں بیان ہو چکی تھیں، ان کی ولادت

---

1 حرکۃ التاریخ عند الامام علیؑ ص ۷۱۔ ۷۳

پاک وپاکیزہ تھی اہل زمین مختلف مذہبوں میں بٹے ہوئے اور پریشان خیالیوں میں مبتلا تھے، پراگندہ گروہ تھے، ان میں سے بعض تو خدا کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دیتے تھے بعض اس کے نام میں الحاد کرتے تھے (یعنی خدا کو ناروا صفات سے متصف کرتے تھے) یا اس کے غیر کو خدا مانتے تھے۔ پس رسولؐ نے انہیں گمراہی سے نجات عطا کی، ہدایت کے راستہ پر لگایا۔ انہیں جہالت و نادانی سے نکالا (اور علم سے آراستہ کیا) پھر خدا نے محمدؐ کو اپنی ملاقات کے لئے منتخب کیا اور اس بات کو پسند فرمایا کہ انہیں دارِ دنیا سے اپنے پاس بلائے اور دنیا کی آزمائش سے نجات بخشے چنانچہ خدا نے آپؐ کو اٹھالیا، اور تمہارے درمیان انہوں نے وہی چیزیں چھوڑیں جو گذشتہ انبیاء نے اپنی امتوں کے درمیان چھوڑی تھیں، تمہیں واضح راستہ اور باقی رہنے والی نشانی کے بغیر حیران وپریشان نہیں چھوڑا۔[1]

بیشک گذشتہ انبیاء آنے والے انبیاء کی جو بشارت دیتے تھے اس سے موجودہ اور آنے والی نسلوں کو فائدہ پہنچتا رہا یہ چیز ان کی آنکھیں کھولتی ہے اور انہیں اس نبی کے استقبال کے لئے تیار کرتی ہے جس کی بشارت دی گئی ہے۔ انہیں شک وشبہ سے نجات دلاتی ہے اور اطمینان و یقین کی دولت عطا کرتی ہے۔ واضح رہے کہ جب انسان اپنی اصلاح سے مایوس ہو جاتا ہے تو وہ شر وخیانت کے طریقے سوچنے لگتا ہے، اور اصلاح کرنے والے انبیاء کی آمد کی بشارت ان لوگوں کو حسرت ویاس سے نجات عطا کرتی ہے جو اصلاح کے منتظر ہوتے ہیں اور زندگی سے محبت کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ خیر وصلاح کا دروازہ کھٹکھٹائیں۔

اپنے نبیوں کی بشارت سے مومنوں کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور اس سے کافروں کو اپنے کفر کے بارے میں شک ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ نبیؐ کی دعوتِ حق کے مقابلہ میں کمزور ہو جاتے ہیں اور اس سے ان کے اسلام قبول کرنے کا راستہ ہموار ہوتا ہے اور جب بشارتوں سے یقین واعتماد پیدا ہو جاتا ہے تو پھر نبیؐ سے معجزہ طلب کرنے کی گنجائش نہیں رہتی ہے نیز بشارت دلوں میں اتر جاتی ہے اور اس سے یقین حاصل ہوتا ہے، بشارت لوگوں کو غیر متوقع حوادث سے بچاتی ہے اور اس سے نبیؐ کی دعوت لوگوں کے لئے اجنبی نہیں رہتی ہے۔[2]

واضح رہے کہ تمام انبیاء نے ایک ہی راستہ کی نشاندہی کی ہے، پہلے نے بعد والے کی بشارت دی ہے اور بعد میں آنے والا پہلے والے پر ایمان لایا ہے، سورۂ آل عمران کی آیت (۸۱) میں بشارت کے طریقہ کی وضاحت ہوئی ہے یہ ان مثالوں میں سے ایک ہے جن کو ہم آئندہ پیش کریں گے۔ گذشتہ انبیاء نے محمدؐ بن عبداللہ کی رسالت کی بشارت دی:

ا۔ قرآن مجید نے اس بات کو صریح طور پر بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے دعا کی صورت میں حضرت خاتم النبیین کی رسالت کی اس طرح بشارت دی ہے (مکہ مکرمہ میں خانۂ خدا کی بنیادوں کو بلند کرنے، اپنے اور حضرت اسماعیلؑ کے عمل کو قبول کرنے اور اپنی ذریت میں ایک گروہ کے مسلمان رہنے کی دعا کرنے کے بعد) فرمایا:

---

1 انبیاء نے اپنی امتوں کو ان چیزوں سے محروم نہیں رکھا ہے کہ جن کی انہیں ان کے مرنے کے بعد ضرورت پیش آسکتی تھی اس سلسلہ میں جو چیز ان پر فرض تھی وہی محمدؐ پر بھی فرض تھی چنانچہ آپؐ نے اپنی امت میں کتاب خدا چھوڑی ہے جس میں ان کے دین سے متعلق ہر چیز موجود ہے اسی طرح اپنے معصوم اہل بیت چھوڑے اور انہیں قرآن کا ہم پلہ قرار دیا، جیسا کہ حدیث ثقلین نے اس کی وضاحت کی ہے حدیث ثقلین متواتر ہے اور بہت سے محدثین نے اس کی روایت کی ہے۔

2 محمد فی القرآن ص ۳۶ و ۳۷

(ربّنا وابعث فیهم رسولًا منهم یتلوا علیهم آیاتک و یعلّمهم الکتاب و الحکمة و یزکّیهم انک انت العزیز الحکیم۔)[1]

پروردگار! ان میں انہیں میں سے رسولؐ بھیجنا جو ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک کرے بیشک تو عزت وحکمت والا ہے۔

۲۔ قرآن مجید نے اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ توریت کے عہد قدیم اور انجیل کے عہد جدید میں محمدؐ کی نبوت کی بشارتیں ہیں یہ دونوں عہد، نزولِ قرآن اور بعثتِ محمدؐ کے وقت موجود تھے اگر ان دونوں عہدوں میں یہ بشارت نہ ہوتی تو ان کے ماننے والے اس بات کو جھٹلا دیتے۔

ارشاد ہے :

(الّذین یتّبعون الرّسول النّبی الامّی الّذی یجدونه مکتوباً عندهم فی التّوراة و الانجیل یأ مرهم بالمعروف و ینهاهم عن المنکر و یحلّ لهم الطّیبات و یحرّم علیهم الخبائث و یضع عنهم اصرهم والاغلال التی کانت علیهم)[2]

جو لوگ رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جس کا ذکر وہ اپنے پاس توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ نیکیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے پاک و صاف چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے گندی چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے اور ان سے بار گراں اور پابندیوں کو اٹھا دیتا ہے۔

سورہ صف کی چھٹی آیت اس بات کی صراحت کر رہی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے توریت کی صداقت کی تصریح کی ہے اور اپنے بعد آنے والے اس نبی کی رسالت کی بشارت دی ہے جس کا نام احمد ہوگا اور یہ بات آپؑ نے تمام بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے فرمائی تھی صرف حواریوں کو مخاطب قرار نہیں دیا تھا۔

اہل کتاب ہمارے نبیؐ کی آمد کے منتظر تھے

جس نبی کی بشارت دی جا چکی تھی ان سے پہلے آنے والے انبیاء نے ہمارے نبی کے عام اوصاف، بیان کرنے پر صرف اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے اس کی ایسی علامتیں بھی بیان کر دی تھیں جن کے ذریعہ لوگ انہیں بخوبی پہچان سکتے تھے مثلاً ان کی جائے پیدائش، جائے ہجرت اور ان کی بعثت کے وقت کے خصوصیات ان کے جسمانی صفات اور کچھ ایسے حالات بیان کئے تھے جن کے ذریعہ آپؐ اپنے کردار اور اپنی شریعت میں دوسروں سے ممتاز تھے لہذا قرآن نے بنی اسرائیل کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ اس رسولؐ کو کہ جس کی، دونوں قدیم وجدید، عہدوں میں بشارت دی گئی ہے ویسے ہی پہچانتے تھے جیسے اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں[3] بلکہ اس بشارت کی بنا پر انہوں نے عملی آثار بھی مرتب کر لئے تھے اور ان کی جائے ہجرت اور مرکزِ حکومت کا پتہ لگا لیا تھا اور اسی جگہ سکونت پذیر ہو گئے تھے۔[4] اور ان کی آمد کے سبب کافروں پر فتح پانے کے متمنی تھے اور اپنے رسولؐ کی مدد سے اوس وخزرج (کے قبیلوں) کو ڈراتے تھے[5]

---

1 بقرہ:۱۲۹

2 اعراف:۱۵۷

3 انعام:۲۰

4 سیرت رسول اللہ ج ا ص ۳۸ و ۳۹

5 بقرہ:۸۹

ان کے علاوہ اور راہبوں کے ذریعہ یہ خبریں دوسرے لوگوں تک بھی پہنچ گئی تھیں جو مدینہ میں عام ہوئیں اور مکہ تک پہنچ گئیں۔ [1] آنحضرتؐ کے اعلانِ رسالت کے بعد قریش کا ایک وفد اس لئے مدینہ کے یہودیوں کے پاس گیا تاکہ دعوائے نبوت کے صحیح ہونے کا پتہ لگائے اور ایسے معلومات حاصل کرے جن کے ذریعہ انہوں نے نبی کو آزمایا ہے [2] یا انہیں ان کی آمد کی خبر ہوئی ہے اور اس سے یہ واضح ہو جائے کہ ان کا دعویٰ سچا ہے۔ بہت سے اہل کتاب اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ انہیں علامتوں کے پیش نظر کوئی معجزہ دیکھے بغیر آپؐ پر ایمان لے آئے تھے، یہ بشارتیں، توریت و انجیل کے بعض نسخوں میں آج تک پائی جاتی ہیں۔ [3]

آپؐ کی نبوت کی بشارتیں آپؐ کی ولادت سے پہلے اور بعثت سے قبل آپ کی حیات میں بھی بیان ہوتی رہتی تھیں ان بشارتوں اور خبروں میں سے بحیرا راہب وغیرہ کی بشارت ابتدائے بعثت ہی سے مشہور تھی۔ [4]

حضرت امیرالمومنین علیؑ نے بھی اپنے ایک خطبہ میں اس تاریخی حقیقت کی گواہی دی ہے:

(...الیٰ ان بعث اللّٰہ سبحانہ محمّداً رسول اللّٰہ، لا نجاز عدتہ و اتمام نبوتہ ماخوذاً علیٰ النبیین میثاقہ مشہورۃً سیماۂ...) [۵]

یہاں تک خدا نے وعدہ وفائی اور نبوت کی تکمیل کے لئے محمد رسولؐ کو مبعوث کیا کہ جن کی نبوت پر انبیاء سے عہد لیا تھا اور جن کی علامتیں اور بشارتیں مشہور تھیں۔

ابن سعد کی کتاب طبقات میں عتیبہ کے غلام سہل سے روایت ہے کہ وہ اہل حریس میں سے ایک نصرانی تھا اور اپنی ماں اور چچا کے زیر سایہ یتیمی کی زندگی گزار رہا تھا وہ انجیل پڑھتا تھا... وہ کہتا ہے: میں نے اپنے چچا کی کتاب اٹھائی اور اسے پڑھنے لگا میری نظر سے ایک صفحہ گذرا کہ جس کی تحریر میں کوئی ربط معلوم نہ ہوا تو میں نے اپنے ہاتھ سے چھو کر دیکھا، راوی کہتا ہے: میں نے دیکھا کہ ایک صفحہ دوسرے سے چپک گیا ہے۔ میں نے دونوں کو الگ کیا تو معلوم ہوا کہ اس میں محمدؐ کی تعریف و توصیف اس طرح مرقوم ہے:

آنحضرتؐ نہ دراز قد ہوں گے نہ کوتاہ قد ہوں گے، گندم گوں رنگ ہوگا، بال گھنگرالے ہوں گے، دونوں شانوں کے درمیان مہر (نبوت) ہوگی بڑے سخی و فیاض ہوں گے، صدقہ نہیں لیں گے، گدھے اور اونٹ پر سوار ہونگے، بکری کا دودھ دوہیں گے، پیوند لگا کپڑا پہنیں گے اس لئے کہ جو ایسا کرتا ہے اس میں غرور و تکبر نہیں ہوتا ہے اور وہ اسماعیل کی ذریت سے ہوں گے، ان کا نام احمد ہوگا سہل کہتے ہیں: جب میں یہاں تک محمدؐ کا ذکر پڑھ چکا تو میرے چچا آئے انہوں نے جب اس صفحہ کو دیکھا جس کو میں پلٹ چکا تھا کہنے لگے: تم نے اس صفحہ کو کیوں پڑھا؟! میں نے عرض کیا: اس میں نبی احمد کے صفات کا ذکر ہے انہوں نے کہا: وہ ابھی تک تو آئے نہیں! [6]

---

1 اشعۃ البیت النبویؐ ج ۱ ص ۷۰ اس میں اغانی ج ۱۶ ص ۷۵، تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۲ سے منقول ہے۔ حیات نبی الاسلام ص ۱۳، اس میں سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۸۱

2 ملاحظہ فرمائیں: سورۂ کہف کی شان نزول

3 سیرت رسول اللہ و اہل بیتہ ج ۱ ص ۳۹، انجیل یوحنا و اشعۃ البیت النبوی ج ۱ ص ۷۰ اس میں توریت سے منقول ہے۔

4 بشارتوں کے سلسلہ میں سیرت نبوی اور تفسیر کی کتابیں ملاحظہ فرمائیں۔

5 نہج البلاغہ خطبۂ اولی

6 الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۳۶۳

تیسری فصل

خاتم النبیینﷺ کے اوصاف

ا۔امی عالم

خاتم النبیین کا یہ امتیاز تھا کہ آپؐ نے کسی بشر سے پڑھنا اور لکھنا نہیں سیکھا تھا1 اور نہ کسی علمی ماحول میں نشو و نما پائی تھی بلکہ آپؐ نے جاہلیت والے ماحول میں پرورش پائی تھی، قرآن کی بیان کی ہوئی اس حقیقت کی کسی نے تردید نہیں کی ہے۔2

اس قوم کی طرف آپ رسول بنا کر بھیجے گئے تھے جو اپنی نری جاہلیت کے حوالہ سے مشہور اور علوم و معارف سے بہت دور تھی۔اس زمانہ کو زمانۂ جاہلیت کا نام دیا گیا ہے ۔ یقیناً یہ نام اس عظیم الشان عالم نے دیا ہے جو علم و جہالت اور عقل و حماقت کی حقیقت سے کما حقہ باخبر تھا۔ مزید برآں وہ ایسی کتاب لائے تھے جو علم و ثقافت، فکر و نظر کی دعوت دیتی ہے اور علوم و معارف کے بہت سے اقسام و اصناف پر مشتمل ہے، آپؐ نے لوگوں کو نئے اسلوب سے کتاب و حکمت کی تعلیم دینا شروع کی 3 یہاں تک کہ ایک ایسی منفرد تہذیب کو وجود بخشا کہ جس نے اپنے علوم و معارف کے ذریعہ مشرق و مغرب کو متزلزل کر دیا اور اس کی ضوفشانی و تابناکی آج تک اسی طرح برقرار ہے۔

دنیا والوں کے لحاظ سے آپؐ امی تھے لیکن جاہلیت و نادانی اور بت پرستوں سے جنگ کرتے رہے انہیں استوار دین اور عالمی شریعت کے ساتھ بشریت کی طرف بھیجا گیا جو وقت گزرنے کے ساتھ بشریت کو چیلنج کرتی چلی آرہی ہے (لیکن ابھی تک کوئی اس کا جواب نہیں لا سکا ہے) بیشک آپؐ اپنے علم و معارف، حکیمانہ کلمات، عقلی و ثقافتی رجحان اور اپنی تربیت کے اسالیب کے لحاظ سے معجزہ ہیں۔

خداوند عالم کا ارشاد ہے:

---

1 نحل:۱۰۳
2 عنکبوت:۴۸
3 جمعہ:۲

(فامنوا باللّٰہ و رسولہ النّبی الامّی الّذی یومن باللّٰہ و کلماتہ و اتبعوہ لعلّکم تھتدون)

پس تم خدااور اس کے رسول نبی امی پر ایمان لاؤ جو کہ خدااور اس کے کلمات پر ایمان رکھتاہے اور اس کا اتباع کرو، ہو سکتاہے اس طرح تم ہدایت پا جاؤ۔[1]

نیز فرماتاہے:

(و انزل اللّٰہ علیک الکتاب و الحکمۃ و علّمک ما لم تکن تعلم و کان فضل اللّٰہ علیک عظیما)[2]

اور خدانے تمہیں کتاب وحکمت سے نوازااور تمہیں ان چیزوں کا علم دیا جن کو تم نہیں جانتے تھے اور یہ تم پر خدا کا بڑا کرم ہے۔

اس وقت خدانے ان پر وحی نازل کی اور انہیں کتاب وحکمت کے علم سے سر فراز کیا اور انہیں نور، سراج منیر، برہان، شاہد، رسول مبین، امین خیر خواہ ناصح، بشارت دینے والا، یاد دلانے والا اور ڈرانے والا قرار دیا۔[3]

خدانے ان کے سینہ کو کشادہ کیا اور انہیں وحی قبول کرنے اور اس معاشرہ کی ہدایت کرنے کے لئے تیار کیا جو عصبیت اور جاہلیت والی انانیت میں غرق تھے تبلیغ وتربیت اور تعلیم کے میدان میں بشریت نے آپ کو عظیم الشان قائد پایاہے۔

یہ ایک بہت بڑاانقلاب تھا کہ جاہلیت سے بھرا معاشرہ چند برسوں میں کتابِ ہدایت اور مشعل علم کا ایک طاقتور وامین نگہبان و محافظ بن گیا اور تحریف وتصحیف کی کوششوں کو ناکام بنانے کیلئے، عزم محکم کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا یہ اس دائمی کتاب اور اس رسول ؐامی کا معجزہ ہے جو جاہلیت کے معاشرہ میں (خرافات اور اساطیر سے بہت دور تھا) اصل میں خدائی نورِ بصیرت آپ کے پورے وجود کا احاطہ کئے ہوئے تھا۔

۲۔ مسلمِ اوّل

خالقِ کائنات، سر چشمۂ وجود، خداکے سامنے سر جھکانا، اس کی عظیم قدرت اور اس کی حکمت کے نفاذ کے سامنے سراپا تسلیم ہونا نیز ایک، اکیلے اور بے نیاز معبود کی بندگی کا اقرار کرنا وہ منزل ہے جس سے ہر انسان کو گزرنا چاہیئے تاکہ وہ خدائی انتخاب واصطفٰی کے لائق بن جائے۔ قرآن مجید نے نبی کریم کے لئے اسی کی گواہی دی ہے۔ ارشاد ہے :

(قل انّنی ھدانی ربّی الیٰ صراط مستقیم...و انا اوّل المسلمین)[4]

آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے صراط مستقیم کی طرف میری ہدایت کی ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

---

1 اعراف:۱۵۸

2 نساء:۱۱۳

3 مائدہ:۱۵،احزاب:۴۶،نساء:۱۷۴،فتح:۸،زخرف۲۹،اعراف:۶۸،غاشیہ۲۱،اسراء:۱۰۵،مائدہ:۱۹

4 انعام:۱۶۱تا۱۶۳

یہ تمغۂ کمال ہے جس کو اس بندۂ مسلم نے حاصل کیا ہے اور اس کی بندگی میں سب پر فوقیت لے گئے ہیں اس مثالی عبودیت کی جھلک آپؐ کے قول و فعل میں نظر آتی ہے۔ فرماتے ہیں:

''قرة عيني فى الصّلواة''[١]

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ آپؐ وقتِ نماز کا انتظار کرتے تھے، بارگاہ خدا میں پہنچنے کا آپ کو شدید اشتیاق رہتا تھا چنانچہ اپنے موذن بلال سے فرماتے تھے: ارحنایابلال[2] اے بلال ہمیں خوش کرو، آپؐ اپنے اہل و عیال سے گفتگو کرتے تھے وہ بھی آپؐ سے محو سخن رہتے تھے لیکن جب نماز کا وقت آتا تو ایسا لگتا تھا جیسے وہ ایک دوسرے کو جانتے ہی نہیں ہیں۔[3] اور جب نماز پڑھتے تھے تو آپؐ کے سینہ اقدس سے ایسا زمزمہ بلند ہوتا تھا جیسے پتیلی میں کچھ پکنے کی آواز ہوتی ہے[4] اور خوفِ خدا میں اتنا روتے تھے کہ آپ کا مصلّٰی تر ہو جاتا تھا۔[5]

اتنی نمازیں پڑھتے تھے کہ آپ کے پیروں پر ورم آجاتا تھا اور صحابہ آپؐ سے عرض کرتے تھے: آپؐ اتنی نمازیں پڑھتے ہیں جبکہ خدا نے آپؐ کے گذشتہ اور آئندہ کے سارے الزاموں کو معاف کر دیا ہے؟ آپؐ فرماتے تھے:

''أفلا أكون عبداً شكوراً''[٦]

کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟!

آپ پورے ماہ رجب و شعبان، اور ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھتے تھے۔[7] رمضان آتا تو آپ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا اور نماز و دعا میں بہت گڑگڑاتے تھے۔[8] رمضان کے آخری دس دنوں میں تو آپؐ ازواج سے بھی پرہیز کرتے تھے شب بیداری کرتے تھے مختصر یہ کہ آپ اپنی پوری طاقت کو عبادت میں صرف کرتے تھے۔[9] دعا کے متعلق فرماتے:

''الدعا مخ العبادة''[١٠]

دعا عبادت کا لب لباب ہے۔

---

1 امالی طوسی ج۲ ص۱۴۱

2 بحار الانوار ج۸۳ ص۱۶

3 اخلاق النبی وآدابہ ص۲۵۱

4 ایضاً ص۲۰۱

5 سنن النبیؐ ص۳۲

6 اخلاق النبی ص۱۹۹ صحیح بخاری ج۱ ص۳۸۱ ح۱۰۷۸

7 وسائل الشیعہ ج۴ ص۳۰۹

8 سنن النبی ص۳۰۰

9 کافی ج۴ ص۱۵۵

10 محجۃ البیضاء ج۲ ص۲۸۲

”و سلاح المؤمن و عمود الدین و نور السمٰوات و الارض“[1]

دعامومن کااسلحہ ہے،دین کاستون ہے اور زمین وآسمان کانور ہے: آپؐ ہمیشہ خدا سے لولگائے رہتے تھے،دعااور تضرع کے ذریعہ خدا سے اپنا رشتہ مضبوط رکھتے تھے۔ ہر چھوٹے بڑے کام کے لئے دعا کرتے تھے، ہر روز خدا سے ستر مرتبہ استغفار کرتے تھے باوجودیکہ آپؐ معصوم تھے پھر بھی خدا کی بارگاہ میں ہر روز ستر بار توبہ کرتے تھے[2] اور جب بیدار ہوتے تھے تو پہلے خدا کو سجدہ کرتے تھے[3] اور ہر روز تین سو ساٹھ مرتبہ خدا کی حمد کرتے اور کہتے تھے:

الحمد للّٰہ ربِّ العالمین کثیراً علیٰ کلّ حال۔[4]

قرآن خوانی تو آپؐ کا شغف اور محبوب مشغلہ تھا جب آپؐ نے عبادت میں بہت زیادہ جانفشانی کی تو جبریل نازل ہوئے اور آپؐ کی خدمت میں خدا کا پیغام پہنچایا:

(طٰہ، ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ)۔[5]

طٰہ، ہم نے آپؐ پر اس لئے قرآن نازل نہیں کیا ہے کہ آپ خود کو مشقت میں ڈالیں۔

۳۔خدا ہی پر بھروسہ

اپنے رسولؐ کے بارے میں خدا کا ارشاد ہے:

(الیس اللّٰہ بکاف عبدہ)[6]

کیا اپنے بندہ کے لئے اللہ کافی نہیں ہے؟!

نیز فرماتا ہے:

(و توکَّل علیٰ العزیز الرّحیم الّذی یراک حین تقوم و تقلّبک فی السّاجدین)[7]

اور غالب ورحیم خدا پر بھروسہ کیجئے جو آپؐ کو اس وقت بھی دیکھتا ہے جب آپؐ قیام کرتے ہیں اور سجدہ کرنے والوں میں آپؐ کی نشست و برخاست بھی دیکھتا ہے۔

---

1 ایضاً: ج۲ ص ۲۸۴

2 بحار الانوار ج۱۶ ص ۲۱۷

3 ایضا ج۱۶ ص ۲۵۳

4 کافی ج۲ ص ۵۰۳

5 طٰہ ۱۔۲

6 زمر: ۳۶

7 شعراء: ۲۱۷ تا ۲۱۹

یقیناً رسولؐ اعظم خدا پر ایسے ہی توکل واعتماد کرتے تھے جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد گزرا ہے۔

جابر سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ذات الرقاع میں ہم رسولؐ کے ہمراہ تھے ہم نے ایک سایہ دار درخت دیکھا اسے رسولؐ کے لئے چھوڑ دیا۔ رسولؐ نے اپنی تلوار درخت پر لٹکا دی اور آرام کرنے لگے، ایک مشرک نے اس تلوار کو اٹھالیا اور رسولؐ سے کہنے لگا: آپؐ مجھ سے ڈرتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں اس نے کہا: اب آپ کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ بچائے گا۔ یہ سن کر اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر گرپڑی، تلوار کو آنحضرتؐ نے اٹھالیا اور فرمایا: اب میرے ہاتھ سے تجھے کون بچائے گا؟ اس نے کہا: مجھ پر احسان کیجئے، آپؐ نے فرمایا: کیا تم یہ گواہی نہیں دوگے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا: یہ گواہی تو میں نہیں دونگا لیکن میں یہ عہد کرتا ہوں کہ میں آپؐ سے جنگ نہیں کرونگا اور ان لوگوں کا ساتھ نہیں دونگا جو آپؐ سے جنگ کرتے ہیں، آپؐ نے اس کا راستہ چھوڑ دیا وہ اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور کہنے لگا: میں سب سے زیادہ نیک آدمی کے پاس سے آرہا ہوں۔[1]

۴۔ شجاعت

خداوند عالم کا ارشاد ہے:

(الّذین یبلّغون رسالات اللّٰہ و یخشونہ ولا یخشون احداً الا اللّٰہ)۔[۲]

جو لوگ خدا کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور خدا کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے (علی ابن ابی طالب کہ جن کے سامنے عرب کے سورماؤں کا زہرہ آب ہو جاتا تھا) فرماتے ہیں: جب میدان کارزار گرم ہوتا تھا اور دونوں طرف کی فوجیں ایک دوسرے سے گتھ جاتی تھیں تو اس وقت ہم رسولؐ کے پاس پناہ لیتے تھے اور آپ دشمن کی فوج سے بہت زیادہ قریب ہوتے تھے۔[3]

جنگ احد میں صحابہ آپؐ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اس وقت آپؐ کی ثابت قدمی کی منظر کشی مقداد نے اس طرح کی ہے: اس ذات کی قسم جس نے انہیں حق کے ساتھ مبعوث کیا میں نے نہیں دیکھا کہ رسولؐ اپنی جگہ سے ایک بالشت بھی پیچھے ہٹے ہوں جبکہ دشمنوں کا سارا زور آپؐ کی طرف تھا آپؐ کے اصحاب میں ایک جماعت آپؐ کے پاس جمع ہوتی تھی تو دوسری متفرق ہو جاتی تھی میں نے بارہا دیکھا کہ آپ اپنی کمان سے تیر چلا رہے ہیں یا پتھر پھینک رہے ہیں یہاں تک کہ دونوں طرف سے پتھراؤ شروع ہو گیا۔[4]

۵۔ بے مثال زہد

خداوند عالم فرماتا ہے:

---

1 ریاض الصالحین (للنووی) ص۵ حدیث ۷۸، صحیح مسلم ج۴ ص۴۶۵

2 احزاب: ۳۹

3 فضائل الخمسہ من الصحاح الستہ ج۱ ص۱۳۸

4 مغازی واقدی ج۱ ص۲۳۹ و ۲۴۰

(ولا تمدّنّ عینیک الیٰ ما متعنا به ازواجاً منهم زهرة الحیاة الدّنیا لنفتنهم فیه و رزق ربک خیر و ابقیٰ)[1]

اور ہم نے ان میں سے بعض لوگوں کو دنیوی زندگی کی رونق سے مالامال کر دیا آپ اپنی نگاہ کو ان کی طرف ہر گز نہ ڈالیں اس لئے کہ اس کے ذریعہ ہم انہیں آزمائیں گے اور آپ کے پروردگار کا رزق اس سے کہیں بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔

ابوامامہ نے رسولؐ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: مجھے میرے رب کا پیغام پہنچا کہ میں بطحائے مکہ کو تمہارے لئے سونے سے بھر دوں؟ میں نے عرض کی: نہیں معبود! میں ایک دن شکم سیر اور ایک دن بھوکا رہنا چاہتا ہوں، جب مجھے بھوک لگے تو میں تیری بارگاہ میں تضرع وزاری کروں اور جب شکم سیر ہوں تو تیری حمد کروں اور تیرا شکر ادا کروں۔[2]

رسولؐ اپنی چٹائی پر محو خواب ہوتے تھے اس سے آپ کے پہلو میں درد ہو گیا۔ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! ہم آپ کے لئے فرش فراہم کر دیں فرمایا: دنیا (کی لذتوں) سے مجھے کیا واسطہ؟ میں تو دنیا میں اس سوار کی مانند ہوں کہ جس نے درخت کے سایہ میں تھوڑی دیر آرام کیا اور پھر روانہ ہو گیا۔[3]

ابن عباس کہتے ہیں کہ رسولؐ کئی کئی دن بھوکے رہتے تھے، آپؐ کے اہل و عیال بھی اسی حال میں رہتے تھے وہ اکثر جو کی روٹی کھاتے تھے۔[4] عائشہ کہتی ہیں: آل محمدؐ نے کبھی دن میں دو کھانے نہیں کھائے، مگر یہ کہ ایک کھانا خرما ہوتا تھا[5] نیز کہتی ہیں: رسولؐ کی وفات کے وقت بھی آپؐ کی ایک بکری یہودی کے یہاں تیس سیر جو کے عوض گروی تھی۔[6]

انس بن مالک سے روایت ہے کہ فاطمہ زہراؐ آپؐ کی خدمت میں روٹی کا ایک ٹکڑا لائیں تو آپؐ نے فرمایا: اے فاطمہ! یہ ٹکڑا کیسا ہے؟ عرض کی: یہ روٹی کا ٹکڑا ہے، میرا دل نہ مانا لہذا میں آپ کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئی۔ فرمایا: تین دن کے بعد آج یہ پہلا لقمہ ہے جو تمہارے باپ کے منہ میں گیا ہے۔[7]

---

1 طٰہ: ۱۳۱

2 سنن ترمذی ج۴ص۵۱۸ح۲۳۷۷۔

3 سنن ترمذی ج۴ص۵۱۸ح۲۳۷۷۔

4 سنن ترمذی ج۴ص۵۰۱حدیث۲۳۶۰۔

5 صحیح بخاری ج۵ص۲۳۷۱حدیث۶۰۹۰۔

6 صحیح بخاری ج۳ص۱۰۶۸ح۲۷۵۹۔

7 الطبقات الکبریٰ ابن سعد ج۱ص۴۰۰۔

قتادہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ہم انس کے پاس تھے اور ان کے پاس ایک نانبائی تھا انہوں نے کہا: رسولؐ نے جیتے جی نرم روٹی اور بھنی بکری نہیں کھائی۔[1]

۶۔ بردباری اور کرم

ابن عباس کہتے ہیں: رسولؐ بڑے کریم وفیّاض تھے۔ ماہِ رمضان میں زیادہ سخاوت کرتے تھے۔ ہر سال رمضان میں جبریل آپؐ سے ملاقات کرتے تھے اور جب جبریل آپؐ سے ملاقات کرتے تھے تو آپؐ کو نرم ہوا سے بھی زیادہ سخی پاتے تھے۔[2]

جابر سے روایت ہے کہ رسولؐ سے جب بھی کچھ مانگا گیا آپؐ نے انکار نہیں کیا۔[3]

روایت ہے کہ رسولؐ ایک کپڑے والے کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے چار درہم میں ایک قمیص خریدی۔ اس کو پہن کر برآمد ہوئے تو انصار میں سے ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے قمیص پہنا دیجئے اللہ آپ کو جنت کا لباس عطا کرے گا۔ آپؐ نے قمیص اتاری اور اسے پہنا دی، پھر دوکاندار کے پاس آئے اور اس سے چار درہم میں دوسری قمیص خریدی آپؐ کے پاس دو درہم باقی بچے دیکھا کہ راستہ میں ایک کنیز رو رہی ہے۔ آپؐ نے اس سے دریافت کیا: کیوں رو رہی ہو؟ اس نے عرض کی اے اللہ کے رسولؐ! میرے آقا نے مجھے دو درہم دیئے تھے کہ آٹا لے آؤ وہ درہم گم ہو گئے دو درہم رسولؐ نے اسے دے دیئے۔ کنیز نے پھر عرض کی: میں ڈرتی ہوں کہ گھر والے کہیں مجھے ماریں نہ لہذا رسولؐ اس کے ساتھ اس کے آقا کے گھر تشریف لے گئے، باہر ہی سے سلام کیا، ان لوگوں نے رسولؐ کی آواز پہچان لی لیکن کوئی جواب نہ آیا آپؐ نے پھر سلام کیا۔ پھر کوئی جواب نہ ملا آپؐ نے پھر سلام کیا تو ان لوگوں نے سلام کا جواب دیا۔ آپؐ نے دریافت کیا تم نے میرا پہلا سلام نہیں سنا تھا؟ انہوں نے عرض کی: سنا تھا لیکن ہم چاہتے تھے آپ ہماری سلامتی کی زیادہ دعا کریں۔ ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان تشریف آوری کا باعث کیا ہے؟ فرمایا: مجھے یہ خوف تھا کہ تم اس کنیز کو مارو گے۔ اس کے مالک نے کہا: آپؐ اس کے ساتھ تشریف لائے ہیں لہذا میں نے اسے راہِ خدا میں آزاد کیا، رسولِ خدا نے انہیں دعائے خیر دی اور انہیں جنت کی بشارت دی اور فرمایا:

لقد بارک اللّٰہ فی العشرۃ کسا اللّٰہ نبیہ قمیصاً و رجلا من الانصار قمیصا و اعتق منها رقبۃ و احمد اللّٰہ ھو الّذی رزقنا ھذا بقدرتہ۔[٤]

یقیناً خدا نے ان دس درہموں میں برکت عطا کی اس کے ذریعہ سے خدا نے اپنے نبیؐ کو قمیص پہنائی، اور ایک آدمی کو انصار میں سے قمیص پہنائی اور اس دس درہم میں سے ایک کنیز کو آزاد کرایا میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے اپنی قدرت سے ہمیں یہ چیزیں عطا کیں۔

ماہِ رمضان آتا تو آپ اسیروں کو رہا کر دیتے تھے اور ہر سائل کو عطا کرتے تھے۔[5]

---

1 مسند احمد ج ۳ ص ۵۸۲ حدیث ۱۱۸۸۷۔
2 صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۸۱ حدیث ۳۳۰۸، مسند احمد ج ۱ ص ۵۹۸ حدیث ۳۴۱۵۔
3 سنن دارمی ج ۱ ص ۳۴۔
4 المعجم الکبیر (طبرانی) ج ۱۲ ص ۳۳۷، حدیث ۱۳۶۰۷۔
5 حیات النبیؐ و سیرتہ ج ۳ ص ۳۱۱۔

عائشہ کہتی ہیں: نبیؐ اپنے ساتھ کی گئی بد سلوکی کا انتقام نہیں لیتے تھے ہاں حرمتِ الٰہی کی پامالی کا انتقام لیتے تھے، اپنے ہاتھ سے آپؐ نے کبھی کسی کو نہیں مارا، اگر مارا تو راہ خدا میں مارا، آپؐ نے کسی سوالی کو محروم نہیں کیا، مگر یہ کہ اس نے گناہ کا سوال کیا ہو کیونکہ آپؐ معصوم تھے، گناہ سے بہت دور تھے۔[1]

عبید بن عمر سے روایت ہے: اگر رسولؐ کے پاس ایسے مجرم کو لایا جاتا تھا کہ جس پر حد نہیں ہوئی تھی تو آپ اسے معاف کر دیتے تھے۔[2]

انس کہتے ہیں: میں نے دس سال تک رسولؐ کی خدمت کی ہے لیکن کبھی آپؐ نے مجھ سے اف تک بھی نہیں کہا، اور میں جو کام بھی انجام دیتا تھا اس پر کبھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ تم نے کیوں کیا؟ اور جو کام میں نہیں کرتا تھا اس پر کبھی یہ نہیں کہا کہ یہ انجام کیوں نہیں دیا؟[3]

ایک اعرابی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے اپنی ردا کو اتنی شدت کے ساتھ کھینچا کہ اس کا ایک کونا آپؐ کی گردن پر لگا، اور کہنے لگا: اے محمدؐ! مجھے مالِ خدا میں سے دیئے جانے کا حکم دیں، آپؐ نے اس کی طرف دیکھا تبسم کیا اور اسے عطا کرنے کا حکم دیا۔

آپؐ نے زندگی بھر عفو و سخاوت سے کام لیا ہے... یہاں تک کہ اپنے چچا جناب حمزہ کے قاتل کو بھی معاف کر دیا تھا... اس یہودی عورت کو بھی معاف کر دیا تھا جس نے آپؐ کی خدمت میں بکری کا زہر آلود گوشت پیش کیا تھا، ابوسفیان کو معاف کر دیا تھا اور جو اس کے گھر میں داخل ہو گیا تھا اس کو بھی معاف کر دیا تھا۔ اور قریش کے ان لوگوں سے درگذر کیا تھا جو اپنے رب کے حکم سے روگرداں تھے اور اس سے اپنی پوری طاقت کے ساتھ ٹکرائے تھے... جس وقت آپؐ عزت و اقتدار کے بلند ترین درجہ پر فائز تھے اس وقت فرمایا تھا:

''اللهم اهد قومی فانهم لا یعلمون...اذهبوا فانتم الطلقاء۔''[4]

اے اللہ! میری قوم کی ہدایت فرما کیونکہ یہ لوگ کچھ نہیں جانتے... جاؤ تم سب آزاد ہو۔

''ولو كنت فظّا غليظ القلب لا نفضّوا من حولك فاعف عنهم واستغفر لهم۔''[5]

اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے بھاگ جاتے لہذا انہیں معاف کر دو اور ان کے لئے استغفار کرو۔

خدا نے آپ کی رحم دلی اور شفقت و رافت کو اس طرح بیان کیا ہے :

(لقد جائكم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمومنين رؤوف رحيم)[6]

یقیناً تمہارے پاس تمہیں میں سے وہ رسولؐ آیا ہے جس پر تمہاری مصیبت شاق ہوتی ہے اور تمہاری ہدایت میں رغبت رکھتا ہے اور مومنوں پر شفیق و رحیم ہے۔

---

1 حیات النبیؐ و سیرتہ ج۳ ص۳۰۶۔

2 ایضاج۳ ص۳۰۷۔

3 صحیح بخاری ج۵ ص۲۲۶۰ حدیث۵۷۳۸۔

4 محمد فی القرآن ص۶۰ تا۶۵۔

5 آل عمران:۱۵۹۔

6 توبہ:۱۲۸۔

۷۔ حیاوانکساری

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسولؐ کو پردہ نشیں کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیا تھی آپؐ اگر کسی چیز سے نفرت کرتے تھے تو اس کا اندازہ آپؐ کے چہرہ سے ہو جاتا تھا۔[1]

حضرت علیؓ سے روایت ہے: جب رسولؐ سے کسی چیز کا سوال کیا جاتا تھا اور آپ اسے پورا کرنے کا ارادہ کرتے تھے تو فرماتے تھے: ہاں اور اگر اسے انجام دینے کا قصد نہیں رکھتے تھے تو خاموش رہتے تھے، لیکن آپؐ کسی چیز کے بارے میں نہیں! نہیں کہتے تھے۔[2]

یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت ہے کہ رسولؐ نے فرمایا:

''آکُلُ کما یاکل العبد و اَجلسُ کما یجلس العبد۔ فانما انا عبد۔''[۳]

میں غلام کی طرح کھاتا ہوں اور غلام کی طرح بیٹھتا ہوں کیونکہ میں بھی ایک بندہ ہی ہوں۔ آپؐ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ آپؐ بچوں کو بھی سلام کرتے تھے۔[4]

نبیؐ ایک شخص سے ہمکلام ہوئے تو وہ شخص آپ کے رعب سے تھر تھر کانپنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا:

''هوّن علیک فانی لست بملک انما انا ابن امرأة تاکل القدید۔''[۵]

گھبراؤ نہیں! میں بادشاہ نہیں ہوں میں تو اس خاتون کا بیٹا ہوں جو روکھی سوکھی روٹی کھاتی تھی۔

ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسولؐ عصا ٹیکتے ہوئے ہمارے پاس تشریف لائے، ہم ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے تو آپ نے فرمایا:

---

1 صحیح بخاری ج۳ ص ۱۳۰۶ حدیث ۳۳۶۹۔
2 مجمع الزوائد ج۹ ص ۱۳۔
3 الطبقات (لابن سعد) ج ا ص ۳۷۱، مجمع الزوائد ج۹ ص ۱۹۔
4 حیات النبی و سیرتہ ج۳ ص ۳۱۳، اس میں ابن سعد کے حوالے سے منقول ہے۔
5 سنن ابن ماجہ ج۲ ص ۱۱۰۱ حدیث ۳۳۱۲۔

"لا تقوموا کما تقوم الاعاجم یعظم بعضھم بعضاً۔"[1]

ایسے مت کھڑے ہوا کرو جیسے عجم والے ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔

اپنے اصحاب سے آپؐ مذاق کرتے تھے لیکن حق کے علاوہ کوئی بات نہیں کہتے تھے[2]، مسجد بنانے[3] اور خندق کھدوانے[4] میں آپؐ بھی اپنے اصحاب کے ساتھ کام کرتے تھے باوجودیکہ آپ عقلمند ترین انسان تھے پھر بھی اپنے اصحاب سے مشورہ کرتے تھے۔[5]

آپ فرمایا کرتے تھے:

" اللھم احیینی مسکیناً و توفّنی مسکیناً و احشر نی فی زمرۃ المساکین و ان اشقیٰ الاشقیاء من اجتمع علیہ فقر الدنیا و عذاب الآخرۃ۔"[6]

اے اللہ! مجھے مسکین کی زندگی اور مسکین کی موت دینا اور مسکینوں کے ساتھ محشور کرنا اور بلاشبہ بدقسمت ترین شخص وہ ہے جو دنیا کے فقر اور آخرت کے عذاب کا ایک ساتھ شکار ہو۔

یہ تھیں آپؐ کی شخصیت کی بعض خوبیاں اور صفتیں، آپ کے فردی و اجتماعی سلوک کی چند جھلکیاں، آپؐ کی انتظامی، سیاسی، عسکری، اقتصادی اور اسیروں، قیدیوں سے متعلق بہت سی خوبیاں ایسی ہیں جن کی تحقیق کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ان میں آپؐ کی تاسی کی جائے، ان سے درس لیا جائے۔

ہم انہیں آنے والی فصلوں میں بیان کریں گے۔

---

1 سنن ابی داؤد ج۴ ص۳۵۸ حدیث ۵۲۳۰۔

2 سنن ترمذی ج۴ ص ۳۰۴، حدیث ۱۹۹۰۔

3 مسند احمد ج۳ ص۸۰۔

4 طبقات، ابن سعد ج۱ ص ۲۴۰۔

5 الدر المنثور ج۲ ص۳۵۹، مواہب اللدنیہ ج۲ ص۳۳۱۔

6 سنن ترمذی ج۴ ص۴۹۹ حدیث ۲۳۵۲۔

دوسرا باب

پہلی فصل

ولادت وپرورش کا عہد

دوسری فصل

شباب وجوانی کا دور

تیسری فصل

شادی سے بعثت تک

پہلی فصل

ولادت وپرورش

ا۔بت پرست معاشرہ کی جھلکیاں

بعثت نبوی سے قبل جزیرۃ العرب کے معاشرہ میں ظلم وفساد کا دور دورہ تھا۔ وہاں کے لوگوں کا کوئی متحدہ محاذ وبلاک نہیں تھااور ان کی اجتماعی وثقافتی خصوصیتیں، جوکہ صحرائی ماحول کی پیداوار تھیں،ان کی زوال پذیر حالت کوروکنے کے لئے کافی نہیں تھیں، تباہی کے آثار جزیرۃ العرب کے معاشرہ میں نمایاں ہوچکے تھے اوران کے درمیان جو معاہدے ہوتے تھے اس کی ایک اجتماعی خصوصیت تھی لیکن اس کے تعدد سے یہ بات عیاں ہے کہ ان کے معاشرہ میں مرکزیت ختم ہوچکی تھی۔

نہ ہی اس معاشرہ میں ہمیں کوئی ایسی اصلاحی وانقلابی تحریک نظرآتی ہے جس کو تاریخ نے بیان کیا ہو جو اس معاشرہ میں ابھری ہو اور اس نے انہیں بہتر و خوش حال زندگی کی طرف دعوت دی ہو ہاں پراگندہ حالت میں بعض لوگوں کی تحریک ضرور تھی جسے اجتماعی ظلم وتعدی کا رد عمل ہی کہا جاسکتا ہے اس کے بانی جزیرۃ العرب کے بہت کم لوگ تھے اور یہ تحریک نہ تو ایک نظریہ کے حد تک پہنچ سکی اور نہ ہی معاشرہ میں کوئی انقلاب برپا کر سکی [1] معاشرۂ قریش میں خلفشار اور اختلاف کو ہم خانۂ کعبہ کی تعمیر نو کے سلسلہ میں دیکھ چکے ہیں حالانکہ اس وقت قریش عرب کے قبائل میں سب سے زیادہ معزز اور متحد تھے۔ اس معاشرہ کی تباہی اور شکست وریخت کو ہم جزیرہ نمائے عرب میں مقیم یہودیوں کی دھمکیوں سے بھی ثابت کر سکتے ہیں یہاں کے یہود جزیرہ نما عرب کے لوگوں سے کہا کرتے تھے بشریت کو نجات دلانے والا آسمانی شریعت کے ساتھ عنقریب ظہور کرے گا، نیز کہتے تھے: ایک نبیؐ ظہور کرے گا جو تمہارے بتوں کو توڑ دے گا۔[2]

---

1 السیرۃ النبویۃ ج ۱ ص ۲۲۵۔

2 بحار الانوار ج ۱۵، ص ۲۳۱، السیرۃ النبویۃ ج ۱ ص ۲۱۱، البقرۃ: ۸۹۔

۲۔ رسولؐ کے آباء واجداد کا ایمان

رسولؐ نے ایسے موحد گھرانے میں ولادت وپرورش پائی جو کہ بلند اخلاق اور اعلیٰ اقدار کا حامل تھا۔ آپؐ کے جد عبد المطلب کے ایمان کا علم تو ہمیں ان کی اس دعا سے ہو جاتا ہے جو انہوں نے اس وقت کی تھی جب حبشی ابرہہ نے خانۂ کعبہ مسمار کرنے کے لئے چڑھائی کی تھی۔ اس وقت کعبہ کی حفاظت کے لئے عبد المطلب نے کسی بت سے التجا نہیں کی تھی بلکہ خدائے واحد پر توکل کیا تھا۔[1]

بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ عبد المطلب پیشین گوئیوں کے ذریعہ نبیؐ کی عظمت اور ان کے مستقبل سے واقف تھے چنانچہ انہوں نے رسولؐ کا واسطہ دے کر اس وقت بارش کی دعا کی تھی جب رسولؐ کی عمر بہت کم تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ رزق ونعمت دینے والے خدا کے نزدیک ان (محمدؐ) کی بڑی منزلت ہے۔[2]

عبد المطلب کے مومن ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ انہوں نے آپ کے بچپنے میں ام ایمن سے فرمایا کہ خبردار ان (محمدؐ) سے غافل نہ ہونا۔[3]

یہی حال آپ کے چچا جناب ابو طالب کا ہے تبلیغ رسالت کے پیش نظر وہ بھی تا حیات، رسولؐ کی حفاظت وپشت پناہی کرتے رہے اس سلسلہ میں انہوں نے قریش کے بائیکاٹ اور شعب ابو طالبؑ میں گھیراؤ اور ان کی دوسری اذیتوں کو برداشت کیا۔ اس حقیقت کو ہم ابو طالب کے بارے میں نقل ہونے والی روایتوں میں دیکھتے ہیں کہ وہ رسولؐ کی حفاظت کا کتنا خیال رکھتے تھے۔[4]

ہاں بعض (ضعیف) روایتوں میں رسولؐ کے والدین کی طرف شرک اور بت پرستی کی نسبت دی گئی ہے، لیکن ان کے ایمان کی دلیل رسولؐ کا یہ قول ہے:

''لم ازل انقل من اصلاب الطاهرين الیٰ ارحام الطاهرات''۔

میں پاک وپاکیزہ صلبوں سے پاک وپاکیزہ رحموں میں منتقل ہوتا رہا۔

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؐ کے آباء واجداد اور مائیں ہر شرک ورجس سے پاک تھیں۔

۳۔ ولادتِ رسولؐ

عیسائیت نے انسانی معاشرہ میں نہ تو نفوذ ہی پیدا کیا تھا اور نہ ہی اس کے ایسے کارنامے ہیں کہ جن کا ذکر کیا جا سکے اس کے نتیجہ میں دنیا میں گمراہی وانحراف پھیل گیا تھا لوگ حیرتوں اور فتنوں کی گمراہیوں میں مبتلا ہو چکے تھے جاہلوں کی جاہلیت نے ان کو بے وقعت کر دیا تھا، روم کی حالت بھی اپنے حریف ملک ایران کی حالت سے کچھ کم بدتر نہیں تھی اور جزیرۃ العرب کی حالت ان دونوں سے بہتر نہیں تھی ہر ایک تباہی کے دہانے پر کھڑا ہوا تھا۔

---

1 سیرۃ النبویۃ ج۱ ص ۴۳۔۶۲، تاریخ کامل ج۱ ص ۲۶۰، بحار الانوار ج۵ ص ۱۳۰۔

2 سیرۃ حلبیہ ج۱ ص ۱۸۲، الملل والنحل شہرستانی ج۲ ص ۲۴۸۔

3 سیرۃ زینی دحلان جو کہ سیرۃ حلبیہ کے حاشیہ پر چھپی ہے: ج۱ ص ۶۴، تاریخ یعقوبی ج۲ ص ۱۰۔

4 السیرۃ النبویہ ج۱ ص ۹۷۹، تاریخ ابن عساکر ج۱ ص ۶۹، مجمع البیان ج۷ ص ۳۷، مستدرک حاکم ج۲ ص ۶۲۳، طبقات الکبریٰ ج۱، ص ۱۶۸، سیرۃ حلبیہ ج۱ ص ۱۸۹، اصول کافی ج۱ ص ۴۴۸، الغدیر ج۷ ص ۳۴۵۔

اس وقت کی انسانی حیات کے ایک المناک گوشہ کو قرآن مجید نے نہایت ہی فصیح و بلیغ انداز میں بیان کیا ہے اور اسی طرح اہل بیتؑ نبوت کے سید و سردار علی ابنؑ ابی طالبؑ نے اپنے متعدد خطبوں میں ان کی افسوسناک حالت کو بیان فرمایا ہے۔ جس معاشرہ میں نبیؐ کو مبعوث کیا گیا تھا اس کی حالت کو آپؑ نے اس طرح بیان فرمایا ہے :

''ارسلہ علیٰ حین فترة من الرسل و طول ھجعة من الامم و اعتزام من الفتن و انتشار من الامور و تلظٍّ من الحروب و الدنیا کاسفة النور، ظاہرة الغرور علیٰ حین اصفرار من و رقھا و ایاس من ثمرھا و اغورار من ماءھا، قد درست منائر الھدیٰ و ظھرت اعلام الردیٰ فھی متجھمة لاھلھا، عابسة فی وجہ طالبھا ثمرھا الفتنة و طعامھا الجیفة و شعارھا الخوف و دثارھا السیف۔'' [1]

اللہ نے اپنے رسولؐ کو اس وقت بھیجا جب رسولوں کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا، امتیں عرصۂ دراز سے خواب غفلت میں پڑی ہوئی تھیں فتنے سر اٹھا رہے تھے، تمام چیزوں کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے، دنیا کی رونق ختم ہو چکی تھی، اس کی فریب کاریاں کھلی ہوئی تھیں، اس کے پتے زرد ہو گئے تھے اور پھلوں سے ناامیدی ہو چکی تھی، پانی زمین میں تہ نشیں ہو چکا تھا۔ ہدایت کے نشان مٹ گئے تھے، ہلاکت و پستی کے پرچم کھلے ہوئے تھے، دنیا اپنے باشندوں کے سامنے تیور چڑھائے ہوئے کھڑی تھی، اس کا پھل فتنہ تھا، اس کی خوراک مردار تھی اس کے اندر کا لباس خوف اور ظاہری لباس تلوار تھی۔

بشریت ایسے ہی سخت و دشوار حالات سے دوچار تھی کہ نور الٰہی چمکا اور خدا کے بندوں اور روئے زمین پر بسنے والوں کو بہترین زندگی اور ابدی سعادت کی بشارت دی اور سرزمین حجاز ا عام الفیل مطابق ۵۷۰ء کو ماہ ربیع الاوّل میں بابرکت ہوگئی، جیسا کہ اکثر مورخین و محدثین نے لکھا ہے۔

آپ کے روزِ ولادت کو اہل بیتؑ نے بیان کیا ہے واضح ہے کہ گھر کی بات گھر والے ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرماتے ہیں آنحضرتؐ نے ۱۷ ربیع الاول بروز جمعہ طلوع فجر کے بعد ولادت پائی، مذہب امامیہ کے درمیان یہی قول مشہور ہے لیکن عامہ کا نظریہ یہ ہے کہ آپؐ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے روز ہوئی۔ [2]

تاریخ و حدیث کی معتبر کتابوں میں وہ عجیب و غریب حوادث بیان ہوئے ہیں جو آپ کی ولادت کے دن رونما ہوئے تھے مثلاً: فارس کے آتشکدہ کی آگ بجھ گئی، شدید زلزلہ آیا کہ جس سے عیسائیوں اور یہودیوں کے گرجا و کلیسا منہدم ہو گئے ہر وہ چیز اپنی جگہ سے اکھڑ گئی جس کی پرستش کی جاتی تھی اور خانہ کعبہ میں نصب ہوئے بت منہ کے بل گر پڑے کاہنوں اور ساحروں کے اعداد و شمار اور حساب و کتاب بے کار ہو گئے، کچھ ایسے ستارے طلوع ہوئے جو اس سے پہلے نہیں دیکھے گئے تھے جب آپؐ پیدا ہوئے تو آپ کی زبان پر ''اللہ اکبر، والحمد للہ کثیرا، وسبحان اللہ بکرة واصیلا''۔ تھا۔ [3]

---

1 نہج البلاغہ خطبہ ۸۹۔

2 ملاحظہ ہو امتاع الاسماع۔

3 تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۸، سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص ۹۲۔

نبیؐ نے اپنے دوناموں، محمدؐ واحمد، سے شہرت پائی، قرآن مجید نے دونوں کا ذکر کیا ہے مورخین نے لکھا ہے کہ آپؐ کے جد عبدالمطلب نے آپ کا نام محمدؐ رکھا تھا اور جب ان سے محمد کی وجہ تسمیہ معلوم کی گئی تو انہوں نے جواب دیا: میں چاہتا ہوں کہ آسمان اور زمین پر ان کی تعریف کی جائے[1] آپ کے جد سے پہلے آپ کی والدہ نے آپ کا نام احمد رکھا تھا۔

اسی نام کی بشارت حضرت عیسیٰؑ کی زبانی انجیل میں دی گئی ہے جیسا کہ قرآن مجید نے اسکو بیان کیا ہے اور علمائے اہل کتاب نے اس کی تصدیق کی ہے، خداوند عالم نے اسے اس طرح نقل کیا ہے :

''مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد ''۔[۲]

اور میں تمہیں اپنے بعد ایک رسولؐ کی بشارت دینے والا ہوں جس کا نام احمد ہوگا۔

اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے کہ ایک شخص دو نام، دو القاب اور دو کنیتوں سے پہچانا جائے جزیرۃ العرب وغیرہ میں ایسا ہوتا آیا ہے۔

۴۔مبارک رضاعت

حضرت محمدؐ کی ساری ذمہ داری ان کے جد عبدالمطلب کے سپرد ہو گئی تھی کہ جو عین شباب کے عالم میں اپنے چہیتے بیٹے جناب عبداللہ سے محروم ہو گئے تھے،اس لئے آپ کے جد عبدالمطلب نے آپ کی پرورش کی ذمہ داری ابو لہب کی کنیز ثویبہ کے سپرد کردی تاکہ آپ کو بنی سعد کے پاس بادیہ میں بھیج دیا جائے اور وہاں کے صاف و شفاف ماحول میں نشو نما پائیں اور ان وباؤں سے دور رہکر-جو کہ اہل مکہ کے بچوں کے لئے خطرہ بنی ہوئی تھیں۔ بادیہ نشین لوگوں کے بچوں کے ساتھ پرورش پائیں، جیسا کہ اہل مکہ کے شرفاء کی عادت تھی کہ وہ اپنے بچے دودھ پلانے کے لئے دودھ پلانے والیوں کو دیدیا کرتے تھے اور دودھ پلانے کے سلسلہ میں قبیلۂ بنی سعد کی عورتیں مشہور تھیں، وہ مکہ کے مضافات اور حرم کے نواح میں رہتی تھیں دودھ پینے والے بچے لینے کے لئے ان کی عورتیں سال میں ایک مرتبہ مکہ آتی تھیں جس سال نبیؐ نے ولادت پائی تھی اس سال بہت سی عورتیں آئی تھیں کیونکہ یہ قحط کا سال تھا اس لئے انہیں مکہ کے شرفاء سے مدد لینا تھی۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ ان دودھ پلانے والیوں میں سے کسی نے بھی محمدؐ کو نہ لیا کیونکہ آپؐ یتیم تھے، قریب تھا کہ ان کا قافلہ واپس چلا جائے، حلیمہ بنت ابی ذویب سعدیہ کے علاوہ ہر عورت کو بچہ مل گیا تھا، دوسری دودھ پلانے والیوں کی مانند پہلے حلیمہ نے بھی آپؐ کو لینے سے انکار کر دیا تھا لیکن جب انہیں کوئی بچہ نہ ملا تو انہوں نے اپنے شوہر سے کہا: خدا کی قسم! میں اس یتیم کے گھر جاؤنگی اور اسی کو لاؤنگی، ان کے شوہر نے رضامندی کا اظہار کیا تو وہ عبدالمطلب کے گھر واپس آئیں اور محمدؐ کو گود میں لیا، گود لیتے ہی ان کا پورا وجود اس امید سے معمور ہو گیا کہ اس بچہ کے ذریعہ انہیں بہت سی خیر و برکت ملے گی۔[3]

---

1 سیرۃ حلبیہ ج۱ص۱۲۸۔

2 صف:۶، ملاحظہ ہو سیرۃ حلبیہ ج۱ص۷۹۔

3 سیرۃ حلبیہ ج۱ص۱۴۶۔

مورخین کا یہ خیال ہاشمی گھرانے کی عظمت اور رسولؐ کے جد، کہ جو اپنے جود و کرم اور مفلس و محتاجوں کی مدد کرنے کے حوالے سے مشہور تھے۔ مزید برآں بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ کے پدر بزرگوار کا انتقال آپؐ کی ولادت کے کئی مہینے کے بعد ہوا تھا[1] مورخین نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ آپؐ نے حلیمہ کے پستان کے علاوہ کسی کے پستان کو منہ نہیں لگایا تھا۔[2]

حلیمہ کہتی ہیں: عبدالمطلب نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تم کون ہو؟ میں نے کہا: میں بنی سعد کی عورت ہوں انہوں نے کہا: تمہارا کیا نام ہے؟ میں نے کہا: حلیمہ اس پر عبدالمطلب مسکرائے اور فرمایا: مبارک ہو مبارک سعد و حلم ایسی دو خصلتیں ہیں کہ جن میں زمانہ کی بھلائی اور ابدی عزت ہے۔[3]

عبدالمطلب کے یتیم کو لینے کے سلسلہ میں حلیمہ کو جو خیر و برکت کی امید ہوئی تھی اس میں انہیں خسارہ نہیں ہوا مروی ہے کہ حلیمہ کے پستان میں دودھ نہیں تھا لیکن جب محمدؐ نے منھ لگایا تو ان کے پستان میں دودھ بھر گیا۔

حلیمہ کہتی ہیں: ہم نے اپنے مال و متاع میں اسی وقت سے خیر و برکت محسوس کی ہے جب سے رسولؐ کو پرورش کے لئے لیا یہاں تک کہ قحط و غربت کے بعد ہم مالدار ہو گئے۔[4]

عبدالمطلب کا پوتا حلیمہ اور ان کے شوہر کی گود میں چلا گیا اور تقریباً ۵ سال تک وہیں رہا دو سال کے بعد حلیمہ انہیں لے کر واپس آئیں لیکن اب تو حلیمہ آپ کے وجود میں خیر و برکت محسوس کر چکی ہیں اور آپ کو دوبارہ اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہیں دوسری طرف آپؐ کی والدہ امراض اور وباء سے بچانے کی خاطر آپؐ کو مکہ سے دور رکھنا چاہتی ہیں لہذا حلیمہ خوشی خوشی رسولؐ کو اپنے ساتھ لیکر واپس لوٹ گئیں۔

روایت ہے کہ حلیمہ دوبارہ آپ کو اس وقت مکہ واپس لائیں جب انہیں آپؐ کی جان خطرہ میں نظر آئی کیونکہ حلیمہ نے نصاریٰ کی اس جماعت کو دیکھا تھا جو حبشہ سے حجاز آئی تھی اس نے محمدؐ میں نبی موعود کی علامتیں دیکھیں تو اصرار کیا کہ ہم انہیں اپنے ساتھ حبشہ لے جانا چاہتے ہیں تاکہ ان کی پرورش کا شرف حاصل کریں۔[5]

۵۔ نبیؐ کے واسطہ سے بارش

مورخین نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رسولؐ کے واسطہ سے آپ کی حیات میں متعدد بار بارش ہوئی ہے۔ آپ کی شیر خوارگی کے زمانہ میں آپ کے جد اور آپ کے چچا ابو طالب کی زندگی میں، پہلی بار اس وقت آپ کے واسطہ سے بارش ہوئی تھی جس وقت اہل مکہ شدید قحط میں مبتلا تھے، دو سال سے بارش نہیں ہوئی تھی، جناب عبدالمطلب نے اپنے بیٹے ابو طالبؑ کو حکم دیا کہ ان کے پوتے حضرت محمدؐ کو لائیں حالانکہ وہ اس وقت شیر خوار تھے چنانچہ ابو طالب انہیں لائے، اور دادا کی گود میں دیدیا، عبدالمطلب انہیں لئے ہوئے خانۂ کعبہ گئے اور انہیں آسمان کی طرف بلند کر کے عرض کی: بارالٰہا! اس بچہ

1 الصحیح من سیرۃ النبی الاعظمؐ ج۱ ص۸۱، سیرۃ حلبیہ ج۱ ص۸۱۔
2 بحار الانوار ج۱۵ ص۳۴۲۔
3 سیرۃ حلبیہ ج۱ ص۱۴۷۔
4 بحار الانوار ج۱۵ ص۳۴۵، المناقب ابن شہر آشوب ج۱ ص۲۴، سیرۃ حلبیہ ج۱ ص۱۴۹۔
5 السیرۃ النبویۃ ج۱ ص۱۶۷، بحار الانوار ج۱۵ ص۱۰۵، سیرۃ حلبیہ ج۱ ص۱۵۵۔

کے حق کا واسطہ، اسی جملہ کو بار بار کہتے اور دعا کرتے رہے کہ ہمیں موسلادھار بارش کے ذریعہ سیر اب کر کچھ دیر نہ گذری تھی کہ آسمان پر گھٹا چھا گئی اور اتنی شدید بارش ہوئی کہ لوگوں کو مسجد الحرام کے منہدم ہونے کا خوف لاحق ہو گیا۔ [1]

دوبارہ آپ کے وسیلہ سے اس وقت بارش ہوئی جب آپؐ کا بچپنا تھا جناب عبد المطلب آپؐ کو لیکر کوہ ابو قبیس پر گئے قریش کے دوسرے نمایاں افراد بھی ان کے ہمراہ تھے تاکہ نبیؐ کی برکت سے دعا مستجاب ہو جائے۔ اس واقعہ کی طرف جناب ابو طالبؑ نے اس طرح اشارہ کیا ہے :

ابو نا شفیع الناس حین سقوا به من الغیث رجاس العشیر بکور

و نحن-سنین المحل-قام شفیعنا بمکة یدعو و المیاه تغور [۲]

مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ قریش نے ابو طالبؑ سے التماس کی کہ ہمارے لئے بارش کی دعا کریں تو ابو طالبؑ، نبیؐ کو مسجد الحرام کے پاس لائے، اس وقت آپ کا چہرہ سورج کی طرح دمک رہا تھا، ابو طالب نے نبیؐ کے واسطہ سے بارش کے لئے دعا کی تو آسمان پر بادل چھا گئے اور موسلادھار بارش ہوئی اس صورت حال کو دیکھ کر سب لوگ خوش ہو گئے۔ اس کرامت کا ذکر ابو طالبؑ نے اس وقت کیا تھا جب قریش نے نبیؐ اور ان کی رسالت سے دشمنی کی حد کر دی تھی، کہتے ہیں:

و ابیض یستسقیٰ الغمام بوجهه ربیع الیتامی عصمة للارامل

تلوذ به الهلاک من آل ہاشم فهم عنده فی نعمة و فواضل [۳]

سفید رنگ سر دار جس کے چہرہ سے بادل برسایا جاتا ہے، جو یتیموں کا فریادرس اور بیواؤں کا محافظ ہے یہ وہ ذات ہے جس کے سایہ میں آل ہاشم کے مجبور لوگ پناہ لیتے ہیں اور اس کے تصدق میں نعمت پاتے ہیں۔

ان تمام باتوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ رسول خدا کے دونوں کفیل خالص مومن تھے اور دونوں خدا پر ایمان رکھتے تھے ان کی عزت وافتخار، توحید اور اللہ پر ایمان کے لئے اتنا کافی ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ نے اس گھر میں پرورش پائی تھی جو عقیدۂ توحید سے معمور تھا۔

۶۔ اپنی والدہ آمنہ کے ساتھ

آپؐ کے والد کا سایہ تو پہلے ہی اٹھ چکا تھا والدہ کی محبت و شفقت سے بھی آپؐ تادیر بہرہ یاب نہ رہ سکے، والدہ کو یہ امید تھی کہ عبد اللہ کا یتیم ان کی حیات میں جوان ہو گا اور شوہر کی جدائی کے بعد بیٹا سہارا بنے گا۔ مگر موت نے انہیں زیادہ مہلت نہیں دی، حلیمہ سعدیہ سے روایت ہے کہ وہ نبیؐ کو ان کے گھر لے کر آئیں اس وقت نبیؐ کی عمر پانچ سال ہو چکی تھی، آپ کی والدہ آمنہ یہ چاہتی تھیں کہ محمدؐ کو ساتھ لیکر اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کو جائیں اور اس سفر میں محمدؐ یثرب میں بنی نجار میں سے اپنے ماموں کو بھی دیکھ لیں لیکن اس سفر میں رسولؐ کو ایک اور غم ہوا، آپ اپنے پدر بزرگوار کی قبر کی زیارت

1 الملل والنحل ج ۲ ص ۲۴۸، سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص ۱۸۲ و ۱۸۳۔

2 سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص ۳۳۱۔

3 سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص ۱۹۰، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۵۲، بحار الانوار ج ۸ ص ۲۔

کر کے واپس آرہے تھے کہ مقام ''ابواء'' میں آپؐ کی والدہ کا انتقال ہو گیا گویا عہد طفلی میں آنحضرتؐ کے قلب میں دو غموں کا اجماع ہو گیا آپ کی شخصیت کی تکمیل کے لئے یہ خدائی منصوبہ تھا۔

جناب ام ایمن نے ان کے قافلہ کو مکہ پہنچایا، یہ نبیؐ کے ساتھ رہیں یہاں تک کہ آپ کو آپؐ کے جد عبد المطلب کے سپرد کیا عبد المطلب اپنے پوتے سے بہت محبت کرتے تھے۔[1]

۷۔ اپنے جد عبد المطلب کے ساتھ

محمدؐ نے عبد المطلب کے دل میں جو مقام و مرتبہ حاصل کر لیا تھا وہ ان کے بیٹوں اور پوتوں میں سے کسی کو حاصل نہیں تھا حالانکہ وہ بطحاء و مکہ کے سردار تھے، روایت ہے کہ ایک مرتبہ عبد المطلب خانۂ کعبہ کے چبوترے پر چادر بچھائے ہوئے بیٹھے تھے، یہ چادر مخصوص آپ کے لئے بچھائی جاتی تھی اس وقت آپ کے چاروں طرف قریش کے سربرآوردہ سردار اور ان کے بیٹے بیٹھے تھے، عبد المطلب کی نظر اپنے پوتے، محمدؐ پر پڑی، آپ نے حکم دیا کہ محمدؐ کے لئے راستہ چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ آپ کے پاس پہنچ گئے آپ نے انہیں اس خاص چادر پر اپنے پہلو میں بٹھالیا۔[2] قریش کے سردار کی یہ خاص عنایت اس لئے تھی تاکہ قریش کے دلوں میں ان کی بلندی راسخ ہو جائے اور وہ آپ کے خلق عظیم سے متاثر تھے ہی۔

قرآن مجید نے آپ کے اس دور یتیمی کا ذکر کیا ہے جس سے آپؐ اپنے پروردگار کی نگہبانی کے ساتھ گذرے ہیں ارشاد ہے: ''الم یجدک یتیماً فآویٰ'' کیا ہم نے آپ کو یتیم پایا تو آپ کو پناہ نہیں دی، یتیمی کا دور انسان کی شخصیت اور اس کی ترقی پر اثر انداز ہوتا ہے، اس سے انسان کے اندر خود اعتمادی، پختگی، مشکلات و مصائب پر صبر کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے خداوند عالم نے اپنے نبیؐ کو اس طرح تیار کیا کہ آپؐ مستقبل میں پیش آنے والی مشکلوں کو برداشت کرنے اور اس رسالت کبریٰ کا بار اٹھانے پر آمادہ ہو جائیں جس سے آپؐ کا کمال نکھرے گا اور آپؐ کی شخصیت میں پختگی آئے گی۔ اس حقیقت کی طرف رسولؐ نے اس طرح اشارہ فرمایا ہے:

''ادبنی ربی فاحسن تا دیبی''[۳]

میرے پروردگار نے مجھے ادب سکھایا پس میں نے بہترین تربیت پائی۔

ابھی نبیؐ آٹھ سال کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ آپؐ اپنے جد بزرگوار عبد المطلب، کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے عبد المطلب کی موت سے آپ کو جو صدمہ ہوا تھا وہ آپ کی مادر گرامی کی موت سے کم نہیں تھا آپؐ پر شدید رقت طاری تھی، جنازہ کے پیچھے پیچھے قبر تک روتے ہوئے گئے تاحیات عبد المطلب کو یاد کرتے رہے کہ وہ آپؐ کے بہترین نگہبان تھے وہ یہ بھی جانتے تھے کہ آپ نبی ہیں روایت ہے کہ ایک شخص یہ چاہتا تھا کہ عبد المطلب آپ سے نظر پھیر لیں۔ آپؐ نے اس سے فرمایا: میرے بیٹے کے بارے میں کچھ نہ کہو اس کے پاس تو فرشتہ آتا ہے۔[4]

---

1 سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص ۱۰۵۔

2 السیرۃ النبویۃ ج ۱ ص ۱۶۸۔

3 مجمع البیان ج ۵ ص ۳۳۳ ملاحظہ ہو تفسیر سورۃ قلم۔

4 تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۰۔

دوسری فصل

شباب وجوانی کازمانہ

۱۔ نبیؐ ابو طالبؑ کی کفالت میں

نبیؐ، حضرت ابو طالبؑ کی کفالت میں آنے سے پہلے حضرت عبد المطلبؑ کی حفاظت و کفالت میں رہے عبد المطلبؑ جانتے تھے کہ ابو طالبؑ بہترین طریقہ سے اپنے بھتیجے کی حفاظت و کفالت کریں گے اگرچہ وہ نادار ہیں لیکن اپنے بھائیوں سے زیادہ شریف و نجیب ہیں اور قریش انہیں عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ حضرت ابو طالبؑ جناب عبد اللہؑ کے پدری ومادری بھائی ہیں لہذا وہ محمدؐ سے زیادہ محبت کریں گے۔

اس ذمہ داری کو حضرت ابو طالبؑ نے خندہ پیشانی اور افتخار کے ساتھ قبول کرلیا، اس سلسلہ میں ابو طالبؑ کی زوجہ جناب فاطمہ بنت اسد بھی ان کی معاون تھیں، یہ میاں بیوی پہلے محمدؐ کو کھانا کھلاتے تھے اور پھر اپنی اولاد کو کھلاتے تھے، پہلے محمدؐ کو کپڑا پہناتے تھے پھر اپنے بچوں کو کپڑا پہناتے تھے، اس چیز کو رسولؐ نے فاطمہ بنت اسد کے انتقال کے وقت اس طرح بیان فرمایا: "الیوم ماتت امی" میری ماں کا انتقال آج ہوا ہے۔ اور انہیں اپنے کرتے کا کفن دیا اور پہلے خود ان کی قبر میں لیٹے۔

حضرت عبد المطلبؑ کی وفات کے بعد رسولؐ کی حفاظت کی ذمہ داری جناب ابو طالبؑ کے دوش پر آگئی تھی چنانچہ انہوں نے آنحضرتؐ کے بچپنے ہی سے اپنی جان و عظمت سے آنحضرتؐ کی حفاظت کی تاحیات آپؐ کا دفاع کیا اپنے ہاتھ اور زبان سے آپؐ کی نصرت کی یہاں تک کہ محمدؐ جوان ہو گئے اور نبوت سے سرفراز ہو گئے۔[1]

۲۔ شام کی طرف پہلا سفر

قریش کی یہ عادت تھی کہ وہ سال میں ایک بار تجارت کے لئے شام کا سفر کرتے تھے کیونکہ ان کی کمائی کا یہ ایک بہت بڑا ذریعہ تھا۔ ابو طالبؑ نے بھی شام کے سفر کا ارادہ کیا لیکن محمدؐ کو اس لئے سفر میں ساتھ لے جانے کے بارے میں نہیں سوچا تھا کہ سفر میں بہت سی صعوبتیں پیش آئیں گی اور صحراؤں سے گذرنا پڑے گا۔ مگر روانگی کے وقت جب ابو طالبؑ نے یہ دیکھا کہ ان کا بھتیجا ساتھ چلنے پر مصر ہے اور اپنے چچا کے فراق میں رو رہا ہے تو انہیں اپنا یہ ارادہ

---

1 مناقب آل ابی طالب ج ۱ ص ۳۵، تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۔

بدلناپڑا، مختصر یہ کہ آنحضرتؐ نے شام کا پہلا سفر اپنے چچا جناب ابو طالبؑ کے ساتھ کیا۔اس سفر یں آپؐ صحراؤں سے گذرے اور سفر کے مزاج کو سمجھ گئے اور قافلوں کے راستوں سے واقف ہو گئے۔

اسی سفر میں محمدؐ کو بحیرا نامی راہب نے دیکھا، آپؐ سے ملاقات کی، آپؐ کے اندر اس خاتم النبیین کے اوصاف ملاحظہ کئے جس کی آمد کی بشارت جناب عیسیٰؑ نے دی تھی یہ بشارت توریت وانجیل اور دیگر ان کتابوں میں بھی نقل ہوئی تھی جن میں خاتم النبیین کے ظہور کی بشارت دی گئی تھی۔ بحیرا نے آپؐ کے چچا ابو طالبؑ سے کہا کہ ان کو لیکر آپ واپس مکہ چلے جائیں اور انہیں یہودیوں سے بچائیں کہیں وہ انہیں قتل نہ کر دیں [1] اس پر جناب ابو طالب اپنے بھتیجے محمدؐ کو لیکر مکہ واپس آ گئے۔

۳۔ بکریوں کی پاسبانی

ائمہ اہل بیتؑ سے ایسی کوئی روایت نقل نہیں ہوئی ہے کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ رسولؐ نے بچپنے میں بکریاں چرائی تھیں۔ہاں امام صادقؑ سے ایک ایسی حدیث نقل ہوئی ہے کہ جس میں تمام انبیاء کے بکریاں چرانے اور گلہ بانی کا فلسفہ بیان ہوا ہے۔ارشاد ہے:

’’ما بعث اللّٰہ نبیاً قط حتی یسترعیه الغنم یعلمه بذالک رعیه للناس‘‘

خدانے کسی نبی کو اس وقت تک نبی نہیں بنایا جب تک کہ اس نے بکریوں کے گلہ کی پاسبانی نہیں کی، اصل میں اس طرح اسے لوگوں کی پاسبانی اور انہیں قابو میں کرنے کا طریقہ معلوم ہو جاتا ہے۔

اسی طرح امام صادقؑ نے کھیتی اور گلہ بانی کا فلسفہ بھی بیان فرمایا ہے:

ان اللّٰہ عزّ و جلّ احبّ لانبیاۂ من الاعمال: الحرث و الرعی لئلا یکرھوا شیئا من قطر السماء۔ [۲]

بیشک خداوند عالم نے اپنے انبیاء کے لئے زراعت اور پاسبانی کو پسند فرمایا تاکہ وہ آسمان کے نیچے کی کسی بھی چیز سے کراہت نہ کریں نیز آپ ہی سے روایت ہے:

انّ رسول اللّٰہ ما کان اجیرا لا حدٍ قط [۳]

رسولؐ نے ہر گز کسی کی نوکری نہیں کی۔اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اجرت پر اہل مکہ کی بکریاں نہیں چرائیں جیسا کہ بعض مورخین نے صحیح بخاری کی ایک حدیث کی بنا پر یہ لکھ دیا کہ آپؐ نے اہل مکہ کی بکریاں چرائی تھیں۔ [4]

---

1 سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۹۴، الصحیح من سیرۃ النبی ج ۱ ص ۹۱، ۹۴۔

2 علل الشرائع ص ۲۳ سفینۃ البحار مادہ نبا۔

3 تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۱، البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۲۹۶۔

4 صحیح بخاری کتاب الاجارہ باب ۳۰۳ حدیث ۴۹۹۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ آنحضرتؐ نے بچپنے اور جوانی میں (اپنی) بکریاں چرائی تھیں تو اب ہمارے لئے اس حدیث کی علت بیان کرنا آسان ہوگیا جو ہم نے امام صادقؑ سے نقل کی ہے اور وہ یہ کہ ان سرگرمیوں کے ذریعہ خدا آپؐ کو کمال کے اس مرتبہ پر پہنچنے کا اہل بنا رہا تھا جس کو خود خدا نے اس طرح بیان کیا ہے:

(انک لعلیٰ خلق عظیم)[1]

بیشک آپ خلقِ عظیم کے درجہ پر فائز ہیں، یہی وہ کمال ہے جس نے آپؐ کے اندر خدائی رسالت کے بار کو اٹھانے کی استعداد پیدا کی تھی۔ رسالت الٰہیہ لوگوں کی پاسبانی، ان کی تربیت اور ان کی ہدایت وارشاد کے سلسلہ میں پیش آنے والی دشواریوں کا تقاضا کرتی ہے۔

۴۔ حرب الفجار

عرب میں کچھ ایسی جنگیں بھی ہوتی تھیں جن میں وہ حرمت والے مہینوں کی حرمت کو حلال سمجھ لیتے تھے ان جنگوں کو حرب الفجار کے اسم سے موسوم کیا جاتا تھا۔[2]

بعض مورخین کا خیال ہے کہ ایسی جنگیں رسولؐ نے بھی دیکھی ہیں اور ایک طرح سے آپؐ ان میں شریک بھی ہوئے ہیں لیکن بعض محققین نے درج ذیل چند اسباب کی بنا پر اس میں شک کیا ہے :

۱۔ جیسے جیسے رسولؐ کی عمر بڑھتی تھی اسی تناسب سے آپ کی شخصیت نکھرتی جاتی تھی، تمام بنی ہاشم کی طرح آپ کی شجاعت بھی مشہور تھی لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ بنی ہاشم نے ظلم وفساد والی جنگ میں شرکت کی ہے۔ روایت ہے کہ بنی ہاشم نے ایسی جنگوں میں شرکت نہیں کی، کیونکہ ابوطالب نے صاف کہہ دیا تھا کہ ان جنگوں میں میرے خاندان میں سے کوئی بھی شریک نہیں ہوگا[3] ان جنگوں میں ظلم وزیادتی قطع رحمی ہوتی ہے اور حرمت والے مہینوں کو حلال سمجھ لیا جاتا ہے لہذا میرے خاندان میں سے کوئی بھی ان میں شریک نہیں ہوگا۔ اسی طرح اس زمانہ کے قریش وکنانہ کے سردار عبداللہ بن جدعان اور حرب بن امیہ نے یہ اعلان کردیا ہم اس معاملہ میں شریک نہیں ہونگے جس میں بنی ہاشم شریک نہیں ہونگے۔[4]

۲۔ جو روایات ان جنگوں میں نبیؐ کے کردار کو بیان کرتی ہیں ان میں اختلاف ہے، بعض صرف یہ بیان کرتی ہیں کہ ان جنگوں میں رسولؐ کا کام اپنے چچاؤں کیلئے، تیروں کو جمع کرنا اور انکے دشمنوں پر برسانا اور اپنے چچاؤں کے مال کی حفاظت کرنا تھا۔[5] دوسری روایت میں یہ بیان ہوا ہے کہ ان جنگوں میں آپؐ

---

1 قلم:۴۔

2 موسوعۃ التاریخ الاسلامی ج ا ص ۳۰۱تا۳۰۵ بحوالہ اغانی ج۱۹ ص ۷۴۔۸۰۔

3 تاریخ یعقوبی ج۲ ص ۱۵۔

4 ایضاً: ج۲ ص۱۵۔

5 موسوعۃ التاریخ الاسلامی ج ا ص ۳۰۴۔

نے تیر وغیرہ چلائے ہیں۔[1] تیسری روایت میں یہ بیان ہوا ہے کہ آپؐ نے ابو براءپر سنان سے حملہ کیا اور اسے گرادیا حالانکہ اس وقت آپ کا بچپنا تھا۔[2] لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ عرب اپنے بچوں کو جنگوں میں شریک ہونے کی اجازت دیتے تھے یا نہیں؟[3]

۵۔ حلف الفضول

حرب الفجار کے بعد قریش کو اپنی کمزوری اور انتشار کا احساس ہوا اور انہیں یہ خوف لاحق ہوا کہ ہم قوی و معزز تھے اب کہیں عرب کے حملہ کا نشانہ نہ بن جائیں لہذا زبیر بن عبدالمطلب نے حلف الفضول کی طرف دعوت دی، اس دعوت کے نتیجہ میں بنی ہاشم، بنی زہرہ، بنی تمیم اور بنی اسد، عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور عہد و پیمان کرنے والوں نے آبِ زمزم میں ہاتھ ڈال کر عہد کیا کہ مظلوم کی مدد کریں گے، زندگی کے اصولوں کی از سر نو بنا رکھیں گے اور لوگوں کو برائیوں سے روکیں گے۔[4] زمانۂ جاہلیت میں یہ عظیم ترین عہد تھا۔ اس عہد و پیمان میں حضرت محمدؐ بھی شریک تھے اس وقت آپؐ کی عمر بیس سال سے کچھ زیادہ تھی۔[5]

اس عہد و پیمان کی تعریف آپؐ نبی ہونے کے بعد بھی اس طرح کرتے تھے:

ما احب ان لی بحلف حضرتہ فی دار ابن جدعان حمر النعم ولو دعیت بہ فی الاسلام لا جبت۔[6]

مجھے وہ عہد و پیمان سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہے جو ابن جدعان کے گھر میں ہوا تھا اگر اس کو اسلام میں شامل کرنے کے لئے کہا جاتا تو میں ضرور قبول کر لیتا۔

حلف الفضول کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ایک قول یہ ہے: چونکہ اس عہد و پیمان میں تین آدمی ایسے شریک تھے جن کے نام "الفضل" سے مشتق تھے اسلئے اسے حلف الفضول کہا جاتا ہے۔ اس عہد و پیمان کے سبب کے بارے میں روایت ہے کہ ماہِ ذی قعدہ میں بنی زبید یا بنی اسد بن خزیمہ کا ایک شخص کچھ سامانِ تجارت کے ساتھ مکہ آیا۔ عاص بن وائل نے اس سے کچھ سامان خرید لیا لیکن اس کی قیمت ادا نہ کی۔ زبیدی نے قریش والوں سے مدد طلب کی قریش والوں نے عاص بن وائل کے خلاف اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا اور اسے ڈانٹا پھٹکارا تو زبیدی نے کوہ ابو قبیس پر چڑھکر فریاد کی اس کی فریاد سن کر زبیر بن عبدالمطلب نے لوگوں کو بلایا، انہیں لوگوں سے "حلف الفضول" جماعت کی تشکیل ہوئی، یہ لوگ عاص بن وائل کے پاس گئے اور اس سے زبیدی کا سامان لیکر اسے واپس لوٹا دیا۔[7]

---

1 السیرۃ النبویۃ زینی دحلان ج ۱ ص ۲۵۱، سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۱۲۷۔
2 تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۶۔
3 الصحیح فی السیرت ج ۱ ص ۹۵۔
4 البدایۃ النہایۃ ج ۳ ص ۲۹۳، شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید ج ۱۴ ص ۱۲۹ و ۲۸۳۔
5 تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۱۷۔
6 سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۴۲۔
7 سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۱۳۲، البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۲۹۱۔

۶۔ خدیجہ کے مال سے تجارت

اپنے عظیم اخلاق، بلند ہمتی، امانت داری اور صداقت کی وجہ سے محمدؐ کی شخصیت مکہ کے معاشرہ میں نکھرتی اور ابھرتی جارہی تھی، خود بخود لوگوں کے دل آپؐ کی طرف جھکتے تھے، کیوں نہ ہو کہ آپؐ کا تعلق پاک نسل سے تھا لیکن جس خاندان میں آپؐ زندگی گزار رہے تھے، اس کے سرپرست ابو طالب، مفلس و نادار تھے انہوں نے مجبوراً اپنے بھتیجے سے یہ کہا (جس کی عمر اس وقت پچیس سال تھی) کہ آپ خدیجہ بنت خویلد کے مال سے مضاربہ کی صورت میں تجارت کریں۔ ابو طالبؑ جناب خدیجہؑ کے پاس گئے، ان سے اپنا منصوبہ بتایا انہوں نے فوراً قبول کر لیا اور اس سے بہت خوش ہوئیں کیونکہ وہ محمدؐ کی شخصیت سے واقف تھیں، خدیجہ نے اپنے تجارتی شرکاء سے دگنا حصہ آپؐ کے لئے مقرر کیا۔[1]

محمدؐ شام کی طرف روانہ ہو گئے اس سفر میں خدیجہ کا غلام میسرہ آپ کے ساتھ تھا، اس سفر کے دوران محمدؐ نے اپنے حسن و جمال اور محبت و مہربانی کی وجہ سے میسرہ کو اپنا گرویدہ بنالیا اور اپنی امانتداری، تدبر و ہوشیاری کی بنا پر آپؐ سے بہت نفع اٹھایا۔ اس سفر میں آپ سے بعض واضح کرامات بھی ظاہر ہوئے، جب قافلہ مکہ واپس آیا تو میسرہ نے جو کچھ سفر میں دیکھا اور سنا تھا[2] وہ خدیجہ سے بیان کیا اس سے خدیجہؑ نے آپؐ کو اور زیادہ اہمیت دی اور ان کے دل میں آپؐ کا اشتیاق پیدا ہوا۔

بعض مورخین نے یہ خیال کیا ہے کہ اس تجارت کے لئے خدیجہ نے آپؐ کو ملازم کے عنوان سے بھیجا تھا چنانچہ یعقوبی، جن کی تاریخ قدیم ترین و معتمد ترین مصدر و ماخذ سمجھی جاتی ہے لکھتے ہیں: لوگ کہتے ہیں خدیجہ نے آپؐ کو ملازم کے عنوان سے بھیجا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپؐ ہرگز کسی کے ملازم نہیں رہے۔[3]

امام حسن عسکریؑ سے اور انہوں نے اپنے پدر بزرگوار امام علی نقیؑ سے روایت کی ہے: رسولؐ خدا خدیجہ بنت خویلد کے مال سے مضاربہ کی صورت میں تجارت کے لئے شام کا سفر کرتے تھے۔[4]

---

1 بحار الانوار ج۱۶ ص۲۲، کشف الغمہ ج۲ ص۱۳۴، سیرت حلبیہ ج۱ ص۱۳۲۔

2 البدایۃ والنہایۃ ج۲ ص۲۹۶، سیرت حلبیہ ج۱ ص۱۳۶۔

3 تاریخ یعقوبی ج۲ ص۲۱۔

4 بحار الانوار ج۱۷ ص۳۰۸۔

تیسری فصل

شادی سے بعثت تک

ا۔ شادی مبارک

حضرت محمدؐ کی شخصیت کے لئے جوہر شخصیت سے بلند تھی، ایسی عورت سے شادی کرنا ضروری تھا جس کا مزاج آپؐ کے مزاج سے ہم آہنگ ہو اور وہ آپؐ کے اغراض و مقاصد سے متفق ہو تاکہ وہ آپ کے ساتھ راہِ جہاد و عمل کو طے کرے دشواریوں اور مشکلوں میں صبر کرے، اس زمانہ میں ایسی کوئی عورت نہیں تھی جو محمدؐ کے لئے مناسب ہو، اس مہم کے لئے جناب خدیجہ سے بہتر کوئی نہیں تھا، خدا نے چاہا تو خدیجہ کا دل محمدؐ کی طرف مائل اور آپؐ کی عظیم شخصیت کا گرویدہ ہو گیا، حسن و جمال، عزت و شرافت اور مال کے لحاظ سے خدیجہ قریش کی تمام عورتوں پر فوقیت رکھتی تھیں، زمانہ جاہلیت میں، انہیں، طاہرہ اور سیدہ کہا جاتا تھا، ان کی قوم کا ہر مرد ان سے شادی کرنا چاہتا تھا۔

قریش کے بڑے بڑے لوگوں کی طرف سے آپ کے پیغام آئے اور اس سلسلہ میں انہوں نے بہت زیادہ مال خرچ کیا[1] لیکن خدیجہ نے سب کے پیغامات کو ٹھکرا دیا وہ عاقلہ تھیں۔ ہر چیز کو سمجھتی تھیں، لہذا انہوں نے اپنے لئے آنحضرتؐ ہی کو پسند کیا، کیونکہ خدیجہ آپ میں شرافت، اخلاق، بہترین عادات و خصلت اور بلند اقدار کا مشاہدہ کر چکی تھیں لہذا انہوں نے آپؐ کی دہلیز عظمت پر اترنا اور خود کو آپؐ کی نذر کرنا ہی بہتر سمجھا۔

بہت سے تاریخی نصوص سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ آپؐ سے شادی کی پیشکش خود جناب خدیجہ ہی نے کی تھی اس کے بعد ابو طالبؑ اور قریش میں سے بعض افراد رشتہ لے کر ان کے خاندان والوں کے پاس گئے تھے اس وقت خدیجہ کے بزرگ اور ولی ان کے چچا عمرو بن اسد تھے [2] یہ واقعہ بعثتِ نبیؐ سے پندرہ سال قبل کا ہے۔

جناب ابو طالبؑ نے اس وقت جو خطبہ پڑھا تھا اس کا ایک اقتباس یہ ہے:

---

1 بحار الانوار ج۱۶ ص ۲۲

2 سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۱۳۷

''الحمد لرب هذا البيت الذی جعلنا من زرع ابراہیم و ذریة اسماعیل و انزلنا حرماً آمناً و جعلنا الحکام علیٰ الناس و بارک لنا فی بلدنا الذی نحن فیہ''...

ساری تعریف اس گھر-خانہ کعبہ-کے رب کے لئے ہے جس نے ہمیں ابراہیم کی نسل اور اسماعیل کی ذریت قرار دیا اور ہمیں محفوظ حرم میں اتارا، ہمیں لوگوں پر حاکم بنایا اور ہمیں ہمارے اس شہر میں برکت عطا کی کہ جس میں ہم زندگی گزارتے ہیں...

میرے اس بیٹے کا قریش کے جس مرد سے بھی موازنہ و تقابل کیا جائیگا تو یہ اس سے بلند ثابت ہوگا اور جسے بھی اس کے مقابلہ میں لایا جائیگا یہ اس سے عظیم قرار پائیگا۔ کائنات میں کوئی بھی اس کا ہم پلہ نہیں ہے اگرچہ اس کے پاس مال کم ہے، لیکن مال کی وقعت ہی کیا ہے یہ تو آتا جاتا رہتا ہے، ڈھل جانے والا سایہ ہے، یہ خدیجہ سے شادی کرنا چاہتا ہے اور خدیجہ بھی اس کی طرف مائل ہے۔ ہم خدیجہ کی خواستگاری کے لئے اسی کے ایماء پر تمہارے پاس آئے ہیں رہی مہر کی بات تو وہ میں اپنے مال سے ادا کرونگا خواہ نقد ہو یا ادھار،... میرے بھتیجے اور ربِّ کعبہ کی بڑی عظمت ہے (کعبہ کے رب کی قسم میرے بھتیجے کی بڑی عظمت ہے)، ان کا دین مشہور اور ان کی رائے کامل ہے۔[1]

اس پر خدیجہؑ نے فرمایا: ان کا مہر میں اپنے مال سے ادا کروں گی، بعض لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں کہ تعجب ہے عورتوں پر مردوں کا مہر ہے، یہ بات سن کر ابو طالب کو غصہ آگیا کہا: ہاں اگر مرد میرے بھتیجے جیسے ہونگے تو ان کی عظمت اس سے زیادہ ہے ان کو مہر ادا کیا جائے گا اور اگر مرد تم جیسے ہونگے تو ان سے زیادہ مہر لیکر شادی کی جائیگی۔

بعض معتبر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خدیجہ کا مہر خود رسولؐ نے ادا کیا تھا اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے کہ آنحضرتؐ نے ابو طالبؑ کے ذریعہ مہر دلایا ہو، ابو طالب کے خطبہ سے ہم کو یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ لوگوں کے دل میں رسولؐ کی کتنی عظمت تھی اور بنی ہاشم کی کیا قدر و منزلت تھی۔

جناب خدیجہؑ رسولؐ کے ساتھ شادی سے پہلے

جناب خدیجہ ایک بلند اخلاق خاتون، دین ابراہیم کی طرف مائل اور شریف و معزز خاندان میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد جناب خویلد تھے جنھوں نے یمن کے بادشاہ سے اس وقت مقابلہ کیا تھا جب وہ حجر اسود کو یمن لے جانا چاہتا تھا انہوں نے اپنے دین و عقیدہ کی حفاظت میں یمن کے بادشاہ کی طاقت اور کثیر فوج کی بھی پروا نہیں کی تھی اور جناب خدیجہ کے دادا-اسد بن عبد العزیٰ-حلف الفضول نامی جماعت کے نمایاں رکن تھے یہ جماعت مظلوموں کی حمایت کے لئے تشکیل پائی تھی۔ اس جماعت کی اہمیت کے پیش نظر اس میں رسولؐ شریک ہوئے تھے اور اس کے اعلیٰ اقدار کی تائید کی۔[2]

جنابِ خدیجہ کی شادی سے پہلے کے تفصیلی حالات ہمیں تاریخ میں نہیں ملتے ہیں، بعض مورخین نے تو یہاں تک لکھدیا کہ آنحضرتؐ سے قبل خدیجہ کی دو اشخاص سے شادی ہوئی تھی اور ان سے اولاد بھی ہوئی تھی، وہ دو اشخاص، عتیق بن عائد مخزومی اور ابو ہالہ تمیمی ہیں۔[3] جبکہ دوسری معتبر کتابوں میں یہ

---

1 کافی ج۵ ص۳۷۴، بحار الانوار ج۱۶ ص۵، اس میں کشاف و ربیع الابرار سے منقول ہے نیز ملاحظہ ہو سیرت حلبیہ ج۱ ص۱۳۹، تاریخ یعقوبی ج۱ ص۲۰، الاوائل از ابو ہلال ج۱ ص۱۶۲۔

2 السیرة النبویۃ ج۱ ص۱۴۱۔

3 اختلاف روایات کے بارے میں۔ اصابہ ج۳ ص۶۱۱، سیرت حلبیہ ج۱ ص۱۴۰، اسد الغابہ ج۵ ص۷۱ و ص۱۲۱ ملاحظہ فرمائیں۔

روایت ہے کہ جب رسولؐ نے جناب خدیجہ سے شادی کی تھی اس وقت آپ کنواری تھیں اور زینب ورقیہ جناب خدیجہ کی بہن ہالہ کی بیٹیاں تھیں ان کی والدہ کے انتقال کے بعد جناب خدیجہ نے انہیں گود لے لیا تھا۔[1]

رسولؐ سے شادی کے وقت جناب خدیجہ کی عمر کے بارے میں مورخین کے درمیان اختلاف ہے بعض نے یہ لکھاہے کہ اس وقت ان کی عمر ۲۵ سال تھی بعض نے یہ تحریر کیاہے کہ اس وقت ان کی عمر ۲۸ سال تھی، کچھ نے ۳۰، بعض نے ۳۵ اور بعض نے ۴۰ سال تحریر کی ہے۔[2]

۲۔ حجراسود کو نصب کرنا

عرب کے نزدیک خانہ کعبہ کی بہت بڑی منزلت تھی وہ لوگ اس کی حرمت واہمیت کے قائل تھے وہ زمانہ جاہلیت میں بھی اس کا حج کرتے تھے۔ بعثت رسولؐ سے پانچ سال پہلے سیلاب کے سبب خانۂ کعبہ منہدم ہو گیا تھا قریش نے جمع ہو کر خانۂ کعبہ کی تعمیر نو اور اس کی توسیع کا منصوبہ بنایا اور یہ طے کیا کہ یہ کام قریش اور دیگر اہل مکہ کی نگرانی میں ہو گا چنانچہ جب بنیادیں بلند ہو کر حجراسود کی جگہ تک پہنچیں تو ان میں اس بات پر اختلاف ہو گیا کہ حجراسود کو کون نصب کرے گا ہر قبیلہ یہی چاہتا تھا کہ حجراسود کو نصب کرنے کا شرف اسے حاصل ہو، اس بات پر ان کے درمیان تلواریں کھینچ گئیں ہر حلیف اپنے حلیف سے مل گیا، خانۂ کعبہ کی تعمیر کا کام بھی بند ہو گیا، وہ لوگ ایک بار پھر مسجد میں جمع ہوئے باہم مشورہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ سب سے پہلے جو شخص اس اجتماع میں داخل ہو گا وہی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا نیز انہوں نے یہ عہد کیا کہ وہ فیصلہ کرنے والے کے فیصلہ کو تسلیم کریں گے چنانچہ سب سے پہلے اس اجتماع میں محمد بن عبداللہ داخل ہوئے۔ ان لوگوں نے کہا: یہ امین ہیں، ہم ان سے راضی ہیں، رسولؐ نے اس جھگڑے کو نمٹانے کے لئے حجراسود کو ایک چادر میں رکھا اور فرمایا: ہر قبیلہ اس کا ایک ایک کونا پکڑے پھر فرمایا کہ سب مل کر اٹھائیں سب نے یکبارگی اٹھایا اور جب حجراسود اپنی جگہ پر پہنچ گیا تو رسولؐ نے اپنے ہاتھوں سے نصب کیا اس کے بعد خانۂ کعبہ کی تعمیر مکمل ہوئی۔[3]

مورخین نے یہ بھی لکھاہے کہ وہ لوگ زمانہ جاہلیت میں بھی رسولؐ کو حکم بناتے تھے کیونکہ آپؐ لوگوں کو فریب نہیں دیتے تھے۔[4]

یقیناً آپؐ کے اس عمل کا ان قبیلے والوں کے دل پر بہت گہرا اثر ہوا، اجتماعی حیثیت حاصل کرنے کے لئے رسولؐ نے اپنی حیات کا عظیم سرمایہ خرچ کیا اور انوکھا کردار ادا کیا اور ان کی توجہ کو اپنی قیادت کی صلاحیت اور انتظامی لیاقت کی طرف مبذول کیا اور بلند بینی، عقلمندی و تجربہ اور امانت داری کے ذریعہ ان کا اعتماد حاصل کیا۔

---

1 مناقب آل ابی طالب ج ا ص ۱۵۹، اعلام الھدایۃ ج ۳، الصحیح من سیرت النبیؐ الاعظم ج ا ص ۱۲۱ و ۱۲۶۔

2 سیرت حلبیہ ج ا ص ۱۴۰، البدایۃ والنھایۃ ج ۲ ص ۲۹۵، بحارالانوار ج ۱۶ ص ۱۲ سیرت مغلطائی ص ۱۲، الصحیح من سیرت النبی الاعظم، ج ا، ص ۱۲۶۔

3 تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۹، سیرت ابن ہشام ج ا ص ۲۰۴، البدایۃ النھایۃ ج ۲ ص ۳۰۰، تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۷۔

4 سیرت حلبیہ ج ا ص ۱۴۵۔

۳۔ حضرت علیؑ کی ولادت اور نبیؐ کے زیر دامن پرورش

حضرت محمدؐ اور حضرت علیؑ کے درمیان جو محبت والفت تھی، اسے خاندانی محبت میں محدود نہیں کیا جاسکتا آپ دونوں کے درمیان فکری اور روحانی لگاؤ تھا۔ فاطمہ بنت اسد ابھی اس بچہ کو لیکر نکلنے نہیں پائی تھیں کہ جو عین خانۂ کعبہ میں پیدا ہوا ہے [1] خود رسولؐ ان کے پاس پہنچ جاتے ہیں اور علیؑ کو ان سے لے لیتے ہیں انہیں سینہ سے لگاتے ہیں [2] حضرت علیؑ کے لئے یہ آپؐ کی عنایت واہتمام کی ابتداء ہے۔

یہ مولود اپنے والدین اور اپنے چچازاد بھائی حضرت محمدؐ کی گود میں پروان چڑھا، رسولؐ جناب خدیجہ سے شادی کے بعد اکثر اپنے چچا ابو طالبؑ کے گھر جایا کرتے اور مولود کو اپنی محبت وشفقت سے سرشار کرتے تھے، لوریاں دے کر سلاتے، اپنے سینہ پر لٹاتے، اور جب یہ سوجاتے تو ان کی گہوارہ جنبانی کرتے تھے، نگہداری و پاسبانی کا یہ سلسلہ عرصۂ دراز تک جاری رہا اس لطف ومحبت نے حضرت علیؑ کے کردار وشعور پر اتنا اثر کیا کہ اس کا اظہار آپ کے کلام و زبان سے بھی ہوا۔ چنانچہ رسولؐ سے آپؑ کو جو شدید قربت تھی اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

”قد علمتم موضعی من رسول اللّٰہ بالقرابۃ القریبۃ و المنزلۃ الخصیصۃ، وضعنی فی حجرہ و انا ولید یضمنی الیٰ صدرہ و یکنفنی فی فراشہ و یمسّنی جسدہ و یشمّنی عرفہ و کان یمضغ الشیء ثم یلقمنیہ وما وجد لی کذبۃ فی قول ولا خطلۃ فی فعل، ولقد کنت اتبعہ اتباع الفصیل اثر امہ یرفع لی فی کل یوم من اخلاقہ علما و یامرنی بالا قتداء بہ۔“ [۳]

یہ بات تو تم سبھی جانتے ہو کہ قریبی قرابتداری اور مخصوص قدر و منزلت کے سبب رسولؐ کے نزدیک میرا کیا مرتبہ تھا۔ رسولؐ نے مجھے بچپنے ہی میں گود لے لیا تھا، آپؐ مجھے سینہ سے لگاتے اور اپنے بستر پر اپنے پہلو میں جگہ دیتے تھے، اپنے جسم کو مجھ سے مس کرتے تھے اور مجھے اپنی خوشبو سنگھاتے تھے۔

کسی چیز کو آپؐ پہلے چباتے تھے اور پھر لقمہ بنا کر میرے منہ میں دیتے تھے، آپؐ نے نہ تو میری کسی بات کو خلاف واقعہ پایا اور نہ میرے کسی کام میں کوئی لغزش دیکھی، میں آپؐ کے پیچھے اس طرح چلتا تھا جس طرح اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے چلتا ہے، آپؐ ہر روز میرے لئے اپنے اخلاق کا پرچم بلند کرتے تھے اور مجھے اس کی اقتدا کرنے کا حکم دیتے تھے۔

جب قریش مالی بحران کا شکار ہوئے تو حضرت محمدؐ اپنے چچا جناب حمزہ اور عباس کے پاس گئے اور ان سے یہ خواہش کی کہ جناب ابو طالب کا بار تقسیم کر لیا جائے چنانچہ طالب کو عباس اور جعفر کو حمزہ اپنے گھر لے گئے، عقیل کو جناب ابو طالب نے اپنے پاس ہی رکھا، حضرت علیؑ کو محمدؐ لے گئے اور انہیں مخاطب کر کے فرمایا:

---

1 حاکم نیشاپوری لکھتے ہیں: یہ بات متواتر حدیث ثابت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جوف کعبہ میں پیدا ہوئے ہیں، مستدرک علی الصحیحین ج ۳ ص ۴۸۳۔

2 الفصول المہمۃ ابن صباغ ص ۱۳۔

3 نہج البلاغہ خطبہ قاصعہ ۱۹۲۔

''قد اخترت من اختار اللّٰہ لی علیکم علیا''۔[1]

میں نے اسی کو منتخب کیا ہے جس کو خدا نے میرے لئے منتخب فرمایا ہے اور علیؑ کو تم پر منتخب کیا ہے اس طرح علیؑ اپنے ابن عم کے گھر اور ان کی سرپرستی میں چلے گئے، آپؑ کی شخصیت نکھرنے لگی، آپؑ نبیؐ کی آخری سانس تک ان سے جدا نہیں ہوئے۔ رسولؐ خدا نے علیؑ کے بارے میں جو اہتمام کیا تھا اس کی علت کو فقط مالی و اقتصادی بحران میں محدود نہیں کیا جاسکتا، اس سے ہماری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ رسولؐ نے حضرت علیؑ کی تربیت و سرپرستی اس لئے کی تھی تاکہ آپؑ رسولؐ کی اس شریعت کو بچائیں جس کے لئے خدا نے اپنی مخلوق میں سے سب سے بہترین فرد کو اور اپنے بندوں میں سب سے اعلیٰ و برگزیدہ ذات کو منتخب کیا تھا۔

اسی طرح خدا نے حضرت علیؑ کے لئے یہ پسند فرمایا تھا کہ آپؑ عہد طفلی سے ہی آغوشِ رسولؐ میں زندگی گزاریں اور آنحضرتؐ کی محبت و شفقت سے بہرہ ور ہوں رسولؐ کے اخلاق و عادات کو اپنائیں، یہ تو ایک طرف دوسری طرف رسولؐ نے علیؑ کے ساتھ اپنے محبوب فرزند جیسا سلوک روا رکھا علیؑ ہر وقت رسولؐ کے ساتھ ساتھ رہے، ہر انقلاب و حادثہ میں آنحضرتؐ کے رفیق رہے کیونکہ رسولؐ آپؑ کو چھوڑتے ہی نہیں تھے۔[2]

ہمارے سامنے تاریخ نے حضرت علیؑ کی جو سیرت پیش کی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ نے رسولؐ کی زیر نگرانی پیغام رسانی کے میدان میں بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد جو مہارت حاصل کر لی تھی اور علیؑ کے لئے رسولؐ نے روحی و نفسی تربیت کا جو خاص اہتمام کیا تھا اس کے سبب علیؑ ، رسولؐ کے بعد سیاسی، فکری اور علمی مرجعیت و محور کا استحقاق پیدا کر چکے تھے چہ جائیکہ سیاسی مرجعیت۔

۴۔بعثت سے قبل رسولؐ کی شخصیت

حضرت محمدؐ کا نام جزیرہ نما عرب میں اس وقت روشن ہوا جب اس معاشرہ میں خلفشار و پراگندگی کے آثار ہر طرف رونما ہو رہے تھے اور حضرت محمدؐ کی شخصیت روز بروز ابھرتی اور نکھرتی جارہی تھی۔

کردار و کمال اور اخلاق کے میدان میں آپ کی شخصیت مسلم ہو چکی تھی ایک طرف خاندانی شرافت و فضیلت اور پاکیزہ ولادت، دوسری طرف غیبی امداد اور خدائی نگرانی و صلاح (عصمت) ہے جو آپؐ کو ہر گناہ اور برائی سے بچاتی ہے۔

آپؐ کے ساتھ سب سے زیادہ حضرت علی بن ابی طالبؑ رہتے تھے، وہی سب سے زیادہ آپ کی معرفت رکھتے تھے، رسولؐ کے بارے میں جو علیؑ نے بیان کیا اس سے سچا کسی کا کلام نہیں ہو سکتا۔ فرماتے ہیں:

---

1 مقاتل الطالبین ص ۳۶، تاریخ کامل ج ۱ ص ۳۷۔

2 نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۲، شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۴ ص ۳۱۵۔

''ولقد قرن اللّٰہ به من لدن ان کان فطیما اعظم ملک من ملائکته یسلک به طرق المکارم و محاسن اخلاق العالم لیله و نـہاره''۔[1]

خدانے آپؐ کی دودھ بڑھائی کے زمانہ ہی سے ایک عظیم فرشتہ آپؐ کے ساتھ مقرر کر دیا تھا، وہ آپؐ کو رات، دن اعلیٰ خصلتوں اور پاکیزہ سیر توں پر چلاتا تھا۔

رسولؐ کے بارے میں روایت ہے کہ آپؐ بچپن ہی سے بتوں کو نگاہ تنفّر سے دیکھتے تھے جب آپؐ نے اپنے چچا جناب ابو طالبؑ کے ساتھ شام کا سفر کیا تھا اس میں آپؐ نے بتوں کو کوئی اہمیت دینے سے انکار کر دیا تھا۔[2]

1 نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۲۔

2 السیرۃ النبویۃ ج ا ص ۱۸۲، الطبقات الکبریٰ ج ا ص ۱۵۴۔

بیشک محمدؐ نے اپنی ذات و شخصیت کی تعمیر کے لئے ایک خاص نہج اختیار کیا تھا جس نے آپؐ کی حیات کو معنویت اور بلند اقدار سے معمور کیا آپؐ کسی پر بار نہیں بنے اور کام سے دست کش نہیں ہوئے نوجوانی کے زمانہ میں اپنی بکریاں چرائیں،[1] عنفوان شباب میں تجارت کے لئے سفر کیا[2] دوسری طرف ہم آپ میں انسانیت کا حسن و جمال کمزوروں اور ناداروں سے محبت و ہمدردی کا جلوہ دیکھتے ہیں زید بن حارثہ کے ساتھ آپ کا سلوک اس کا بہترین ثبوت ہے۔

زید نے اپنے باپ کے پاس جانے سے انکار کر دیا تھااور حضرت محمدؐ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی تھی۔[3]

حضرت محمدؐ بعثت سے پہلے عہدِ جوانی میں بھی ایک عقلمند، فاضل و رشید تھے، جزیرہ نما عرب کے جاہلی معاشرہ میں آپؐ انسانی و اجتماعی اقدار کے حامل تھے۔اپنی مثالی شخصیت کے لحاظ سے آپؐ معاشرۂ انسانی پر جو فوقیت رکھتے تھے،اس کی گواہی خود قرآن مجید نے اس طرح دی ہے:

انّک لعلیٰ خلق عظیم۔ [٤]

یقیناآپؐ خلق عظیم پر فائز ہیں۔

---

1 سیرت حلبیہ ج١ص١٢۵،سفینۃ البحار مادہ نباء،السیرۃ النبویہ ج١ص١٦٦۔

2 بحارالانوار ج١٦ص ٢٢، کشف الغمہ ج٢ص ١٣،تاریخ کامل ج٢ص ٢۴۔

3 الاصابہ ج١ص ۵۴۵،اسد الغابہ ج٢ص ٢٢۵۔

4 قلم:۴۔

تیسرا باب

پہلی فصل

بعثت نبوی اور اس کے لئے ماحول سازی

دوسری فصل

عہدِ مکہ میں کاروان رسالت کے مراحل

تیسری فصل

نبیؐ کے بارے میں بنی ہاشم اور جناب ابو طالبؑ کا موقف

چوتھی فصل

خوشحالی کا زمانہ ہجرت تک

پہلی فصل

بعثت نبوی اور اس کے لئے ماحول سازی

قرآنی نصوص ایسی قدیم تاریخی نصوص ہیں جو نہایت صحیح اور دقیق ہیں نیز عہد رسالت کے زمانے سے تعلق رکھتی ہیں اور علمی طریقۂ کار کی رو سے ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم عصر نبی کے واقعات کے بارے میں صرف قرآنی آیات و نصوص پر ہی بھروسہ کریں اور ان سے آگے نہ بڑھیں کیونکہ آنحضرتؐ کی بعثت کے ساتھ ہی نزول آیات کا سلسلہ شروع ہوا اور آپ کی وفات تک جاری رہا۔

جب ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ جو تاریخی روایتیں حدیث و سیرت کی کتابوں میں درج ہیں ان کی تدوین حوادث کے عہدِ وقوع کے بعد ہوئی ہے اور ان میں جھوٹ اور آمیزش کا امکان ہے تو یہ بات منطقی اور فطری ہے کہ ہم ان روایتوں کو قرآن و سنت اور عقل کے میزان پر پرکھیں پھر جو روایتیں ان کے موافق ہوں انہیں قبول کرلیں اور جو ان کے مخالف ہوں ان کو رد کردیں۔

واضح رہے کہ نبوت خدائی نمائندگی اور الٰہی منصب ہے یہ عہدہ اسی کی طرف سے ملتا ہے تاکہ نبی ضروری ہدایت کے ذریعہ بشریت کی مدد کرے۔ اس منصب کے لئے خدا اپنے بندوں میں سے اسی کو منتخب کرتا ہے جو مثالی خصوصیتوں سے سرشار ہوتا ہے۔ یہی خصوصیتیں آپؐ کو ان مہموں کو سر کرنے پر قادر بنادیتی ہیں جو آپؐ سے مطلوب تھیں۔

نبی کا خدا کی طرف سے منتخب ہونا ضروری ہے تاکہ وہ رسالت اور اس کے مقاصد کو اچھی طرح سمجھ سکے اور اس کو صحیح انداز میں سمجھا سکے اور تبلیغ و بیان، دفاع و تحفظ کے میدان میں ناتواں ثابت نہ ہو جو امور اس کے ذمہ ہوتے ہیں، ان کی انجام دہی کے لئے علم و بصیرت، نفس کا صحیح سالم ہونا، ضمیر کا درست ہونا، صبر و پائیداری، شجاعت و حلم، انابت، بندگی خدا، خوفِ خدا، اخلاص عمل، گناہوں اور خطا و لغزش سے محفوظ رہنا، صراط مستقیم پر تائید الٰہی سے ثابت رہنا درکار ہے، پھر خاتم النبیین کوئی انوکھے اور کم پایہ کے رسول نہیں تھے بلکہ وہ تمام انبیاء سے زیادہ عظیم اور کامل تھے، آپؐ کے اندر گذشتہ انبیاء کے سارے صفاتِ کمال موجود تھے اور خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے۔

یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے اور طبیعتوں کا اقتضا بھی یہی ہے کہ خدائی ذمہ داری کے حامل کے اندر اسے قبول کرنے اور اسے نافذ کرنے کی صلاحیت و استعداد ہونا چاہے۔ اس صورت میں خاتم النبیین کے لئے ضروری ہے کہ آپ کے اندر ہر وہ صلاحیت ہونا چاہئے جس کے ذریعہ اس خدائی ذمہ داری کو پورا کیا جاسکے اور اس خدائی مہم کو سر کرنے کے لئے ان خصوصیتوں کو بعثت سے پہلے ہی فراہم ہونا چاہئے، قرآن مجید بھی اسی کی تائید کرتا ہے ارشاد ہے :

۱۔ (کذالک یوحی الیک والیٰ الذین من قبلک، اللّٰہ العزیزالحکیم)[1]

عزت وحکمت والا خدا اسی طرح آپؐ کی طرف وحی کرتا ہے جیسے آپ سے پہلے والوں پر وحی بھیجتا تھا۔

۲۔(وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم من اھل القریٰ)[2]

ہم نے آپؐ سے پہلے انہیں مردوں کو رسولؐ مقرر کیا جو آبادی میں رہتے تھے اور ہم ان کی طرف وحی بھیجتے تھے۔

۳۔ (وما ارسلنا من قبلک من رسولؐ الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا انا فاعبدون۔)[3]

اور ہم نے آپؐ سے پہلے کوئی رسولؐ نہیں بھیجا مگر اس پر وحی کرتے رہے کہ میرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے پس تم سب میری عبادت کرو۔

۴۔(وجعلنا ھم ائمة یہدون بامرنا و اوحینا الیھم فعل الخیرات و اقام الصلٰوۃ و ایتاء الزکاۃ و کانوا لنا عابدین)[4]

ہم نے انہیں امام بنایا وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں، ہم نے ان پر نیک کام کرنے، نماز قائم کرنے،اور زکات دینے کی وحی کی ہے اور وہ سب ہمارے عبادت گزار تھے۔

پس وحی کا سرچشمہ خدا ہے اور خدا ہی رسولوں کی طرف توحید کی نشانیوں اور اپنی عبادت کے طریقوں کی وحی کرتا ہے اور انہیں ائمہ قرار دیتا ہے وہ اس کے حکم سے شریعت کی اس تفصیل کے ساتھ جو کہ ان کے پاس وحی کے ذریعہ پہنچی ہے لوگوں کو نیک کام انجام دینے، نماز قائم کرنے اور زکات دینے کی ہدایت کرتے ہیں عبادت میں یہی غیروں کے لئے نمونہ ہیں اور یہی خدا کے اسلام کا زندہ مرقع ہیں۔

حضرت خاتم الانبیاء کے بارے میں خداوند عالم بطور خاص فرماتا ہے :

۱۔ (وکذالک اوحینا الیک قرآناً عربیاً لتنذر ام القریٰ و من حولھا و تنذر یوم الجمع لا ریب فیه...)[5]

اور ہم نے اسی طرح آپ کی طرف عربی قرآن کی وحی کی ہے تاکہ آپ مکہ اور اس کے مضافات میں رہنے والوں کو ڈرائیں اور روز حشر سے ڈرائیں جس میں کوئی شک نہیں ہے۔

---

1 شوریٰ:۳۔

2 یوسف:۱۰۹۔

3 انبیاء:۲۵۔

4 انبیاء:۷۳۔

5 شوریٰ:۷۔

۲۔(شرع لکم من الدین ما وصی به نوحاً و الذی اوحینا الیک وما وصینا به ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ و ان اقیمو الدین ولا تتفرقوا فیه کبر علی المشرکین ما تدعوهم الیه اللّٰه یجتبی الیه من یشاء و یهدی الیه من ینیب[1] ...فلذلک فادع و استقم کما امرت ولا تتبع اهواءهم و قل آمنت بما انزل اللّٰه من کتاب و امرت لاعدل بینکم اللّٰه ربنا و ربکم لنا اعمالنا و لکم اعمالکم لا حجة بیننا و بینکم اللّٰه یجمع بیننا و الیه المصیر)۔[2]

اس نے تمہارے لئے دین میں وہ راستہ مقرر کیا ہے جس کی نوح کو نصیحت کی تھی اور تمہاری طرف بھی اس کی وحی کی ہے ابراہیم، موسیٰ وعیسیٰ کو بھی اسی کی نصیحت کی تھی کہ وہ دین قائم کریں اور تفرقہ کا شکار نہ ہوں مشرکوں کو وہ بات بہت ناگوار ہے جس کی تم انہیں دعوت دے رہے ہو اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی بارگاہ کے لئے چن لیتا ہے اور جو اس سے لو لگاتا ہے اسے ہدایت دے دیتا ہے... لہذا آپ اسی کے لئے دعوت دیں اور اس طرح استقامت سے کام لیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے، ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں، اور یہ کہیں کہ میرا ایمان اس کتاب پر ہے جو خدا نے نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کروں، اللہ ہمارا اور تمہارا رب ہے ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے اللہ ہم سب کو ایک دن جمع کرے گا اور اسی کی طرف سب کی بازگشت ہو گی۔

۳۔(اللّٰه الذی انزل الکتاب بالحق و المیزان)۔[3]

اللہ ہی وہ ہے جس نے کتاب و میزان کو حق کے ساتھ نازل کیا۔

۴۔(ام یقولون افتری علی اللّٰه کذباًفان یشاء اللّٰه یختم علی قلبک و یمح اللّٰه الباطل و یحق الحق بکلماته انه علیم بذات الصدور)[4]

کیا ان لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ رسولؐ، اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتا ہے حالانکہ خدا چاہے تو تمہارے دل پر بھی مہر لگادے اور اللہ باطل کو محو کرتا ہے اور حق کو اپنے کلمات کے ذریعہ ثابت کر دیتا ہے۔ بیشک وہ دلوں کے راز کو جانتا ہے۔

۵۔(وما کان لبشر ان یکلمه اللّٰه الا و حیاً او من و رای حجاب او یرسل رسولاً فیوحی باذنه ما یشاء انه علیّ حکیم و کذالک اوحینا الیک روحاً من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلنٰهُ نورا نهدی من نشاء من عبادنا و انک لتهدی الیٰ صراط مستقیم)[5]

اور کسی انسان کے لئے یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا اس سے کلام کرے مگر یہ کہ وہ وحی کرے یا پردے کے پیچھے سے بات کرے یا کسی فرشتے کو نمائندہ بنا کر بھیج دے اور پھر وہ اس کی اجازت سے جو وہ چاہتا ہے وہ وحی پہنچا دے یقیناً اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف (قرآن) روح کی وحی کی ہے اور آپ کو

---

1 شوریٰ ۱۳۔

2 شوریٰ ۱۵۔

3 شوریٰ ۱۷۔

4 شوریٰ ۲۴۔

5 شوریٰ ۵۱،۵۲۔

معلوم نہیں تھا کہ کتاب اور ایمان کیا ہے لیکن ہم نے اسے ایک نور قرار دیا ہے جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیدیتے ہیں یقیناً آپ لوگوں کو سیدھے راستہ کی ہدایت کرتے ہیں۔

جن لوگوں نے بعثت سے پہلے رسولؐ کے ساتھ زندگی گذاری ہے بلکہ جو وفات تک آپ کے ساتھ رہے ہیں انہوں نے بھی رسولؐ کی بعثت سے پہلے اور بعثت کے وقت کی صحیح اور واضح تصویر کشی نہیں کی ہے، سب سے مضبوط و محکم نص وہ ہے جو آپ کی آغوش کے پالے ابن عم اور وصی نے بیان کی ہے وہ آپؐ سے بعثت سے پہلے بھی جدا نہیں رہے، آپؐ کی وفات تک آپ کے ساتھ رہے۔ اس شخصیت کی تصویر کشی میں انہوں نے پوری امانت داری اور دقتِ نظر سے کام لیا ہے بعثت سے پہلے زمانہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

ولقد قرن اللّٰہ به من لدن ان كان فطيما اعظم ملک من ملائكته يسلک به طريق المكارم و محاسن اخلاق العالم ليله و نهاره۔ لقد كنت اتبعه اتباع الفصيل اثر امه۔
يرفع لي كل يوم من اخلاقه علماً۔ وقد كان يجاور كل سنة بحراء فاراه ولا يراه غيري۔[1]

اور خداوند عالم نے، ان کی دودھ بڑھائی کے زمانہ ہی سے، ایک عظیم فرشتے کو ان کے ساتھ لگا دیا تھا وہ آپ کو رات دن اعلیٰ خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں پر چلاتا تھا اور میں اس طرح آپ کا اتباع کرتا تھا جس طرح اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے چلتا ہے آپؐ ہر روز میرے لئے اپنے اخلاق کا پرچم بلند کرتے تھے اور ہر سال آپؐ کچھ مدت کے لئے غار حراء میں قیام کرتے تھے وہاں انہیں میرے علاوہ اور کوئی نہیں دیکھتا تھا۔

آپ کا یہ قول خداوند عالم کے اس قول: "انک لعلیٰ خلق عظیم"[2] کے موافق ہے۔ یہ آیت ابتداء بعثت میں نازل ہوئی تھی، واضح رہے خُلق ایک نفسانی ملکہ ہے نفس کے اندر راسخ ہوتا ہے، مرورِ زمانہ سے پیدا نہیں ہوتا۔ آپؐ کے خُلقِ عظیم کے ساتھ خدا نے آپؐ کی توصیف کی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ بعثت سے پہلے ہی خلقِ عظیم سے متصف تھے۔

آپؐ کے نواسے حضرت امام جعفر صادقؑ کی حدیث سے آپؐ کی شخصیت کی وہ خوبیاں روشن ہو جاتی ہیں جو قبلِ بعثت بھی آپؐ کے اندر پائی جاتی تھیں۔ فرماتے ہیں:

"ان اللّٰہ عزّ و جلّ ادب نبيه فاحسن ادبه فلما اكمل له الادب قال: (انک لعلیٰ خلق عظيم) ثم فوّض اليه امر الدين و الامة ليسوس عباده"[3]

خدا نے اپنے نبی کو ادب و اخلاق سے آراستہ کیا چنانچہ آپؐ کا اخلاق بہترین ہو گیا جب آپ کا اخلاق و ادب کامل ہو گیا تو فرمایا: بیشک آپ اخلاق کے بلند درجہ پر فائز ہیں پھر دین و امت کی زمام ان کے سپرد کی تاکہ اس کے بندوں کی قیادت کریں۔

خلق عظیم ان تمام مکارم کو اپنے اندر لئے ہے جن کی تفسیر رسولؐ سے منقول حدیث میں بیان ہوئی ہے۔

---

1 نہج البلاغہ خطبۂ قاصعہ ۲۹۲۔

2 قلم: ۴۔

3 اصول کافی ج ۲ ص ۶۶ ح ۴۔

''انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق''

مجھے تو بس مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے پس جو مکارم سے تہی دامن ہو، وہ مکارم اخلاق کی کیسے تعلیم دے سکتا ہے؟! ماننا پڑے گا کہ رسولؐ نے بعثت سے پہلے ہی تمام مکارم حاصل کر لئے تھے تاکہ آپ کے لئے خلق عظیم کی صفت صحیح اور منطقی قرار پائے۔

بعثت سے پہلے رسول کی شخصیت مثالی، موزوں، معتدل مزاج، روشن خیال اور مکارم اخلاق، اعلیٰ صفات اور شائستہ افعال کے حوالہ سے مشہور تھی۔ قرآن مجید کی وہ آیتیں جو کہ رسالی و پیغامی وحی اور رسولؐ کی وحی فہمی کی طرف اشارہ کرتی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ رسول باطمانیت اور صاحب ثبات و استقلال تھے اور خدا کی طرف سے آپ کے قلب پر جو امر و نہی ہوتی تھی آپ اسے تہہ دل سے قبول کرتے تھے ملاحظہ فرمائیں سورۂ شوریٰ کی وہ آیتیں جو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں نیز درج ذیل آیتیں ملاحظہ ہوں:

۱۔(و النجم اذا هوی، ما ضل صاحبکم وما غویٰ، وما ینطق عن الهویٰ، ان هو الا وحی یوحیٰ، علمه شدید القویٰ، ذو مرة فاستویٰ،و هو بالافق الاعلیٰ، ثم دنا فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ، فاوحیٰ الیٰ عبده ما اوحیٰ، ما کذب الفواد ما رأیٰ)[1]

قسم ہے ستارے کی جب وہ ٹوٹا، تمہارا ساتھی نہ گمراہ ہوا نہ بہکا اور وہ اپنی خواہش سے کلام بھی نہیں کرتا ہے اس کا کلام تو وہ وحی ہے جو اس پر نازل ہوتی ہے۔ وہ اسے نہایت طاقت والے نے تعلیم دی ہے۔ حسن و جمال والا سیدھا کھڑا ہوا جبکہ وہ بلند ترین افق پر تھا پھر وہ قریب ہوا اور آگے بڑھا، یہاں تک کہ دو کمان یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا پھر خدا نے اپنے بندہ پر جو چاہا وحی کی دل نے اس بات کو جھٹلایا نہیں جو دیکھا۔

۲۔(قل انی علیٰ بینة من ربی)[2]

کہہ دو کہ میں اپنے پروردگار کی طرف سے کھلی ہوئی نشانی رکھتا ہوں۔

۳۔ (قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی)[3]

کہ دو کہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں لیکن میرے اوپر وحی ہوتی رہتی ہے۔

۴۔(قل انما انذرکم بالوحی)[4]

کہہ دو کہ میں تو تمہیں وحی کے ذریعہ ڈراتا ہوں۔

۵۔(قل انما یوحیٰ الي انما الٰهکم اله واحد)[5]

کہہ دو کہ بس میرے اوپر وحی ہوتی رہتی ہے۔ تمہارا خدا بس ایک ہے۔

---

1 النجم: ۱تا۱۱۔

2 انعام: ۵۷۔

3 کہف: ۱۱۰۔

4 انبیاء: ۴۵۔

5 انبیاء: ۱۰۸۔

۶۔(ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی الیک وحیه و قل رب زدنی علماً)[1]
اور آپ وحی تمام ہونے سے پہلے قرآن کے بارے میں عجلت سے کام نہ لیا کریں اور یہ کہا کریں پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما۔

۷۔(و ان اهتدیت فبما یوحیٰ الیّ ربی)[2]
اگر میں نے ہدایت حاصل کرلی ہے تو یہ میرے رب کی وحی کا نتیجہ ہے۔

۸۔(قل هذه سبیلی ادعوا الیٰ اللّه علیٰ بصیرة انا و من اتبعنی)[3]
کہہ دو کہ میرا یہی راستہ ہے کہ میں بصیرت کے ساتھ خدا کی طرف بلاتا ہوں اور میرے ساتھ میرا اتباع کرنے والا بھی ہے۔

جب آپ پر قرآن مجید کی ان آیتوں کا مفہوم واضح ہوگیا تو اب آپ حدیث وتاریخ کے بعض ماخذ ومصادر کا مطالعہ فرما سکتے ہیں تاکہ ان کے محکم ومتشابہات سے واقف ہو جائیں۔

امام احمد کہتے ہیں: ہم سے عبدالرزاق نے بیان کیا اور کہا: ہم سے معمر نے بیان کیا اور انہوں نے زہری سے، انہوں نے عروہ سے اور انہوں نے عائشہ سے روایت کی ہے کہ عائشہ نے کہا: سب سے پہلے رسولؐ پر جو وحی ہوئی تھی وہ از راہ رویائے صادقہ تھی۔

آپ غار حراء میں گوشہ نشیں ہو جاتے اور وہیں عبادت کرتے تھے پھر جناب خدیجہ کے پاس لوٹ آتے تھے پھر ایسا ہی کرتے تھے یہاں تک کہ غار حراء میں آپ پر وحی نازل ہوئی۔

مذکورہ روایت میں کوئی چیز قابل گرفت نہیں ہے سوائے اس کے کہ جب آپؐ پر وحی نازل ہوئی تو عائشہ موجود نہیں تھیں اور روایت میں اس بات کی وضاحت وتصریح نہیں ہے کہ یہ معلومات انہیں کہاں سے فراہم ہوئی ہیں براہ راست انہوں نے رسولؐ سے روایت نہیں کی ہے لیکن روایت میں کچھ تعجب خیز چیزیں بھی ہیں۔

وہ کہتی ہیں کہ پھر خدیجہ انہیں اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کے پاس لے گئیں زمانہ جاہلیت میں وہ نصرانی تھے۔ عربی میں کتاب لکھتے تھے، انہوں نے انجیل کو عربی میں لکھا تھا وہ بہت ضعیف تھے، نابینا ہوگئے تھے جناب خدیجہ نے ان سے کہا: ابن عم اپنے بھتیجے سے بھی تو کچھ سنئے ورقہ نے کہا: بھتیجے! تمہیں کیا دکھائی دیتا ہے، رسولؐ نے جو دیکھا تھا بیان کیا۔ ورقہ نے کہا: یہ وہ ناموس (فرشتہ) ہے جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوا تھا۔ اے کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکالے گی۔ رسولؐ نے فرمایا: کیا وہ مجھے نکالیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں۔ کوئی شخص ایسی چیز نہیں لایا جیسی آپ لائے ہیں اگر میں اس زمانہ میں رہا تو میں ایک پشت پناہ کی حیثیت سے آپ کی مدد کروں گا۔ ورقہ بن نوفل مسلمان نہیں ہوا جبکہ وہ جانتا تھا کہ رسولؐ کن حالات سے دوچار ہونگے اور یہ بھی جانتا تھا کہ آپؐ نبیؐ ہیں لیکن صاحب رسالت ودعوت کے لئے بات واضح نہیں تھی اور انہیں اپنی رسالت کا علم نہیں تھا حالانکہ ورقہ اس بات سے مطمئن تھے کہ آپؐ نبی ہیں، اور قرآن نے بھی اس بات کی تصریح کی ہے کہ رسولؐ اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہیں۔ اکثر آیتوں میں بھی یہی بیان ہوا ہے کہ لوگوں کے ہادی رسول ہی ہیں اور وہی واضح دلیل

---

1 طہ:۱۱۴۔

2 یوسف:۱۰۸۔

3 سباء:۵۰۔

رکھتے ہیں اگر اس کے بر عکس ہو تو صحیح نہیں ہے۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ورقہ نبیؐ کی رسالت کو پہلے ہی سے جانتے تھے اور اسی لئے انہوں نے آپ کو اطمینان دلایا تھا۔

یہ ہی وہ چیز ہے جس کی بنا پر اہل کتاب کو آپؐ کی رسالت سے چشم پوشی کرنے کا راستہ مل گیا کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ۔ تمہاری اس نص کے بموجب۔ تمہارے نبی اپنے رسولؐ ہونے سے مطمئن نہیں تھے بلکہ ورقہ، جو کہ مسیحی تھے، کے اطمینان دلانے سے مطمئن ہوئے تھے، ان میں سے بعض نے تو، اس روایت کا سہارا لیتے ہوئے جو کہ حدیث کی کتابوں میں نقل ہوئی ہے اور مورخین کے درمیان مشہور ہے یہاں تک کہہ دیا کہ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ) ان قسیسوں میں سے ایک تھے جن کو ورقہ نے تعلیم و تربیت دی تھی۔ یہ عظیم رخنہ عقل، قرآن اور سنت سے دور رہنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ جو شخص قرآن کی نظر میں انبیاء کی شخصیت کا علم رکھتا ہے اور قرآنی منطق سے آگاہ ہے کیا وہ اس بات کی تصدیق کر سکتا ہے؟ وہ اس حدیث کے مضمون کو محض اس لئے کیسے صحیح تسلیم کر سکتا ہے کہ یہ حدیث زوجہ رسولؐ عائشہ سے منسوب ہے؟!

اس روایت کے علاوہ تاریخ طبری میں ایک حدیث اور نقل ہوئی ہے جو قباحت میں اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کے مضمون ہی میں شک ہوتا ہے؛ یہاں کہا گیا ہے: رسولؐ محو خواب تھے کہ فرشتہ آپ کے پاس آیا اور سورۂ علق کی ابتدائی آیتیں آپ کو تعلیم کیں اس کے بعد روایت کا سلسلہ آگے بڑھتا ہے اور خود رسولؐ کی زبانی منقول ہے۔ پس میں نیند سے بیدار ہوا تو ایسا محسوس ہوا جیسے میرے صفحۂ دل پر کتاب لکھ دی گئی ہے۔ پھر فرماتے ہیں: میری نظر میں شاعر یا مجنون سے بدتر کوئی اور نہیں تھا، میں انہیں ایک نظر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ نیز فرمایا: میں شاعر و مجنون سے بہت دور رہتا تھا۔ ان کے بارے میں قریش مجھ سے ہرگز گفتگو نہیں کرتے تھے۔ میں پہاڑ کی بلندی پر چڑھ گیا میں چاہتا تھا کہ وہاں سے خود کو گرا کر خودکشی کر لوں تاکہ نفس کو آرام مل جائے چنانچہ میں اسی ارادہ سے نکلا اور جب پہاڑ پر پہنچا تو میں نے آسمان سے ایک آواز سنی وہ یہ تھی: اے محمد! تم اللہ کے رسولؐ ہو اور میں جبرئیل ہوں۔[1]

نبیؐ کے ذہنی خلفشار اور خوف کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ آپؐ نے خودکشی کا ارادہ کر لیا تو خدا نے چاہا کہ آپؐ کو نبیؐ؛ لوگوں کی ہدایت کرنے والا اور انہیں حق کی طرف بلانے والا بنا دے۔ کیا روایت کا مضمون آپ کی عظمت و شوکت کے مطابق ہے؟!

ہم کو چاہئے کہ نصوص کو قرآن و عقل نیز سنت کے محکمات پر پرکھیں تاکہ تاریخ سے معتبر اور موثق چیزیں اخذ کریں اور ان چیزوں کو چھوڑ دیں جو علمی تنقید کے سامنے ثابت نہیں رہ سکتیں۔

جب ہم کتاب خدا کی صریح آیتوں کو ملاحظہ کرنے کے بعد ان روایتوں کو دیکھتے ہیں جو حدیث و سیرت کی کتابوں میں آپ پر پہلی بار وحی نازل ہونے سے متعلق ہیں تو وہ نصوص قرآن کے خلاف نظر آتی ہیں، اس سے ہمیں اطمینان ہو جاتا ہے کہ روایتوں میں اسرائیلیات شامل ہو گئے ہیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ مذکورہ روایتوں کا اس روایت سے موازنہ کریں جس کو علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار میں نقل کیا ہے یہ حدیث وحی کے حصول کی آمادگی اور اس سے متعلق امداد اور رسولؐ کی شخصیت و کردار کی عکاسی کرتی ہے۔

حضرت امام علی نقیؑ سے روایت ہے :

---

1 تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۰۱ تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم طبع دار سویدان بیروت۔

اللہ کے رسولؐ نے جب تجارت کے لئے شام جانا بند کر دیا اور جو کچھ تجارت کی وجہ سے نفع ہوا تھا اسے خیرات کر دیا تو اس کے بعد ہر صبح کو کوہ حراء کی چوٹی پر تشریف لے جاتے اور وہاں سے خدا کی رحمت کے آثار، اس کی رحمت کے کرشمے اور اس کی حکمت کی بو قلمونیاں دیکھتے، آسمان کے آفاق اور زمین کے اطراف پر نظر ڈالتے، سمندروں کو دیکھتے ان سے عبرت و معرفت حاصل کرتے اور اس طرح خدا کی عبادت کرتے جیسے عبادت کا حق ہے۔

جب آپ پورے چالیس سال کے ہو گئے تو خدا نے آپؐ کے قلب کو دیکھا، تو اسے تمام قلوب سے افضل زیادہ روشن و منور زیادہ مطیع و خاشع اور خضوع کرنے والا پایا تو آسمان کے دروازوں کو کھول دیا تاکہ محمدؐ انہیں دیکھیں، ملائکہ کو اجازت دیدی وہ نازل ہونے لگے محمدؐ انہیں دیکھنے لگے، رحمت کو حکم ملا تو وہ ساقِ عرش سے محمدؐ کے سر و پیشانی پر نچھاور ہونے لگی، روح الامین، طاوس ملائکہ کو دیکھا وہ آپؐ پر نازل ہوئے اور آپ کا شانہ پکڑ کر ہلایا اور کہا:

اے محمد! پڑھو! فرمایا: کیا پڑھوں؟! کہا: اے محمدؐ !

(اقرأ باسم ربک الّذی خلق۔ خلق الانسان من علق، اقرأ و ربّک الاکرم الّذی علّم بالقلم ۔ علّم الانسان ما لم یعلم)[1]

اپنے رب کے نام سے پڑھو، جس نے پیدا کیا ہے، جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھو کہ تمہارا پروردگار بڑی شان والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی۔ اس نے انسان کو اس چیز کی تعلیم دی جس کو وہ نہیں جانتا تھا۔

پھر جبرئیل نے آپ پر وحی کی جو کہ ان پر خدا نے کی تھی اور اس کے بعد پرواز کر گئے۔

محمدؐ پہاڑ سے اتر آئے لیکن خدا کی عظمت و جلالت کی وجہ سے آپؐ پر غشی اور حرارت و کپکپی کی سی کیفیت طاری تھی، آپؐ کو اس بات کا شدید خوف تھا کہ اس سلسلہ میں قریش آپ کی تکذیب کریں گے اور آپؐ کو مجنون کہیں گے (معاذ اللہ) یہ کہیں گے کہ ان پر شیطان سوار ہو گیا ہے۔ حالانکہ آپؐ خدا کی مخلوق میں سب سے زیادہ عقلمند اور مخلوقات میں سب سے بلند و بالا تھے۔ آپؐ کی نظر میں شیطان اور مجنونوں کے افعال و اقوال نہایت ہی قابل نفرت تھے، پس خدا نے چاہا کہ آپ کا سینہ کشادہ اور دل جری ہو جائے تو خدا نے پہاڑوں، چٹانوں اور سنگریزوں کو گویائی عطا کر دی چنانچہ آپ جس چیز کے پاس سے گزرتے تھے وہ آپ سے اس طرح مخاطب ہوتی تھی:

"السّلام علیک یا محمد۔ السّلام علیک یا ولیّ اللّٰہ، السّلام علیک یا رسول اللّٰہ"

اے محمد! آپ پر سلام ہو اے اللہ کے ولی آپ پر سلام، اے اللہ کے رسول آپ پر سلام، بشارت ہو کہ خدا نے آپ کو فضیلت دی ہے، جمال و زینت بخشی ہے اور اولین و آخرین سب پر فوقیت و برتری دی ہے آپؐ اس بات سے نہ ڈریں کہ قریش آپ کو مجنون کہیں گے اور کہیں گے کہ آپ دین سے ہٹ گئے ہیں کیونکہ بافضیلت وہی ہے جس کو خدا افضیلت دے، کریم و سرفراز وہی ہے جس کو خدا سرفرازی عطا کرے پس آپ قریش اور عرب کے سرکشوں کی تکذیب سے خوف نہ کھائیں، عنقریب آپ کا رب آپ کو انتہائی بلندیوں پر پہنچادے گا اور اعلیٰ مراتب پر فائز کرے گا اور آپؐ کے وصی حضرت علیؑ کے سبب آپؐ کے چاہنے والوں کو خوش کرے گا اور عنقریب آپ کے بابِ حکمت علی بن ابی طالبؑ کے ذریعہ آپ کے علوم کو پوری دنیا میں پھیلا دے گا۔ جلد ہی وہ آپ کو ایک بیٹی فاطمہؑ عطا کرے گا اس کے بطن اور صلب علیؑ سے اہل جنت کے سردار حسنؑ و حسینؑ کو پیدا کرے گا آپ کے دین کو دنیا میں پھیلا

---

1 العلق: ۱-۵۔

دے گا، آپ کے اور آپ کے بھائی کے دوستوں کے اجر کو عظیم قرار دے گا، آپؐ کے ہاتھ میں لوائے حمد دے گا آپ اسے اپنے بھائی علیؑ کو عطا کریں گے چنانچہ ہر نبی صدیق اور شہید اس کے نیچے ہو گا۔ اور علیؑ ان سب کو جنت کی طرف لے جائیں گے۔ [1]

جب ہم اس روایت اور طبری کی روایت کا موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں دونوں کے لحاظ سے رسولؐ کی ابتدائے بعثت اور بعثت کے بعد کی زندگی میں واضح فرق نظر آتا ہے، طبری کی روایت کے لحاظ سے بعثت سے پہلے آپ کی زندگی اضطرابی و بے چینی و بے یقینی کی زندگی ہے۔ ظاہر ہے کہ اضطراب و بے چینی کا سبب نادانی ہوتی ہے۔ جبکہ بحار الانوار کی روایت کی رو سے آپ کی زندگی میں ابتدا ہی سے اطمینان و سکون اور علم نظر آتا ہے۔ آپ کی زندگی کی یہی تصویر، قرآن و حدیث اور تاریخ کے محکمات و معیار کے مطابق ہے۔

1 بحار الانوار ج۱۸ ص۲۰۷و۲۰۸۔

دوسری فصل

مکہ کی زندگی میں تحریک رسالت کے مراحل

۱۔ایمانی خلیوں کی ساخت

پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد، قرآنی آیتیں بتدریج آپ پر نازل ہونے لگیں، شروع میں سورۂ مزمل کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں تو رسولؐ نے اسلامی رسالت کی نشرواشاعت اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے لئے درج ذیل اقدامات کا ارادہ کیا، آپؐ کے لئے ضروری تھا کہ پیش آنے والی مشکلوں اور دشواریوں سے نمٹنے کے لئے خود کو آمادہ کریں اور عزم بالجزم کے ساتھ کام کریں۔

سب سے پہلے آپؐ نے اپنے گھر والوں کو اسلام کی دعوت دی۔جناب خدیجہ کا رسولؐ کی تائید کرنا تو فطری بات تھی کیونکہ انہوں نے آپؐ کے ساتھ ایک طویل عمر گزاری تھی اور آپؐ کے اندر اخلاق کی بلندیوں اور روح کی پاکیزگی و بلند پروازی کا مشاہدہ کیا تھا۔

اپنے چچازاد بھائی علی بن ابی طالب کو دعوت اسلام دینے میں بھی آپؐ کو زحمت نہیں کرنی پڑی کیونکہ ان کے سینہ میں طیب و طاہر دل تھا۔ علیؑ نے کبھی بتوں کی پرستش نہیں کی تھی چنانچہ انہوں نے فوراً نبیؐ کی تصدیق کی اس طرح آپؑ مسلمِ اول قرار پائے۔[1]

پھر رسولؐ کے لئے حضرت علیؑ کا انتخاب بالکل صحیح تھا کیونکہ ان میں طاعت و فرمانبرداری کا جوہر بھی تھا اور وہ قوی و شجاع بھی تھے اور رسولؐ کو ایک مددگار و پشت پناہ کی شدید ضرورت تھی، حضرت علیؑ تبلیغِ رسالت میں شروع ہی سے ایک پشت پناہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔آپ رسالت کی چشم بینا اور تبلیغ کی زبان گویا تھے۔

سب سے پہلے آپؑ ہی نے اسلام ظاہر کیا کہ آپ رسولؐ کے ساتھ غار حراء کی تنہائی میں بھی رہتے تھے، آپؑ کے بعد جناب خدیجہ ایمان لائیں اور سب سے پہلے انہیں دونوں نے خدا کی وحدانیت کا اقرار کر کے رسولؐ کے ساتھ نماز پڑھی یہ دونوں بھی رسولؐ کے مانند، شرک و ضلالت کی طاقتوں کیلئے[2] رکاوٹ تھے ان کے بعد زید بن حارثہ مسلمان ہوئے یہ نیک لوگوں کی جماعت تھی اور یہ وہ افراد تھے جن سے اسلامی معاشرہ وجود میں آیا۔

---

1 السیرۃ النبویہ،ابن ہشام ج ا ص ۲۴۵، باب علی بن ابی طالبؑ۔

2 اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۸، حلیۃ الاولیاء، ج ا ص ۶۶، شرح بن ابی الحدید ج ۳ ص ۲۵۶، متدرک الحاکم ج ۳ ص ۱۱۲۔

۲۔ مکی عہد کے ادوار

رسولؐ کی تبلیغ کم سے کم تین ادوار سے گزری ہے تب جا کے پہلی اسلامی حکومت کی تشکیل کے حالات فراہم ہوئے وہ ادوار درج ذیل ہیں:

ا۔ پہلے دور میں اسلامی رسالت کا مرکز و پایۂ تخت بنایا بعض لوگوں نے اس دور کو مخفیانہ تبلیغ، یا دعوتِ خاص کے عنوان سے بھی یاد کیا ہے۔

۲۔ دوسرے دور میں آپؐ نے محدود پیمانہ پر قرابتداروں کو اسلام کی دعوت دی اور محدود طریقہ سے بت پرستوں سے مقابلہ کیا۔

۳۔ اس دور میں آپؐ نے عام طریقہ سے جنگ کی۔

۳۔ اوّلین مرکز کی فراہمی کا دور

جب خداوند عالم نے اپنے نبیؐ کو یہ حکم دیا کہ قیام کریں اور لوگوں کو ڈرائیں [1] تو آپؐ نے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہوئے ایک ایسی با ایمان جماعت بنانے کی کوشش کی جو معاشرہ کی ہدایت کے لئے مشعل بن جائے۔ اس طرح تقریباً تین سال گذر گئے۔ رسالی و پیغامی تحریک، خطرات و مشکلات میں لپٹی ہوئی تھی لیکن روبہ استحکام و تکامل پذیر تھی۔ اس مرحلہ میں رسولؐ کا طرز تبلیغ یہ تھا کہ آپ نے اپنے پیروؤں کو ان کے پہلے رجحان جغرافائی اعتبار سے مختلف قسم کے اختیارات ان کے سپرد کئے تاکہ آپ کی رسالت وسعت پذیر ہو اور جہاں تک ممکن ہو سکے معاشرہ میں اس کو فروغ دیا جائے۔ بعثت کے ابتدائی زمانہ میں کچلے ہوئے افراد اور ناداروں نے آپ کی دعوت اسلام کو قبول کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام اعلیٰ زندگی اور امن وامان کا پیغام لایا تھا۔ شرفاء میں ان لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا کہ جو پاکیزہ سرشت اور عقل سلیم کے حامل تھے۔

جابر و سرکش قریش اس پیغام کی ہمہ گیری اور وسعت پذیری کا اندازہ نہیں کر سکے بلکہ انہوں نے یہ خیال کیا کہ یہ تحریک دیرپا نہیں ہے، چند دنوں کے بعد مٹ جائے گی لہذا انہوں نے اس تحریک کو اس کے ابتدائی زمانے ہی میں مٹانے کے سلسلہ میں کوئی موثر قدم نہیں اٹھایا۔

رسولؐ نے اسی مختصر وقت میں اپنے اوپر ایمان لانے والوں میں کچھ کو فعال بنایا اور اس پیغام کو پہنچانے کی ذمہ داری ان کے سپرد کی تاکہ یہ پیغام دوسرے لوگوں تک پہنچ جائے، یہ لوگ اپنے اسلام کے بارے میں بڑے حساس اور اپنے ایمان پر یقین رکھنے والے تھے انہوں نے شرک کے اس من گھڑت عقیدہ و طریقہ کو ٹھکرا دیا تھا جس پر ان کے آباء واجداد تھے اور ان کے اندر ایسی صلاحیت و طاقت پیدا ہو گئی تھی کہ یہ رسالت کے آثار کو علیٰ الاعلان اپنا سکتے تھے۔

روایت ہے کہ اس عہد میں نماز عصر کے وقت رسولؐ اور ان کے اصحاب مختلف گروہوں میں چلے جاتے تھے اکیلے اور دو، دو کر کے نماز پڑھتے تھے۔

---

1 سورۂ مدثر کی ابتدائی آیتیں۔

چنانچہ ایک مرتبہ دو مسلمان مکہ کے ایک خاندان کے درمیان نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین کے دو افراد نے انہیں اس سلسلہ میں طعن و تشنیع کی، نتیجہ میں مار پیٹ ہوئی اور یہ دونوں واپس لوٹ آئے۔[1]

اس کے بعد آئے دن مشرکوں سے ایسے ٹکراؤ ہونے لگے تو سلسلہ عبادت کو جاری رکھنے کے لئے رسولؐ چھپ کر اور قریش کی نظر سے بچ کر عبادت کرنے لگے اس زمانہ میں زید بن ارقم کا گھر مسلمانوں کے لئے بہترین پناہ گاہ تھا۔[2]

۴۔پہلا مقابلہ اور قرابتداروں کو ڈرانا

جب جزیرہ نما عرب کے اطراف میں اسلام کی خبر عام ہو گئی اور جب ایک مومن گروہ روحی استقلال کا مالک و حامل ہو گیا اور اپنے روحی استحکام کے لحاظ سے معرکہ میں اترنے کا اہل بن گیا تو اسلام کی دعوت کو مرحلۂ اعلان میں داخل ہونے کی منزل تھی اور اس مرحلہ کا پہلا قدم اپنے قرابتداروں کو ڈرانا تھا کیونکہ اس معاشرہ پر قبائلی رسم و رواج کی چھاپ تھی لہٰذا بہتر یہی تھا کہ دوسروں کو ڈرانے سے پہلے اپنے قبیلے والوں کو ڈرائیں پس خدا کا حکم نازل ہوا۔

(وانذر عشیرتک الاقربین)[۳]

اے رسولؐ! اپنے قرابتداروں کو ڈراؤ، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرتؐ نے اپنے خاندان والوں کو بلایا اور ان کے سامنے رسالت اور مقصد نیز مستقبل میں رسالت کی وضاحت فرمائی ان لوگوں میں وہ بھی شامل تھا جس سے خیر کی امید اور ایمان کی پوری توقع تھی، جب ابولہب نے کھڑے ہو کر کھلم کھلا اپنی دشمنی کا اظہار کیا تو ابو طالب نبیؐ کی پشت پناہی اور ان کی رسالت کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔

روایت ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ کھانے کا بندوبست کرو، کھانا تیار ہو گیا تو آپؐ نے اپنے خاندان والوں کو دعوت دی، یہ چالیس اشخاص تھے۔ رسولؐ نے ابھی اپنی گفتگو شروع ہی کی تھی کہ آپؐ کے چچا عبد العزیٰ۔ ابولہب۔ نے آپ کی گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا اور آپؐ کو تبلیغ کرنے اور ڈرانے سے روکا۔ رسولؐ کا مقصد پورا نہ ہو سکا دعوت میں آنے والے چلے گئے دوسرے دن رسولؐ نے پھر حضرت علیؑ کو کھانا تیار کرنے کا حکم دیا اور اپنے خاندان والوں کو دعوت دی، جب وہ کھانا کھا چکے تو آپؐ نے انہیں مخاطب کرکے فرمایا:

''یا بنی عبد المطلب انی و اللّٰہِ ما اعلم شاباًفی العرب جاء قومه بافضل مما جئتکم به انی جئتکم بخیر الدنیا و الأخرة و قد امرنی اللّٰہ عزّ و جلّ ان ادعوکم الیه فایکم یؤمن بی و یؤازرنی علیٰ هذا الامر علیٰ ان یکون اخی و وصی و خلیفتی فیکم؟''

اے عبدالمطلب کے بیٹو! خدا کی قسم مجھے عرب میں کوئی ایسا جوان نظر نہیں آتا جو اپنی قوم کے لئے اس سے بہتر پیغام لایا ہو جو میں تمہارے لئے لایا ہوں، میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کی نیکیاں لایا ہوں خدا نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف بلاؤں اب یہ بتاؤ کہ اس سلسلہ میں تم میں سے میری مدد کون کرے گا؟ تاکہ وہ تمہارے درمیان میرا بھائی، میرا وصی اور میرا خلیفہ بن جائے۔

---

1 انساب الاشراف ج ۱ ص ۱۱۷، سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۴۵۶۔

2 سیرت حلبیہ ج ۱، اسد الغابۃ ج ۴ ص ۴۴۔

3 شعراء: ۲۱۴۔

آپؐ کی بات کا کسی نے کوئی جواب نہ دیا صرف علیؑ ابن ابی طالبؑ یہ کہتے ہوئے اٹھے:

''انا یا رسول اللّٰہ اکون وزیرک علیٰ ما بعثک اللّٰہ''

اے اللہ کے رسولؐ جس چیز پر خدا نے آپ کو مبعوث کیا ہے میں اس میں آپ کا وزیر ہوں۔ رسولؐ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ! اور پھر آنحضرتؐ نے وہی جملہ دہرایا اس بار بھی کسی نے کوئی جواب نہیں دیا علیؑ نے آپ کی آواز پر لبیک کہا اور آپ کی مدد و پشت پناہی کا اعلان کیا تو رسولؐ نے اپنے خاندان کے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

''ان ھذا اخی و وصی و خلیفتی فیکم (او علیکم) فاسمعوا لہ و اطیعوا''

بے شک یہ میرا بھائی ہے اور تمہارے درمیان یہ میرا وصی و خلیفہ ہے اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو، اس کے بعد سارے حاضرین اٹھ گئے اور مذاق اڑاتے ہوئے ابوطالب کو مخاطب کر کے کہنے لگے: تمہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم اپنے بیٹے کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔[1]

۵۔ دعوت عام

پہلے مرحلہ میں رسولؐ نے بہت احتیاط سے کام لیا اور براہ راست مشرکوں اور بت پرستوں کے مقابلہ میں آنے سے پرہیز کرتے رہے اسی طرح مسلمانوں نے بھی احتیاط سے کام لیا کیونکہ اس سے خود آپ کے لئے اور دوسرے مسلمانوں کے لئے خطرہ بڑھ جاتا۔

جب آپؐ نے بنی ہاشم کو نئے دین کی طرف بلایا تو عرب قبائل میں اس کو بہت اہمیت دی گئی، اس سے ان پر یہ بات آشکار ہوگئی کہ محمدؐ نے جس نبوت کا اعلان کیا ہے اور جس پر بعض لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ برحق و سچی ہے۔

بعثت کے پانچ یا تین سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد خدا کی طرف سے آپ کو یہ حکم ہوا کہ رسالت الٰہیہ کا کھل کے اعلان کریں اور تمام لوگوں کو خدا سے ڈرائیں تاکہ دعوت اسلام عام ہو جائے اور چند افراد میں محدود نہ رہے، ابھی تک خفیہ طریقہ سے دعوت دی جاتی تھی اب علیٰ الاعلان دعوت دی جائے۔ لہٰذا آپؐ نے تمام لوگوں کو اسلام قبول کرنے اور ایک اکیلے خدا پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ خدا نے درج ذیل آیت میں اپنے نبیؐ سے یہ وعدہ کیا کہ دشمنوں اور مذاق اڑانے والوں کے مقابلہ میں ہم تمہیں استوار و ثابت قدم رکھیں گے چنانچہ ارشاد ہے:

(فاصدع بما تؤمروا عرض عن المشرکین، انا کفیناک المستھزئین)[۲]

جس چیز کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کھل کے بیان کیجئے اور مشرکین کی قطعاً پرواہ نہ کیجئے آپ کا مذاق اڑانے والوں کے لئے ہم کافی ہیں۔ رسولؐ نے حکم خدا کے تحت اور عزم بالجزم کے ساتھ علیٰ الاعلان تبلیغ شروع کی، شرک و شر پسند طاقتوں کو چیلنج کیا، کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور قریش کو آواز دی وہ آپؐ کے پاس آئے تو فرمایا:

---

1 یہ حدیث بہت سی کتابوں میں مرقوم ہے سب کی عبارتیں ملتی جلتی ہیں، تاریخ طبری ج ۲ ص ۴۰۴، سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص ۴۶۰ شرح نہج البلاغہ ج ۱۳ ص ۲۱۰، حیات محمد ص ۱۰۴، مولفہ محمد حسین ہیکل طبع اول۔

2 حجر: ۹۴و۹۵۔

''ارائیتکم ان اخبرتک ان العدو مصبحکم او ممسیکم ما کنتم تصدقوننی''[1]
اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے تمہارے دشمن نے پڑاوٴڈال رکھا ہے جو صبح ہوتے ہی تم پر ٹوٹ پڑے گا تو کیا تم میری تصدیق کروگے؟ انہوں نے کہا: ہاں! تو آپؐ نے فرمایا: فانی نذیر لکم بین یدي عذاب شدید، آگاہ ہو جاؤ میں تمہیں شدید عذاب سے ڈراتا ہوں۔ یہ سن کر ابو لہب کھڑا ہوا تاکہ آنحضرتؐ کی باتوں کی تردید کرے کہنے لگا: وائے ہو تم پر کیا تم نے ہمیں یہی کہنے کے لئے بلایا ہے؟ اس وقت خدا کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی:

(تبت یدا ابی لھب وتب)[2]
ابو لہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے۔

یہ بہت بڑا خطرہ تھا جس نے قریش کو پریشان کر دیا تھا، کیونکہ یہ ان کے تمام معتقدات کے خلاف کھلا چیلنج تھا اور انہیں رسولؐ کے حکم کی مخالفت سے ہوشیار کر دیا گیا تھا۔ نئے دین کا معاملہ اہل مکہ کے لئے واضح ہو گیا بلکہ پورے خطۂ عرب میں آشکار ہو گیا اور انہیں یہ محسوس ہوا کہ اب انسانیت کی ڈگر میں حقیقی انقلاب رونما ہونے والا ہے اب آسمانی دستورات کے مطابق انسانیت کے اقدار، معیار اور اجتماعی حیثیت بلند ہو گی۔ شر اور برائی کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائیگا، شرک و تمرد اور سرکشی کے پیشواؤں سے مقابلہ، حقیقی مقابلہ تھا، اس میں اتفاق و اشتراک کے پہلو نہیں تھے۔

اسی عہد میں کچھ عرب اور کچھ غیر عرب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، اس طرح مسلمانوں کی تعداد چالیس ہو گئی تھی اور قریش اس نوخیز تحریک کو محدود نہیں کر پا رہے تھے کیونکہ مومنوں کا تعلق مختلف قبائل سے تھا، اس لئے قریش نے ابتداء میں صلح آمیز رویہ اپنایا، ابو طالبؑ نے انہیں شائستہ طریقہ سے سمجھایا اور وہ واپس لوٹ گئے۔[3]

---

1 المناقب ج ۱ ص ۴۶، تاریخ طبری ج ۲ ص ۴۰۳۔

2 المسد، ۱

3 سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۶۴ و ۲۶۵، تاریخ طبری ج ۲ ص ۴۰۶۔

تیسری فصل

رسولؐ کے بارے میں بنی ہاشم کا موقف

ابو طالبؑ رسولؐ اور رسالت کا دفاع کرتے ہیں

رسولؐ تبلیغ رسالت سے دست بردار نہیں ہوئے بلکہ آپ کی فعالیت وکارکردگی میں وسعت پیدا ہو گئی، آپ کا اتباع کرنے والے مومنوں کی فعالیت میں بھی اضافہ ہوا، لوگوں کی نظر میں یہ نیا دین پرکشش بن گیا، اس سے قریش چراغ پا ہو گئے اور اسلام کے بڑھتے ہوئے قدم روکنے کے لئے شاز شیں کرنے لگے وہ پھر ابو طالبؑ کی خدمت میں آئے اور ایک بار پھر انہوں نے لالچ دی کہ وہ رسولؐ کو تبلیغ رسالت سے دست بردار ہو جانے اور اپنا دین چھوڑنے پر راضی کریں، جب اس سے کام نہ چلا تو انہوں نے آپ کو دھمکیاں دیں اور کہنے لگے: اے ابو طالبؑ! ہمارے درمیان آپ کا بڑا مرتبہ ہے عظیم قدر و منزلت ہے ہم نے آپ سے یہ گزارش کی تھی کہ اپنے بھتیجے کو روکئے لیکن آپ نے انہیں نہیں روکا، خدا کی قسم! اب ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے آباء واجداد کو برا کہا جائے، ہمیں بے وقوف کہا جائے اور ہمارے خداؤں کو برا کہا جائے، آپ انہیں ان باتوں سے منع کریں یا ہمیں اور انہیں چھوڑ دیں یا وہ نہیں یا ہم نہیں۔

بنی ہاشم کے سید و سردار جناب ابو طالب قریش کے محکم ارادہ کو سمجھ گئے اور یہ محسوس کیا کہ وہ میرے بھتیجے اور ان کی رسالت کو مٹا دینا چاہتے ہیں لہذا انہوں نے ایک یہ کوشش کی کہ رسولؐ نرم رویہ اختیار کریں تاکہ قریش کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے لیکن رسولؐ نے فرمایا: میں حکمِ خدا پر عمل کرتے ہوئے تبلیغ رسالت کرتا رہوں گا خواہ حالات کتنے ہی سنگین ہو جائیں خواہ انجام کچھ بھی ہو۔

''یا عم واللّٰہ لو وضعوا الشّمس فی یمینی و القمر فی شمالی علیٰ ان اترک ھذا الامر حتی یظھرہ اللّٰہ او اھلک فیہ ما ترکتہ''

اے چچا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں اور چاہیں کہ میں تبلیغ رسالت چھوڑ دوں تو میں اسے نہیں چھوڑونگا یہاں تک کہ خدا اسے کامیابی سے ہمکنار کرے یا اس میں میری جان ہی چلی جائے۔

پھر آپؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے آپؐ چلنے کے لئے کھڑے ہوئے اس صورت حال سے ابو طالبؑ کا دل بھر آیا، کیونکہ وہ اپنے بھتیجے کی صداقت و سچائی کو جانتے تھے ان پر ایمان رکھتے تھے، لہذا بھتیجے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''اذھب یابن اخی فقل ما احببت فواللّٰہ لا اسلمک لشیء ابدا''

بیٹے جاؤ! اور جیسے تمہارا دل چاہے تبلیغ کرو خدا کی قسم! میں کسی بھی چیز کے عوض تمہیں ان کے حوالے نہیں کروں گا۔

قریش اپنی سرکشی و گمراہی سے باز نہیں آئے پھر ابو طالبؑ کے پاس گئے اور انہیں رسولؐ کو چھوڑنے پر اکسانا چاہا کہنے لگے: اے ابو طالب! یہ عمارہ بن ولید قریش کا حسین و جمیل جوان ہے اسے آپ لے لیجئے یہ آپ کی مدد کرے گا۔ اسے آپ اپنا بیٹا سمجھئے اور اپنے بھتیجے کو ہمارے سپرد کر دیجئے کہ جس نے آپ کی قوم میں تفرقہ پیدا کر دیا ہے، اور انہیں بیوقوف بتاتا ہے ہم اسے قتل کر دیں گے۔ اس طرح آپ کو مرد کے بدلے مرد مل جائیگا ابو طالب نے ان کی اس ظالمانہ پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ فرمایا: تم نے بہت بری پیشکش کی ہے تم مجھے اپنا فرزند دے رہے ہو تاکہ میں تمہارے لئے اس کی پرورش کروں اور اس کے عوض میں اپنا بیٹا تمہیں دیدوں تاکہ تم اسے قتل کر دو، خدا کی قسم! یہ کبھی نہ ہوگا- ابو طالب کا یہ جواب سن کر مطعم کہنے لگا: ابو طالب! خدا کی قسم آپ کی قوم نے انصاف کی بات کہی ہے اور ان مکروہ باتوں سے بچنا چاہا ہے جسے آپ دیکھ رہے ہیں، اصل خطرہ یہ ہے کہ وہ آپ کے خلاف کوئی اقدام نہ کر بیٹھیں، ابو طالبؑ نے مطعم کو جواب دیا خدا کی قسم! تم لوگوں نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے بلکہ تم نے مجھے چھوڑنے اور مجھ پر کامیاب ہونے کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اس پر ان لوگوں نے کہا: اب آپ جو چاہیں سو کریں۔[1]

ابو طالبؑ کی ان باتوں سے قریش کو یہ یقین ہو گیا کہ وہ ابو طالبؑ کو اس بات پر راضی نہیں کر پائیں گے کہ وہ رسولؐ کو چھوڑ کر الگ ہو جائیں، دوسری طرف جب ابو طالب نے قریش کی نیت خراب دیکھی تو انہوں نے ان سے بچنے کی تدبیر سوچی تاکہ بھتیجے پر آنچ نہ آئے اور ان کی رسالت کی تبلیغ متاثر نہ ہو۔

چنانچہ انہوں نے بنی ہاشم اور اولادِ عبدالمطلب سے فرمایا کہ محمدؐ سے خبردار رہنا دیکھو ان پر آنچ نہ آئے، ابو طالب کی اس بات پر ابو لہب کے علاوہ سب نے لبیک کہا ابو طالب نے بنی ہاشم کے اس موقف کو بہت سراہا، نبیؐ کی حفاظت و حمایت کرنے کے سلسلہ میں انہیں شجاعت دلائی۔[2]

قریش کا موقف

بعثت کے چار سال پورے ہو گئے کہ اس عرصہ میں قرآن مجید کی بہت سی آیتیں نازل ہو چکی تھیں ان میں عظمتِ توحید اور خدا کی وحدانیت کی طرف دعوت، اعجاز بلاغت اور مخالفوں کے لئے دھمکیاں تھیں یہ آیتیں مومنوں کے دلوں میں راسخ اور ان کی زبان پر جاری تھیں، دور و نزدیک سے لوگ انہیں سننے کے لئے آتے تھے۔

تبلیغِ رسالت کو روکنے کے لئے قریش نے ابھی تک جتنے حربے استعمال کئے تھے وہ سب ناکام ہو چکے تھے، انہوں نے رسولؐ کو سلطنت و بادشاہت کی لالچ دینے، بے پناہ مال سے نوازنے، اپنا سردار بنانے کی پیش کش کی لیکن وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوئے تو انہوں نے تبلیغِ رسالت کو روکنے کے لئے متعدد حربے استعمال کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چونکہ فصیح و بلیغ کلام کا دلوں پر گہرا اثر ہوتا ہے اس لئے قریش نے پہلا قدم تو یہ اٹھایا کہ رسولؐ کو عام لوگوں سے نہ ملنے دیا جائے، اس طرح وہ ان کے سامنے اسلام پیش نہیں کر سکیں گے۔ اور جو لوگ مکہ میں آتے ہیں انہیں قرآن کی آیتیں نہ سننے دی جائیں، اس کے علاوہ انہوں نے آپؐ کے دعوائے نبوت کے صحیح ہونے میں شک پیدا کرنے کی کوشش کی، وہ یہ سمجھے تھے کہ رسولؐ پر یہ حالت مرض کی بنا پر طاری ہوتی ہے لہذا اس کا علاج کرایا جائے، رسولؐ نے انہیں ایسا جواب دیا جس میں ان کے لئے سراسر بھلائی، عزت و شرف اور نجات تھی۔ فرمایا:

---

1 تاریخ طبری ج ۲ ص ۴۰۹، سیرت نبویہ ج ۱ ص ۲۸۶۔

2 تاریخ طبری ج ۲ ص ۴۱۰، سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۲۶۹۔

"کلمة واحدة تقولونها تدین لکمبها العرب و تؤدی الیکم بها العجم الجزیة..."
وہ ایک بات کہہ دو جس کے ذریعہ عرب تمہارے قریب آجائیں گے اور اسی سبب غیر عرب تمہیں جزیہ دیں گے... آپ کی اس بات سے وہ ہکا بکا رہ گئے انہوں نے یہ سمجھا یہی آخری حربہ ہے، کہنے لگے: ہاں خدا آپ کا بھلا کرے۔

آپ ؐنے فرمایا کہہ دو: "لا الٰہ الا اللہ..." اس دوٹوک جواب نے انہیں رسوا کر دیا چنانچہ وہ ناک بھوں چڑھا کر اٹھ گئے۔ اور کہنے لگے:

"اجعل الاٰلهة الٰهاً واحداً ان هذا لشیء عجاب"
کیا انہوں نے سارے خداؤں کو ایک خدا قرار دیدیا ہے یہ تو عجیب بات ہے۔[1]

اب قریش نے یہ طے کیا کہ وہ رسولؐ اور ان کا اتباع کرنے والوں کی اہانت کریں گے، جن کی تعداد روز بروز بڑھتی ہی جارہی ہے، وہ ان کی دعوت کو اپنے اندر راسخ کر رہے ہیں، چنانچہ ابو لہب اور اس کی بیوی ام جمیل آپؐ کے دروازہ پر کانٹے ڈالدیتی تھی کیونکہ آپ کا گھر اس کے گھر کے پاس ہی تھا[2] ابو جہل آپؐ کو پریشان کرتا تھا، آپ ؐکو برا کہتا تھا۔ لیکن خدا ظالموں کی گھات میں ہے جب آنحضرتؐ کے چچا جناب حمزہ کو یہ معلوم ہوا کہ ابو جہل نے رسولؐ کی شان میں گستاخی کی ہے تو انہوں نے قریش کے سربرآوردہ لوگوں کے سامنے ابو جہل کو اس کی گستاخی کا جواب دیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور ان کے مجمع کو دھمکی دی کہ اب تم رسولؐ کو پریشان کر کے دکھانا۔[3]

کفر عقل کی بات نہیں سنتا

قریش نے یہ سوچا کہ ہم چالاکیوں کے باوجود محمدؐ کو تبلیغ رسالت سے باز نہیں رکھ سکے، اور وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ لوگ اسلام کی طرف آپؐ کی دعوت کو قبول کر رہے ہیں تو اس وقت قریش کے سربرآوردہ افراد کے سامنے عتبہ بن ربیعہ نے یہ بات رکھی کہ میں محمدؐ کے پاس جاتا ہوں اور انہیں دعوت اسلام سے باز رکھنے کے سلسلہ میں گفتگو کرتا ہوں۔ عتبہ آنحضرتؐ کے پاس گیا۔ اس وقت آپ مسجد الحرام میں تنہا بیٹھے تھے، عتبہ نے پہلے تو آپؐ کی تعریف کی اور قریش میں جو آپؐ کی قدر و منزلت تھی اسے سراہا پھر آپؐ کے سامنے اپنا مدعا بیان کیا نبیؐ خاموشی سے اس کی بات سنتے رہے۔ عتبہ نے کہا:

بھتیجے اگر تم اس طرح (نئے دین کی تبلیغ کے ذریعہ) مال جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ ہم میں سے اتنا مال کسی کے پاس نہ ہوگا اور اگر اس سے تمہارا مقصد عزت و شرف حاصل کرنا ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں اور تمہارے کسی حکم کی مخالفت نہیں کریں گے اور اگر تمہیں بادشاہت چاہئے تو ہم تم کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں اور اگر تم کوئی ایسی چیز دکھائی دیتی ہے کہ جس سے خود کو نہیں بچا سکتے تو ہم اپنا مال خرچ کر کے تمہارا علاج کرا دیں یہاں تک کہ تم اس سے شفا پا جاؤ۔ جب عتبہ کی بات ختم ہو گئی تو رسولؐ نے فرمایا: اے ابو ولید! کیا تمہاری بات پوری ہو گئی؟ اس نے کہا: ہاں! آپؐ نے فرمایا تو اب میری سنو! پھر آپؐ نے خداوند عالم کے اس قول کی تلاوت کی:

---

1 سیرت حلبیہ ج ۱ص ۳۰۳، تاریخ طبری ج ۲ص ۴۰۹۔
2 سیرت نبویہ ج ۱ص ۳۸۰۔
3 سیرت نبویہ ج ۱ص ۳۱۳، تاریخ طبری ج ۲ص ۴۱۶۔

(حم تنزیل من الرحمن الرحیم ، کتاب فصّلت آیاتہ قراناً عربیاً لقوم یعلمون،بشیراً و نذیراً فاعرض اکثرھم فھم لا یسمعون، قالوا قلوبنا فی اکنّۃ مما تدعوننا الیہ)[۱]

حم۔یہ رحمن رحیم خدا کی نازل کی ہوئی ہے۔اس کتاب کی آیتیں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں یہ سمجھنے والی قوم کے لئے عربی کا قرآن ہے۔اس قرآن کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر نازل کیا گیا ہے لیکن اکثریت نے اس سے روگردانی کی ہے۔کیا وہ کچھ سنتے ہی نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل ان باتوں سے پردے میں ہیں جن کی تم دعوت دے رہے ہو۔

رسولؐ آیتیں پڑھتے رہے عتبہ سنتا رہا اس نے اپنے ہاتھ پشت کی طرف کئے اور ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا، سجدہ کی آیت آئی تو رسولؐ نے سجدہ کیا پھر فرمایا: اے ابو ولید جو تم نے سنا سو سنا اب تم جانو۔

عتبہ نے کوئی جواب نہ دیا۔اپنی قوم کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا: خدا کی قسم! میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ آج تک ایسا کلام نہیں سنا تھا۔خدا کی قسم! نہ وہ کلام نہ شعر ہے۔نہ سحر ہے اور نہ کہانت ہے۔اے قریش والو! میری پیروی کرو اور اسے میرے اوپر چھوڑ دو اور اس کی تبلیغ رسالت اور اس شخص کو درگذر کرو۔

لیکن یہ مردہ دل لوگ اس بات کو کہاں قبول کرنے والے تھے۔کہنے لگے اے ابو ولید خدا کی قسم! محمدؐ نے تم پر اپنی زبان سے جادو کر دیا ہے۔عتبہ نے کہا: ان کے بارے میں یہ میری رائے ہے اب تم جو چاہو کرو۔[2]

سحر کی تہمت

قریش نے اپنے اتحاد کو برقرار رکھنے اور تبلیغ رسالت سے ٹکرانے والے اپنے محاذ کو محفوظ رکھنے اور لوگوں میں رسولؐ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو روکنے کا منصوبہ اس وقت بنایا جبکہ حج کا زمانہ قریب تھا۔قریش نے ایسا حربہ استعمال کرنے کے بارے میں غور کیا کہ جس سے ان کی بت پرستی بھی متاثر نہ ہو اور رسولؐ کے کردار کو - معاذ اللہ - داغدار بنا دیا جائے لہذا وہ سن رسیدہ و جہاں دیدہ ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہوئے لیکن ان کے درمیان اس سلسلہ میں اختلاف ہو گیا کہ رسولؐ پر کیا تہمت لگائی جائے کسی نے کہا: کاہن کہا جائے، کسی نے کہا: مجنون کہا جائے کسی نے کہا: شاعر کہا جائے کسی نے کہا جادوگر کسی نے کہا: وسوسہ کا مریض کہا جائے جب کسی نتیجہ پر نہ پہنچے تو انہوں نے ولید سے مشورہ کیا اس نے کہا:

خدا کی قسم! ان کے کلام میں چاشنی و شیرینی ہے۔ان کے کلام کی اصل مٹھاس اور اس کی فرع چنے ہوئے پھل کی مانند ہے اور ان چیزوں کو تم بھی تسلیم کرتے ہو تہمتوں سے بہتر ہے کہ تم یہ کہو کہ وہ ساحر و جادوگر ہیں،ان کے پاس ایسا جادو ہے کہ جس سے یہ باپ بیٹے میں، بھائی بھائی اور میاں بیوی میں جدائی ڈال دیتے ہیں۔ولید کی یہ بات سن کر قریش وہاں سے چلے گئے اور لوگوں کے درمیان اس ناروا تہمت کا پروپیگنڈہ کرنے لگے۔[3]

---

1 فصلت ۴۱ آیت ۱تا۵۔

2 سیرت نبویہ ج ۱ ص ۲۹۳۔

3 سیرت نبویہ ج ۱ ص ۲۷۱ و ص ۳۲۰۔

اذیت و آزار

رسولؐ اور حق کے طرف داروں کو تبلیغ رسالت سے روکنے میں کفار و مشرکین اسی طرح ناکام رہے جیسے ان کی عقلیں توحید اور ایمان کو سمجھنے میں ناکام رہی تھیں، تبلیغ رسالت کو روکنے میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی لیکن انہیں اس کے علاوہ کوئی چارہ نظر نہیں آیا کہ وہ خدا کی وحدانیت اور محمدؐ کی رسالت پر عقیدہ رکھنے والوں کو اذیت و آزار پہنچائیں اور سنگدلانہ موقف اختیار کریں چنانچہ ہر قبیلہ نے ان لوگوں کو دل کھول کر ستانا شروع کر دیا جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ انہیں قید کر دیا، زد و کوب کیا، نہ کھانا دیا نہ پانی، ان کی یہ کوشش اس لئے تھی تاکہ مسلمان اپنے دین اور خدا کی رسالت کا انکار کر دیں۔

امیہ بن خلف ٹھیک دوپہر کے وقت جناب بلال کو مکہ کی تپتی ہوئی زمین پر لٹا دیتا ہے تاکہ انہیں عبرت آموز سزا دے سکے۔ عمر بن خطاب نے اپنی کنیز کو اس لئے زد و کوب کیا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اسے مارتے مارتے عاجز ہو گئے تو کہنے لگے میں نے تجھے اس لئے چھوڑ دیا کیونکہ میں تھک گیا ہوں۔ قبیلہ مخزوم عمار یاسر اور ان کے ماں، باپ کو مکہ کی شدید گرمی میں کھینچ لائے، ادھر سے رسولؐ کا گزر ہوا تو فرمایا: صبر آآل یاسر موعدکم الجنۃ۔ یاسر کے خاندان والو! صبر سے کام لو تمہاری وعدہ گاہ جنت ہے ان لوگوں نے ان مظلوموں کو اتنی سخت سزا دی کہ جناب عمار کی والدہ سمیہ شہید ہو گئیں [1]، عالم اسلام میں یہ پہلی شہید عورت تھیں۔

اگر ہم رسولؐ، رسالت اور پیروانِ رسولؐ سے قریش کے ٹکرانے کے عام طریقوں کو بیان کرنا چاہیں تو خلاصہ کے طور پر انہیں اس طرح بیان کر سکتے ہیں:

۱۔ نبیؐ کا مضحکہ اڑانا اور لوگوں کی نظر میں آپؐ کی شان گھٹانا ان کے لئے آسان طریقہ تھا اس کام میں ولید بن مغیرہ۔ خالد کا باپ۔ عقبہ بن ابی معیط، حکم بن عاص بن امیہ اور ابوجہل پیش پیش تھے لیکن خدائی طاقت نے ان کے سارے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ قرآن کہتا ہے:

(انا کفیناک المستھزئین [۲] ولقد استھزئ برسل من قبلک فحاق بالذین سخروا منھم ما کانوا بہ یستھزؤن) [۳]

آپؐ کا مذاق اڑانے والوں کے لئے ہم کافی ہیں۔ آپؐ سے پہلے بہت سے رسولوں کا مذاق اڑایا گیا ہے، نتیجہ میں وہ مذاق، مذاق اڑانے والوں ہی کے گلے پڑ گیا۔

۲۔ نبیؐ کی اہانت، تاکہ آپؐ کمزور ہو جائیں، روایت ہے کہ مشرکین نے ایک مرتبہ آپ پر گندگی اور کوڑا الدیا اس پر آپؐ کے چچا جناب ابوطالب کو بہت غصہ آیا اور قریش کو ان کی اس حرکت کا جواب دیا اور ابوجہل کی حرکت کا جواب جناب حمزہ بن عبدالمطلب نے دیا۔

۳۔ آپؐ کو اپنا بادشاہ وہ سردار بنانے اور آپؐ کو کافی مال و دولت دینے کی پیشکش کی۔

---

1 سیرت نبویہ ج ۱ ص ۳۱۷ تا ص ۳۲۰۔

2 حجر: ۹۵۔

3 حجر: ۹۴ و ۹۵۔

۴۔ جھوٹی تہمتیں لگائیں: جھوٹا، جادو گر مجنون اور شاعر و کاہن کہا۔ ان تمام باتوں کو قرآن نے بیان کیا ہے۔

۵۔ قرآن مجید میں شک کیا، رسولؐ پر یہ تہمت لگائی کہ آپؐ خدا پر بہتان باندھتے ہیں کہ یہ قرآن خدا کا کلام ہے تو قرآن نے انہیں چیلنج کیا کہ اس کا جواب لے آؤ۔ واضح رہے کہ رسولؐ نے اپنی عمر کا بڑا حصہ انہیں کے درمیان گزارا تھا۔ قریش نے جن چیزوں کی نسبت آپ کی طرف دی تھی وہ آپؐ میں دیکھنے میں نہیں آئی تھیں۔

۶۔ آپ کی نبوت و رسالت پر ایمان لانے والے مومنوں کو ستانا اور قتل کرنا۔

۷۔ اقتصادی و سماجی بائیکاٹ۔

۸۔ رسالتمآبؐ کے قتل کا منصوبہ [1]

نبیؐ نے وہ طریقہ اختیار فرمایا جس سے رسالت اور اس کے مقاصد کی تکمیل ہوتی تھی۔

حبشہ کی طرف ہجرت

علی الاعلان تبلیغ رسالت کے دو سال بعد رسولؐ نے یہ محسوس فرمایا کہ آپؐ مسلمانوں کو ان مصائب و آلام سے نہیں بچا سکتے جو قریش کے سرکش اور بت پرستوں کے سرداروں کی طرف سے ڈھائے جاتے ہیں۔

مستضعف و کمزور مسلمانوں کے حق میں مشرکین اور ان کے سرداروں کا رویہ بہت سخت ہو گیا تھا لہذا رسولؐ نے ظلم کا نشانہ بننے والے مسلمانوں سے فرمایا کہ تم لوگ حبشہ چلے جاؤ۔

ظلم سے کچلے ہوئے مسلمانوں کو آپ سکون و آرام حاصل کرنے کی غرض سے حبشہ بھیجنا چاہتے تھے تاکہ واپس آنے کے بعد وہ اسلامی رسالت و تبلیغ میں سرگرم ہو جائیں یا جزیرہ نما عرب سے باہر قریش پر دباؤ ڈالیں اور ان سے جنگ کرنے کے لئے ایک نیا محاذ قائم کریں، اور ممکن ہے اس زمانہ میں خدا کوئی دوسری صورت پیدا کر دے۔ رسولؐ نے ہجرت کرنے والوں کو یہ خبر دی تھی حبشہ کا بادشاہ عادل ہے اس کے یہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنا قبول کر لیا چنانچہ ان میں سے بعض لوگ خفیہ طریقہ سے ساحل کی طرف روانہ ہو گئے قریش نے ان کا تعاقب کیا لیکن وہ سمندر پار جا چکے تھے؛ اس کے بعد بھی مسلمان تنہا یا اپنے خاندان کے ساتھ حبشہ جاتے رہے یہاں تک کہ حبشہ میں ان کی تعداد بچوں سے قطع نظر اسّی سے زیادہ ہو گئی، لہذا رسولؐ نے جعفر بن ابی طالبؑ کو ان کا امیر مقرر کر دیا۔ [2]

حبشہ کو ہجرت کے لئے منتخب کرنا یقیناً رسولؐ کے قائدانہ اقدامات میں سے بہترین اقدام تھا۔ رسولؐ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں آپؐ نے حبشہ کے بادشاہ کی تعریف کی ہے۔ پھر وہاں کا سفر کشتیوں کے ذریعہ ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نصرانیت سے اچھے مذہبی روابط استوار کرنا چاہتا

---

1 انفال: ۳۰۔

2 سیرت نبویہ ج ۱ ص ۳۲۱، تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۹، بحار الانوار ج ۱۸ ص ۴۱۲۔

ہے۔

مسلمانوں کے حبشہ ہجرت کرنے سے قریش کو بہت دکھ ہوا، ہجرت کے نتیجہ سے انہیں خوف لاحق ہوا انہوں نے یہ خیال کیا کہ اسلامی تبلیغ کرنے والوں کو کہیں وہاں امان نہ مل جائے لہذا قریش نے عمرو بن العاص اور عمارہ بن ولید کو حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس بھیجا اور نجاشی کے لئے ان کے ہاتھ تحفے بھیجے، اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ نجاشی انہیں اپنے ملک سے نکال دے اور ان کے سپرد کردے قریش کے ان دونوں نمائندوں نے نجاشی کے بعض سپہ سالاروں سے بھی ملاقات کی اور ان سے رسم و راہ پیدا کی اور ان سے یہ گزارش کی کہ مسلمانوں کو واپس لوٹانے میں آپ لوگ ہماری مدد کریں چنانچہ انہوں نے بھی ان کی سفارش کی مگر نجاشی نے ان کے مطالبہ کو یہ کہہ کر مسترد کردیا کہ جب تک میں تمہاری اس تہمت کے بارے میں خود مسلمانوں سے یہ معلوم نہیں کرلونگا کہ انہوں نے کیسا نیا دین بنالیا ہے اس وقت تک انہیں واپس نہیں لوٹاؤں گا۔

مسلمانوں کی بادشاہ سے اس ملاقات میں خدا کی رحمت ان کے شامل حال رہی جعفر بن ابی طالب نے ایسے دلچسپ انداز میں دین کے بارے میں گفتگو کی کہ جو نجاشی کے دل میں اتر گئی اس کے نتیجہ میں وہ مسلمانوں کی اور زیادہ حمایت کرنے لگا۔ جعفر بن ابی طالبؑ کی یہ گفتگو قریش کے نمائندوں کے سروں پر بجلی بن کر گری۔ ان کے تحفے بھی ان کے کسی کام نہ آسکے اپنے موقف میں نجاشی کے سامنے ذلیل ہوگئے اور مسلمان اپنے مسلک و موقف میں سرخ رو اور سربلند ہوگئے ان کی حجّت مضبوط تھی جس سے اس تربیت کی عظمت کا پتہ چلتا تھا جو رسولؐ نے انسان کو فکر و اعتقاد اور کردار کے لحاظ سے بلند کرنے کے لئے کی تھی چنانچہ جب قریش کے وفد نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں قرآن کا نظریہ بیان کرکے فتنہ بھڑکانے کی کوشش کی تو اس کا مسلمانوں پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ بلکہ جب نجاشی نے جعفر بن ابی طالبؑ سے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں قرآن کا نظریہ معلوم کیا تو انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق قرآن کی آیتوں کی تلاوت کی نجاشی نے ان آیتوں کو سن کر کہا: جاؤ تم لوگ امان میں ہو۔[1] جب قریش کا وفد ناکام حبشہ سے واپس لوٹ آیا تو انہیں اپنی کوششوں کے رائیگاں جانے کا یقین ہوگیا اب انہوں نے یہ طے کیا کہ وہ مکہ کے مسلمانوں کا کھانا پانی بند کردیں گے اور اجتماعی امور میں ان کا بائیکاٹ کریں گے اس سے ابوطالبؑ اور بنی ہاشم نبیؐ کی امداد سے دست بردار ہوجائیں گے۔

مقاطعہ اور بنی ہاشم

جب ابوطالبؑ نے قریش کی ہر پیشکش کو مسترد کردیا اور یہ اعلان کردیا کہ میں رسولؐ کی حمایت کرونگا چاہے انجام کچھ بھی ہو تو قریش نے ایک دستاویز لکھی جس میں بنی ہاشم کے ساتھ خرید و فروخت، نشست و برخاست اور بیاہ شادی نہ کی جانے کی بات تھی۔

یہ دستاویز قریش کے چالیس سرداروں کی طرف سے تحریر کی گئی تھی۔

جناب ابوطالب اپنے بھتیجے، بنی ہاشم اور اولادِ مطلب کو لے کر غار میں جانے پر تیار ہوگئے اور فرمایا: جب تک ہم میں سے ایک بھی زندہ ہے اس وقت تک رسولؐ پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ ابولہب قریش کے پاس چلا گیا اور اولاد مطلب کے خلاف ان کی مدد کی ان لوگوں میں سے ہر ایک غار میں داخل ہوگیا خواہ وہ مومن تھا یا کافر۔[2]

1 سیرت نبویہ ج۱ص۳۳۵، تاریخ یعقوبی ج۲ص۲۹۔

2 سیرت نبویہ ج۱ص۳۵۰، اعیان الشیعہ ج۱ص۲۳۵۔

اس زمانہ میں اگر کوئی شخص ترس کھا کر عصبیت کی بناپر بنی ہاشم کی مدد کرنا چاہتا تھا تو وہ قریش سے چھپا کر ہی کوئی چیز ان تک پہنچاتا تھا۔اس زمانہ میں بنی ہاشم اور رسولؐ نے بہت سختی برداشت کی، بھوک، تنہائی اور نفسیاتی جنگ جیسی تکلیف دہ سختیاں تھیں خدانے قریش کی اس دستاویز پر جس کو انہوں نے خانہ کعبہ میں لٹکار کھا تھا دیمک کو مسلط کر دیا چنانچہ دیمک نے باسمک اللھم کو چھوڑ کر ساری عبارت کو کھالیا۔

خدانے اپنے نبیؐ کو خبر دی کہ دستاویز کو دیمک نے کھالیا، رسولؐ نے اپنے چچا ابو طالب سے بتایا۔جناب ابو طالب رسولؐ کو لیکر مسجد الحرام میں آئے قریش نے انہیں دیکھ کر یہ خیال کیا کہ ابو طالب اب رسالت کے بارے میں اپنے موقف سے ہٹ گئے ہیں لہذا اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کرنے کے لئے آ رہے ہیں، لیکن ابو طالب نے ان سے فرمایا: میرے اس بھتیجے نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ خدانے تمہاری دستاویز پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے اور اس نے اللہ کے نام کے علاوہ ساری دستاویز کو کھالیا ہے اگر یہ قول سچا ہے تو تم اپنے غلط فیصلہ سے دست بردار ہو جاؤ اور اگر یہ (معاذ اللہ) جھوٹا ہے تو میں اسے تمہارے سپرد کر دونگا....انہوں نے کہا: تم نے ہمارے ساتھ انصاف کیا۔انہوں نے دستاویز کو کھولا تو اسے ویسا ہی پایا جیسا کہ رسولؐ نے خبر دی تھی شرم وحیا سے ان کے سر جھک گئے۔[1]

یہ بھی روایت ہے کہ قریش میں سے کچھ بزرگوں اور نوجوانوں نے بنی ہاشم سے اس قطع تعلقی پر ان کی مذمت کی اور غار میں ان پر گزرنے والی مصیبتوں کو دیکھ کر انہوں نے اس دستاویز کو پھاڑ کر پھینک دینے اور بائیکاٹ کو ختم کرنے کا عہد کیا انہوں نے اس دستاویز کو کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اسے دیمک نے کھالیا ہے۔[2]

عام الحزن

بعثت کے دسویں سال قریش شعب ابی طالبؑ سے باہر آئے اب وہ اور زیادہ سخت، تجربہ سے مالا مال اور اپنے اس مقصد کی طرف بڑھنے میں اور زیادہ سخت ہو گئے تھے کہ جس کو انہوں نے جان سے عزیز سمجھ رکھا تھا اور یہ طے کر رکھا تھا کہ ہر مشکل سے گزر جائیں گے لیکن اس مقصد کو نہیں چھوڑیں گے۔

اس اقتصادی پابندی کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو بہت شہرت ملی، اسلام جزیرہ نما عرب کے گوشہ گوشہ میں مشہور ہو گیا، رسولؐ کے سامنے بہت سی دشواریاں تھیں ان میں سے ایک یہ بھی دشواری تھی کہ مکہ سے باہر دوسرے علاقوں میں اپنے مقاصد کو سمجھایا جائے، اور دوسرے علاقوں میں محفوظ مراکز قائم کئے جائیں تاکہ وہاں سے اسلام کی تحریک آگے بڑھ سکے۔

جب ابو طالبؑ کا انتقال ہو گیا تو مکہ میں اسلام کی تبلیغ کی راہ میں بہت زیادہ دشواریاں پیش آئیں کیونکہ رسولؐ اور رسالت کا طاقتور محافظ اور رسالت کا وہ نگہبان اٹھ گیا تھا جس کی اجتماعی حیثیت تھی ان کے بعد رسولؐ کا سہارا ام المومنین جناب خدیجہؑ تھیں ان کا بھی انتقال ہو گیا چونکہ ان دونوں حوادث کی وجہ سے تبلیغ کی راہ شدید طور پر متاثر ہوئی تھی لہذا رسولؐ نے اس سال کا نام ''عام الحزن'' یعنی غم کا سال رکھا۔

---

1 تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۱، طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۷۳، سیرت نبویہ ج ۱ ص ۳۷۷۔

2 سیرت نبویہ ج ۱ ص ۳۷۵ تاریخ طبری ج ۲ ص ۴۲۳۔

''مازالت قریش کاعۃ منی حتی مات ابو طالب''[1]

جب تک ابو طالب زندہ تھے قریش میرے قریب نہیں آتے تھے۔

رسولؐ کے خلاف قریش کی جرأت اس وقت سے زیادہ بڑھ گئی تھی جب قریش میں سے کسی نے رسولؐ کے سر پر اثنائے راہ میں خاک ڈال دی تھی۔ جناب فاطمہؑ نے روتے ہوئے اس مٹی کو صاف کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

''یا بنیة لا تبکی فان اللّٰہ مانع اباک''[2]

بیٹی روؤ نہیں بیشک خدا تمہارے باپ کی حفاظت کرے گا۔

معراج

اسی عہد میں رسولؐ کو معراج ہوئی تاکہ رسولؐ مقاومت کے طویل راستہ کو طے کر سکیں اور آپؐ کی گذشتہ محنت و ثابت قدمی کی قدر کی جا سکے اور شرک و ضلالت کی طاقتوں کی طرف سے جو آپؐ نے تکلیفیں اٹھائی تھیں ان کا بھی مداویٰ ہو جائے۔ لہذا خدا آپؐ کو آسمانوں کی بلندیوں پر لے گیا تاکہ آپؐ کو وسیع کائنات میں اپنے ملک کی عظمت دکھائے اور اپنی خلقت کے اسرار سے آگاہ کرے اور نیک و بد انسان کی سرگذشت سے مطلع کرے۔

یہ رسولؐ کے اصحاب کا امتحان بھی تھا کہ وہ اس تصور و نظریہ کو کس حد تک برداشت کر سکتے ہیں کہ جس کے تحت وہ اپنے رسولؐ و قائد کے دوش بدوش ہو کر اس لئے لڑ رہے ہیں تاکہ پیغام خدا لوگوں تک پہنچ جائے اور صالح و نیک انسان وجود میں آ جائے یقیناً یہ آپؐ کے ان اصحاب کے لئے سخت امتحان تھا جن کے نفس کمزور تھے۔

قریش معراج کے بلند معنی و مفہوم کو نہیں سمجھ سکے چنانچہ جب رسولؐ نے انہیں معراج کا واقعہ بتایا تو وہ معراج کی مادی صورت، اس کے ممکن ہونے اور اس کی دلیلوں کے بارے میں سوال کرنے لگے کسی نے کہا: قافلہ ایک مہینے میں شام سے لوٹتا ہے اور ایک مہینہ میں شام جاتا ہے۔ اور محمدؐ ایک رات میں گئے بھی اور لوٹ بھی آئے؟! رسولؐ نے ان کے سامنے مسجد اقصیٰ کی تعریف و توصیف بیان کی اور یہ بتایا کہ آپؐ کا گزر ایک قافلہ والوں کی طرف سے ہوا جو اپنے گمشدہ اونٹ کو ڈھونڈ رہے تھے ان کے سامان سفر میں پانی کا ظرف تھا جو کھلا تھا آپؐ نے اسے ڈھانک دیا۔

انہوں نے دوسرے قافلہ کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا: میں اس کے پاس سے تنعیم میں گذرا تھا، آپؐ نے انہیں اس قافلہ کے اسباب اور ہیئت کے بارے میں بھی بتایا، نیز فرمایا: تمہاری طرف ایک قافلہ آ رہا ہے جو صبح تک پہنچ جائے گا۔ چنانچہ جس چیز کی آپؐ نے خبر دی تھی وہ حرف بحرف پوری ہوئی۔[3]

---

1 کشف الغمہ ج۱ ص۶۱، مستدرک حاکم ج۲ ص۶۲۲۔

2 سیرت نبویہ ج۱ ص۴۱۶، تاریخ طبری ج۲ ص۴۲۶۔

3 سیرت نبویہ ج۱ ص۳۹۶۔

چوتھی فصل

کشائش وخوشحالی ہجرت تک

طائف والوں نے اسلامی رسالت کو قبول نہیں کیا[1]

رسولؐ کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ اب قریش کی ایذار سانیوں میں روز بروز اضافہ ہوگا اور رسالت کو ختم کرنے کے لئے مشرکین کی کوششیں موقوف نہیں ہوں گی۔ ابوطالب کی رحلت سے آپ کا امن وامان ختم ہو چکا تھا دوسری طرف اسلامی رسالت کی نشرواشاعت وسیع پیمانہ پر ہونا چاہئے تھی۔ جس وقت رسولؐ، اسلام کے مبلغین کی تربیت کر رہے تھے اسی وقت ایک ایسا مرکز قائم کرنے کے لئے بھی غور کر رہے تھے کہ جس میں استقلال وخود مختاری کے نقوش واضح ہوں اور معاشرہ کا نظام ایسا ہو کہ جس میں فرد اپنی زندگی بھی گزارے اور خدا کے ساتھ اپنی صنف کے دوسرے افراد سے بھی اس کا رابطہ رہے تاکہ رفتہ رفتہ آسمانی قوانین کے مطابق اسلامی وانسانی تہذیب قائم ہو جائے۔ اس مرکز کی تشکیل کے لئے آپؐ کی نظر طائف پر پڑی جہاں قریش کے بعد عرب کا سب سے بڑا قبیلہ ''ثقیف'' آباد تھا۔ جب آپؐ تنہا، یا زید بن حارثہ یا علی بن ابی طالبؑ کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے [2] اور قبیلۂ ثقیف کے بعض شرفاء وسرداروں سے گفتگو کی اور انہیں خدا کی طرف بلایا اور ان کے سامنے وہ چیز بیان کی جس کے لئے آپؐ کو نبیؐ بنا کر بھیجا گیا تھا کہ آپؐ کی تبلیغ میں وہ مدد کریں اور آپؐ کو قریش وغیرہ سے بچائیں تو انہوں نے آپؐ کی یہ بات تسلیم نہ کی بلکہ آپؐ کا مذاق اڑاتے ہوئے ان میں سے کسی نے کہا: اگر خدا نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے تو میں خانہ کعبہ کا پردہ پھاڑ ڈالوں گا دوسرے نے کہا: اگر آپ خدا کی طرف سے رسولؐ ہیں تو میں آپ سے ہرگز کلام نہیں کروں گا کیونکہ اس صورت میں آپ کی بات کا جواب دینا خطرہ سے خالی نہیں ہے ہاں اگر آپؐ نے خدا پر بہتان باندھا ہے تو میرے لئے ضروری نہیں کہ آپؐ سے گفتگو کروں تیسرے نے کہا: کیا خدا اس سے عاجز تھا کہ تمہارے علاوہ کسی اور کو بھیج دیتا۔[3]

اس سوکھے اور سپاٹ جواب کو سن کر رسولؐ ان کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان سے یہ کہا: تمہارے اور میرے درمیان جو بھی گفتگو ہوئی ہے اس کو کسی اور سے بیان نہ کرنا کیونکہ آپ کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ یہ واقعہ قریش کو معلوم ہو اور آپؐ کے خلاف ان کی جرأت بڑھ جائے۔ لیکن ثقیف کے سرداروں نے آپؐ کی اس بات کو قبول نہ کیا بلکہ اپؐ کے خلاف اپنے لڑکوں اور غلاموں کو اکسایا تو وہ آپؐ کو برابھلا کہنے لگے آپؐ کو ڈھیلے پتھر مارنے لگے، آپؐ کے پیچھے شور مچانے لگے۔ ان لوگوں نے اتنا پتھراؤ کیا تھا کہ آپ کا جو قدم بھی پڑتا تھا وہ پتھر پر پڑتا تھا۔ بہت سے تماشائی اکٹھا ہو گئے یہاں تک کہ

---

1 آپؐ نے بعثت کے دسویں سال طائف کا سفر کیا تھا۔

2 نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۴ص۱۲۷ص ج۱۴ص۹۷۔

3 سیرت نبویہ ج۱ص۴۲۰، بحار الانوار ج۱۹ص۶ و۱۷ اور ص۲۲، اعلام الوریٰ ج۱ص۱۳۳۔

انہوں نے آپؐ کو ربیعہ کے بیٹوں، عتبہ وشیبہ کے باغ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا، وہ دونوں باغ میں موجود تھے، انہوں نے ان لوگوں کو بھگایا، آپ کے دو نوں پیروں سے خون بہہ رہا تھا آپ انگور کی بیل کے سایہ میں بیٹھ گئے اور اس طرح شکوہ کیا:

''اللّٰھم الیک اشکو ضعف قوّتي و قلّة حیلتي و ھواني علیٰ الناس یا ارحم الرحمین انت رب المستضعفین و انت ربي الیٰ من تکلني؟ الیٰ بعید یتجھمني ام الیٰ عدو ملکته امری؟ ان لم یکن بک غضب عليّ فلا ابالي ولکن عافیتک ھی اوسع لي۔''

اے اللہ! میں اپنی ناتوانی، بے سروسامانی اور اپنے تئیں لوگوں کی اہانت کی تجھ سے فریاد کرتا ہوں، اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے! عاجز و درماندہ لوگوں کا مالک تو ہی ہے۔ میرا مالک بھی تو ہی ہے، مجھے کس پر چھوڑا ہے کیا اس بندے پر جو مجھ پر تیوری چڑھائے؟ یا اس دشمن پر جو میرے کام پر پردسترسی رکھتا ہے؟ لیکن جب مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے کیونکہ تیری عطا کی ہوئی عافیت میرے لئے بہت وسیع ہے۔

رسولؐ ابھی خدا کی بارگاہ میں اسی طرح شکوہ کناں تھے کہ ایک نصرانی آپؐ کی طرف متوجہ ہوا اس نے آپ میں نبوت کی علامتیں دیکھیں۔[1]

جب رسولؐ قبیلۂ ثقیف کی نجات و بھلائی سے مایوس ہو کر طائف سے مکہ کی طرف واپس لوٹ رہے تھے اس وقت آپ کو اس بات پر بہت افسوس تھا کہ کسی نے بھی ان کی بات نہ مانی، مکہ و طائف کے درمیان آپ نخلہ میں ٹھہرے، رات میں جب نماز میں مشغول تھے، اس وقت آپ کے پاس سے جناتوں کا گذر ہوا، انہوں نے قرآن سنا آپ نماز پڑھ چکے تو وہ اپنی قوم میں واپس آئے وہ خود رسولؐ پر ایمان لا چکے تھے اب انہوں نے اپنی قوم والوں کو ڈرایا، خداوند عالم نے ان کے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے:

(و اذا صرفنا الیک نفراً من الجن یستمعون القرآن...و یجرکم من عذاب الیم)[٢]

اور جب ہم نے جنوں میں سے ایک گروہ کو آپ کی طرف پلٹایا تاکہ وہ غور سے قرآن سنیں لہذا جب وہ حاضر ہوئے تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموشی سے سنو پھر جب تلاوت تمام ہو گی تو فوراً اپنی قوم کی طرف پلٹ کر ڈرانے والے بن کر آ گئے، کہنے لگے اے قوم والو! ہم نے آیات کتاب کو سنا ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے یہ اپنی سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور حق و انصاف اور سیدھے راستے کی جانب ہدایت کرنے والی ہے، قوم والو! اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی آواز پر لبیک کہو اور اس پر ایمان لے آؤ تاکہ اللہ تمہارے گناہوں کو بخش دے اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ دے۔

مکہ میں راہ رسالت میں رکاوٹیں

رسولؐ کی تحریک ایک ترقی پذیر و تعمیری جہاد تھا۔ آپ کا قول و فعل اور حسن معاشرت؛ فطرت سلیم اور بلند اخلاق کا پتہ دیتا تھا آپ نفوس میں حق کو اجاگر کرتے تھے تاکہ انہیں زندہ کر سکیں اور انہیں فضائل کی طرف بلاتے تھے تاکہ بشریت ان سے آراستہ ہو سکے یہی وجہ ہے کہ قریش کی ایذا رسانیوں

1 طبری ج ٢ ص ٤٢٦، انساب الاشراف ج ١ ص ٢٢٧، تاریخ یعقوبی ج ٢ ص ٣٦، سیرت نبویہ ج ١ ص ٤٢٠۔

2 طبری ج ٢ ص ٣٤٦، سیرت ابن ہشام ج ٢ ص ٦٣، الطبقات الکبریٰ ص ٣١٢، ملاحظہ ہو سورۂ احقاف: ٢٩ تا ٣١۔

،ان کی سنگدلی اور طائف والوں کے ظلم وستم کے باوجود رسولؐ مایوس نہیں ہوئے بلکہ لوگوں کو دین خدا کی طرف دعوت دیتے رہے۔ خصوصاً عمرہ و حج کے زمانہ میں کیونکہ اس وقت تبلیغ کا بہترین موقعہ ملتا تھا آپ قبائل کی قیام گاہ پر جاتے اور ان سب کو دینِ خدا قبول کرنے کی دعوت دیتے اور فرماتے تھے:

''یا بنی فلان انی رسول اللّٰہ الیکم یا مرکم ان تتعبدوا الیه ولا تشرکوا به شیئاً و ان تومنوا بی و تصدقونی و تمنعونی حتی ابین عن اللّٰہ ما بعثنی به''۔[۱]

اے فلاں خاندان والو! مجھے تمہاری طرف رسولؐ بنا کر بھیجا گیا ہے۔ خدا تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم اس کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، میرے اوپر ایمان لاؤ، میری تصدیق کرو اور میری حفاظت کرتے رہو یہاں تک کہ میں تمہارے سامنے اس چیز کو کھول کر بیان کر دوں جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔

رسولؐ نے قبیلوں سے ملاقات کرنے کا سلسلہ جاری رکھا بعض نے سنگدلی سے آپ کی دعوت کو رد کر دیا اور بعض نے معذرت کر لی، کچھ لوگوں کے اندر آپؐ نے اسلام کی طرف سیاسی رجحان پایا وہ اسلام کے ذریعہ حکومت حاصل کرنا چاہتے تھے لہذا انہوں نے اسی کے مطابق کوشش کرنا شروع کی لیکن رسولؐ نے سختی سے ان کو ٹھکرا دیا اور انہیں موقعہ سے فائدہ نہیں اٹھانے دیا رسولؐ نے فرمایا: ''الامر الی اللہ یضعه حیث یشاء'' یہ معاملہ خدا کے ہاتھ ہے وہ جہاں چاہتا ہے قرار دیتا ہے۔[2]

اکثر ابولہب رسولؐ کے پیچھے پیچھے جاتا اور لوگوں کو آپؐ کی متابعت کرنے سے منع کرتا تھا اور کہتا تھا: اے فلاں خاندان والو! یہ تو بس تمہیں لات وعزی کو ٹھکرانے اور بدعت وضلالت کو قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے پس تم اس کی اطاعت نہ کرنا اور اس کی بات نہ سننا۔[3]

دوسری طرف ام جمیل عورتوں کے بیچ میں کھڑی ہوتی اور رسولؐ اور آپؐ کی تبلیغ کا مذاق اڑاتی تاکہ عورتیں آپؐ کی متابعت نہ کریں۔ نبیؐ قبائل کو اسلامی رسالت کے ذریعہ مطمئن نہیں کر سکتے تھے کیونکہ قریش کو دوسرے قبائل کے درمیان دینی اعتبار سے فوقیت حاصل تھی اور خانۂ کعبہ کی خدمت و دربانی بھی قریش ہی کے پاس تھی اور جزیرہ نما عرب کی تجارت و اقتصاد کا مرکز بھی مکہ ہی تھا پھر جن قبائل کو رسولؐ نے اسلام کی دعوت دی تھی قریش سے ان کے تعلقات اور معاہدے بھی تھے ان کے لئے ان معاہدوں اور پابندیوں کو توڑنا بہت مشکل تھا۔ پس اسلام قبول کرنے میں لوگوں کا متردد ہونا یقینی تھا اس کے باوجود قریش کو رسولؐ کی تحریک اور آپ کی تبلیغ رسالت سے خوف لاحق تھا لہذا انہوں نے ایک منصوبہ بنایا کہ ممکن ہے بت پرستوں کی عقلیں اس کو قبول کر لیں انہوں نے بالاتفاق لوگوں کے درمیان یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا کہ محمدؐ اپنے بیان کے ذریعہ جادو کر دیتا ہے اور مرد سے عورت کو بھائی کو بھائی سے جدا کر دیتا ہے لیکن جب لوگ رسولؐ سے ملاقات کرتے اور ان پر رسولؐ و رسالت کی عظمت آشکار ہوتی تھی تو قریش کا یہ پروپیگنڈہ ناکام ثابت ہوتا تھا۔[4]

---

1 سیرت نبویہ ج ۱ ص ۴۲۳، تاریخ طبری ج ۲ ص ۴۲۹، انساب الاشراف ج ۱ ص ۲۳۷۔

2 سیرت نبویہ ج ۱ ص ۴۲۴، تاریخ طبری ج ۲ ص ۴۳۱۔

3 سیرت نبویہ ج ۱ ص ۲۷۰۔

4 سیرت نبویہ ج ۱ ص ۲۷۰۔

عقبۂ اولیٰ کی بیعت

تبلیغ رسالت کے سلسلہ میں رسولؐ نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا بلکہ آپؐ مکہ میں آنے والے ہر اس شخص کو دعوت اسلام دیتے تھے جس میں بھلائی و بہتری دیکھتے یا اس کا اثر و نفوذ محسوس کرتے تھے۔ مدینہ میں دو قوی ترین قبیلوں اوس و خزرج کے درمیان مدتوں سے سیاسی و فوجی معرکہ آرائی چلی آ رہی تھی یہود اپنی خباثت و مکاری سے اس ماحول میں ان کی جنگ کو مستقل ہوا دیتے تھے تاکہ اسلامی قانون کا نفاذ نہ ہو سکے۔ یثرب سے جو لوگ حلیف بنا کر اپنی طاقت بڑھانے کے لئے مکہ آتے تھے ان میں سے بعض سے رسولؐ نے ملاقات کی اور دیکھتے ہی دیکھتے رسالت کا اثر اور نبوّت کی صداقت ان کے نفوس میں جا گزیں ہو گئی۔ ایک ملاقات میں رسولؐ نے بنی عفراء کی ایک جماعت سے گفتگو کی یہ جماعت خزرج سے منسوب تھی ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآن کے ایک حصہ کی تلاوت کی تو ان کی آنکھوں اور دلوں میں مزید آیتوں کے سننے کا اشتیاق پایا۔۔۔ رسولؐ کی گفتگو سے وہ سمجھ گئے کہ یہ وہی نبیؐ ہے کہ جس کا ذکر یہود، مشرکین سے نزاع کے وقت انہیں ڈرانے کے لئے کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ایک نبی کی بعثت ہو گی اور اس کا زمانہ قریب ہے ہم اس کا اتباع کریں گے اور پھر ہم تمہیں ارم و عاد والوں کی طرح قتل کریں گے۔[1]

ان چھ اشخاص نے اسی وقت اپنے اسلام کا اعلان کر دیا، رسولؐ کی خدمت میں عرض کی: ہم نے اپنی قوم کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ کسی قوم میں اتنی عداوت و دشمنی نہیں ہے جتنی ان کے درمیان ہے امید ہے کہ خدا آپؐ کے ذریعہ ان کے درمیان صلح کرا دے۔ ہم ان کے سامنے اسلام پیش کریں گے اور انہیں آپؐ کے دین کی طرف بلائیں گے اس دین کی طرف جو آپؐ نے ہم سے قبول کرایا ہے۔

اس کے بعد وہ یثرب کی طرف لوٹے؛ نبیؐ اور رسالت کے بارے میں آپس میں گفتگو کرتے ہوئے اور آنے والی امن و امان کی زندگی سے متعلق اظہار خیال کرنے لگے ان کے درمیان دیکھتے ہی دیکھتے اسلام کا پیغام پھیل گیا، یثرب میں کوئی گھر ایسا نہیں بچا جس میں رسول کا ذکر نہ پہنچا ہو۔[2]

دن گزرتے دیر نہیں لگتی پھر گیارہویں بعثت کو جب حج کا زمانہ آ گیا یثرب سے اوس و خزرج کا ایک وفد آیا جو بارہ افراد پر مشتمل تھا ان میں چھ افراد وہ تھے جو عقبہ اولیٰ میں خفیہ طریقہ سے رسولؐ سے ملاقات کر کے اسلام قبول کر چکے تھے۔ عقبہ وہ جگہ ہے جہاں سے یثرب والے مکہ پہنچتے ہیں۔ اس مرتبہ ان لوگوں نے یہ اعلان کیا کہ ہم نے اس بات پر رسولؐ کی بیعت کر لی ہے کہ کسی کو خدا کا شریک قرار نہیں دیں گے چوری نہیں کریں گے۔ زنا نہیں کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے اور از خود گڑھی ہوئی باتوں کے ذریعہ بہتان نہیں باندھیں گے اور نیک کاموں میں آپؐ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔[3]

رسولؐ ان پر اس سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالنا چاہتے تھے ان کے ساتھ آپؐ نے جوان مسلمان مصعب بن عمیر کو یثرب بھیجا تا کہ وہ ان کے درمیان عقائد کی تبلیغ کریں۔ عقبۂ اولیٰ کی بیعت اسی پر تمام ہوئی۔

---

1 سیرت نبویہ ج ۱ ص ۴۲۸، بحار الانوار ج ۱۹ ص ۲۵۔

2 تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۳۷ و ص ۳۸، سیرت نبویہ ج ۱ ص ۴۲۹، بحار الانوار ج ۱۹ ص ۲۳۔

3 سیرت نبویہ ج ۱ ص ۴۳۳، تاریخ طبری ج ۲ ص ۴۳۶۔

عقبہ ثانیہ

مصعب یثرب کے گلی کوچوں میں اور ان کے مجامع میں قرآن کی آیتوں کی تلاوت کرتے تھے، قرآن کے ذریعہ ان کے دلوں اور عقلوں کو جھنجھوڑتے رہے یہاں تک کہ بہت سے لوگ رسالت اسلامیہ پر ایمان لے آیئے۔

اسلام نے لوگوں کے دلوں میں رسولؐ سے ملنے کا بڑا اشتیاق پیدا کر دیا انہوں نے والہانہ انداز میں رسو ؐسے گزارش کی کہ آپؐ ہمارے یہاں تشریف لائیں۔

بعثت کے بارہویں سال جب حج کا زمانہ آیا تو یثرب سے حاجیوں کے قافلہ چلے ان میں ۷۳ مسلمان مرد اور دو عورتیں بھی تھیں رسولؐ نے ان سے یہ وعدہ کیا کہ آپؐ ان سے عقبہ میں ایام تشریق میں رات کے وقت ملاقات کریں گے؛ یثرب کے مسلمان اس وقت تک اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے۔

جب تین حصہ رات گذر گئی اور آنکھوں سے نیند اچٹ گئی تو مسلمان چھپ کر اپنے خیموں سے نکلے اور رسولؐ کے انتظار میں جمع ہو گئے رسولؐ آئے آپؐ کے ساتھ آپؐ کے اہل بیتؑ میں سے بھی کچھ لوگ تھے، سب جمع ہو گئے، ان لوگوں نے گفتگو شروع کی، پھر رسولؐ نے گفتگو کا آغاز کیا، قرآن مجید کی چند آیتوں کی تلاوت کی اس کے بعد انہیں خدا کی طرف بلایا اور اسلام کی ترغیب دلائی۔

اس بار اسلام کے ہر پہلو، اس کے احکام اور جنگ و صلح کے بارے میں صریح طور پر بیعت ہوئی؛ رسولؐ نے فرمایا:

''ابایعکم علیٰ ان تمنعونی مما تمنعون منه نسائكم و ابنائكم''

میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم ہر اس چیز سے میری حفاظت کرو گے جس سے تم اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔ اس پر ان لوگوں نے رسولؐ کی بیعت کی۔

اس موقعہ پر یثرب کے مسلمانوں کی طرف سے خدشہ کا اظہار ہوا، ابو الہیثم ابن تیہان نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! ہمارے اور یہودیوں کے درمیان کچھ معاہدے ہیں اگر ہم انہیں توڑ دیں تو کیا ایسا کرنے سے ہم گناہگار ہونگے اور اگر خدا آپؐ کو کامیاب کر دے تو کیا آپ اپنی قوم کی طرف پلٹ جائیں گے؟ اس پر رسولؐ مسکرائے اور فرمایا:

''بل الدم الدم و الهدم الهدم احارب من حاربتم و اسالم من سالمتم''[1]

بلکہ خون کا بدلہ خون اور مباح کئے ہوئے خون کا عوض مباح ہے۔ میں اس سے جنگ کرونگا جس سے تم جنگ کروگے میں اس سے صلح کرونگا جس سے تم صلح کروگے۔

اس کے بعد رسولؐ نے فرمایا: تم میں سے بارہ افراد میرے پاس آئیں تاکہ وہ اپنی قوم میں میرے نمائندے قرار پائیں چنانچہ ان میں سے نو افراد خزرج میں سے اور تین اوس میں سے نکلے ان سے رسولؐ نے فرمایا:

---

1 سیرت نبویہ ج ۱ ص ۴۳۸، تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۶۱، مناقب آل ابی طالب ج ۱ ص ۱۸۱۔

''انتم علیٰ قومکم بما فیھم کفلاء ککفالة الحواريين لعیسیٰ بن مریم و انا کفیل علیٰ قومي''[۱]

تم اپنی قوم کے درمیان ان کے معاملات کے ایسے ہی ذمہ دار وضامن ہو جیسے حضرت عیسیٰؑ کے حواری ضامن وذمہ دار تھے اور میں اپنی قوم کا ذمہ دار ہوں۔

رسولؐ نے ہر کام کے لئے حکیمانہ راہنمائی پختہ اور عمدہ تدبیر، گہری سیاسی سوجھ بوجھ سے کام لیااور اس مقصد کی طرف رسالت کو لیکر بڑھے جس کی وحیِ الٰہی نے تائید کی تھی اور بیعت کرنے والوں سے فرمایا کہ تم اپنی قیام گاہ کی طرف لوٹ جاؤ مشرکین سے نہ ٹکرانا کہ خدا نے قتال وخونریزی کا حکم نہیں دیا۔ قریش نے جب یہ محسوس کیا کہ یثرب کے مسلمان نبیؐ کی مدد کررہے ہیں تو انہوں نے اسے اپنے لئے بہت بڑا خطرہ سمجھااور وہ غیظ وغضب میں آپے سے باہر ہوگئے اور چاہا کہ نبیؐ اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہو جائیں لیکن عقبہ کے اجتماع میں جناب حمزہؓ و علیؑ پاسبان و محافظ تھے لہذا قریش ناکام واپس لوٹ گئے۔[2]

ہجرت کی تیاری

قریش غفلت سے بیدار ہو چکے تھے جبکہ مسلمانوں میں کامیابی کی امید جاگ اٹھی تھی جس کی وجہ سے مشرکوں کی طرف سے ایذا رسانی میں بھی اضافہ ہو گیااور قریش نے مسلمانوں کے ساتھ سخت وسنگدلی کا رویہ اختیار کیاان پر شدید ظلم کئے اور یہ کوشش کی کہ مسلمانوں کا شیرازہ بننے سے پہلے ہی ان کا صفایا کردیں، مسلمانوں نے رسولؐ سے اس ظالمانہ سلوک کی شکایت کی اور آنحضرت سے مکہ چھوڑنے کے لئے اجازت چاہی آپؐ نے ان سے چند روز کی مہلت طلب کی پھر فرمایا:

''لقد اخبرت بدار ھجرتکم و ھی یثرب فمن اراد الخروج فلیخرج الیھا''[۳]

مجھے تمہارے جس دار ہجرت کی خبر دی گئی ہے وہ مدینہ ہے پس جو تم میں سے مکہ چھوڑنا چاہتا ہے وہ مدینہ چلا جائے۔

دوسری روایت میں اس طرح نقل ہوا ہے: ''ان اللہ قد جعل لکم دارا تامنون بھا واخوانا''[4] بیشک خدا نے تمہارے لئے ایک جگہ مقرر کردی ہے جہاں تم امن واخوت کی زندگی گزاروگے۔

بعض مسلمانوں نے خفیہ طریقہ سے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت شروع کردی تاکہ قریش کو شک نہ ہو۔ رفتہ رفتہ مکہ کے راستوں، گھروں اور اجتماع میں رسولؐ کے اصحاب کم نظر آنے لگے خود رسولؐ، حکم خدا کے منتظر تھے اور یہ بھی چاہتے تھے کہ مسلمان صحیح وسالم ہجرت کر جائیں۔ ادھر قریش کو بھی رسولؐ کے عزم کا علم ہو گیا لہذا انہوں نے مسلمانوں کو مکہ چھوڑ کر ہجرت کرنے سے روکنے کی سعی کی اور مدینہ میں جا کر مسلمانوں کو لالچ و دھمکی کے ذریعہ مکہ لوٹانے کی کوشش کی۔

---

1 تاریخ طبری ج۲ص ۳۶۲، سیرت نبویہ ج ا ص ۳۴۳، مناقب آل ابی طالب ج ا ص ۱۸۲۔

2 تفسیر قمی ج ا ص ۲۷۲۔

3 الطبقات الکبریٰ ج ا ص ۲۲۶۔

4 مناقب آل ابی طالب ج ا ص ۱۸۲، السیرۃ النبویہ ج ا ص ۴۶۸۔

قریش مکہ میں امن برقرار رکھنا چاہتے تھے اسی وجہ سے مسلمان مہاجروں کو قتل نہیں کرتے تھے بلکہ قید میں ڈال دیتے تھے سزا دیتے تھے کیونکہ انہیں خوف تھا کہ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان جنگ ہو جائے گی۔

ہاں قریش یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ رسولؐ کی مدینہ ہجرت سے مسلمانوں کی بڑی طاقت بن جائے گی اور جب آپؐ ان سے ملحق ہو جائیں گے تو چونکہ آپ ثابت قدمی حسن رائے، قوت و شجاعت میں مشہور ہیں، اس لئے اس وقت مشرکین عام طور سے اور قریش خاص طور سے مصیبتوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔

قریش کے سرداروں نے اپنے سامنے عظیم خطرے سے نمٹنے کے لئے دار الندوہ میں جلدی سے ایک جلسہ کیا، اس میں مختلف رائیں سامنے آئیں ایک رائے یہ تھی کہ محمد کو قید کر دیا جائے، ان کے پیروں میں زنجیر ڈال دی جائے یا انہیں مکہ سے دور صحراء میں جلاوطن کر دیا جائے لیکن رسولؐ کو قتل کرنے اور ان کے خون کو قبائل میں اس طرح تقسیم کرنے والی رائے سب کو پسند آئی، کہ بنی ہاشم انتقام نہ لے سکیں [1] کیونکہ اگر انہوں نے رسولؐ کو قتل کر دیا ہوتا تو ابتداء ہی میں اسلامی رسالت کا خاتمہ ہو جاتا۔

رسولؐ کو خدا کا حکم ہوا کہ یثرب-مدینہ-ہجرت کر جائیں اس حکم کا رسولؐ کو بڑی شدت سے انتظار تھا تاکہ اس سرزمین پر پہنچ جائیں جہاں آپؐ تقوے اور آسمانی قوانین کے مطابق ایک حکومت قائم کر سکیں اور ایک صالح انسانی معاشرہ کی تشکیل کر سکیں۔

جب مشرکوں نے قتل رسولؐ کا منصوبہ بنا کر اسے آخری شکل دیدی تو امینِ وحی جبریل رسولؐ پر نازل ہوئے اور آپؐ کو مشرکوں کی اس سازش کی خبر دی جو انہوں نے آپ کے خلاف بنا رکھی تھی اور آپ کے سامنے اس آیت کی تلاوت کی :

(و اذ یمکربک الذی کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک و یمکرون و یمکر اللّٰہ و اللّٰہ خیر الماکرین) [۲]

اور اے رسولؐ! آپؐ اس وقت کو یاد کریں جب کفار آپ کو قید کرنے یا قتل کرنے یا شہر بدر کرنے کی تدبیر کر رہے تھے اور اسی کے ساتھ خدا بھی ان کی تدبیروں کے خلاف بندوبست کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

چونکہ رسولؐ کو مکمل یقین تھا کہ خدا آپؐ کی حفاظت کرے گا اور غیبی امداد آپؐ کے شاملِ حال ہو گی اس لئے آپ اپنی تحریک میں عجلت سے کام نہیں لے رہے تھے اور نہ ہی جلد بازی میں قدم اٹھا رہے تھے بلکہ آپ بہت سوچ سمجھ کر اور نہایت ہی احتیاط کے ساتھ قدم اٹھاتے تھے۔

ہجرت سے پہلے مہاجرین کے درمیان مواخات

ہجرت سے پہلے مہاجرین کے درمیان اخوت قائم کی گئی تاکہ ایک ایسا اسلامی معاشرہ وجود میں آجائے کہ جس کے افراد اسلام کے مفاد اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ایک جسم کے اعضاء کی مانند ایک دوسرے سے تعاون کریں کیونکہ مسلمانوں کے سامنے بڑی مشکلیں آنے والی تھیں جن سے گزرنے کے لئے ایک دوسرے کا تعاون اور ایک دوسرے کی مدد ضروری تھی۔

---

1 السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۴۸۰، الطبقات الکبری ج ۱ ص ۲۲۷، تفسیر العیاشی ج ۲ ص ۵۴۔

2 مناقب آل ابی طالب ج ۱ ص ۱۸۲ تا ۱۸۳، انفال: ۳۰، ۸۔

رسولؐ نے گویااس طرح اپنی ہجرت کاآغاز کیاکہ مہاجرین کے درمیان ایمانی اور خدائی رشتہ کی بناپر اخوت قائم کی اور مالی مدد کرنے میں بھی انہیں ایک دوسرے کا بھائی بنادیااس طرح وہ نفسی نفسی کو چھوڑ کر ایک مضبوط و محکم معاشرہ تشکیل دیں چنانچہ رسولؐ نے ابو بکر کو عمر کا، حمزہ کو زید بن حارثہ کا، زبیر کوابن مسعود کااور عبید بن حارث کو بلال کا بھائی بنادیا۔

اور علی کو خود اپنا بھائی بنایااور حضرت علیؑ سے فرمایا: کیاتم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ میں تمہارا بھائی بن جاؤں؟ حضرت علیؑ نے عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ میں اس سے خوش ہوں۔اس وقت آپؐ نے فرمایا: اے علیؑ تم دنیاوآخرت میں میرے بھائی ہو۔[1]

1 سیرت حلبیہ ج۲ص ۲۰، مستدرک حاکم ج۳ص ۱۴۔

چوتھا باب

پہلی فصل

اوّلین اسلامی حکومت کی تشکیل

دوسری فصل

نئی حکومت کا دفاع

تیسری فصل

مشرک طاقتوں کا اتحاد اور خدائی جواب

پہلی فصل

اوّلین اسلامی حکومت کی تشکیل

ا۔ مدینہ کی طرف ہجرت

رسالت کی تحریک کی تکمیل اور نبوت کے خدائی اغراض و مقاصد کی تشکیل کے لئے ضروری تھا کہ معاشرہ کے افراد کی مدد کی جائے اور انہیں عقیدہ کے یقین مطلق سے سرشار کر دیا جائے تاکہ عقیدے کے سامنے وہ خود کو بھول جانے اور ہلاکتوں سے بچتے ہوئے ہمیشہ قربانی دینے کے لئے تیار رہیں۔

ان افراد میں علیؑ بن ابی طالبؑ ایک فولادی انسان تھے کہ جن سے رسولؐ نے فرمایا تھا: اے علیؑ! قریش نے میرے خلاف سازش کی ہے وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں اور مجھ پر میرے رب کی طرف سے وحی ہوئی ہے کہ میں ایک قوم کی طرف ہجرت کر جاؤں، پس تم میرے بستر پر سو جاؤ اور میری سبز چادر اوڑھ لو تاکہ تمہارے سونے سے انہیں یہ نہ معلوم ہو کہ میں چلا گیا، بتاؤ تم کیا کہو گے اور کیا کرو گے؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: اے اللہ کے رسولؐ کیا میرے سو جانے سے آپؐ محفوظ رہیں گے؟

رسولؐ نے فرمایا: ہاں جب اللہ کے رسولؐ نے علیؑ کو اپنے محفوظ و سلامت رہنے کی خبر دی تو علیؑ خوش ہوئے، مسکرائے، شکرِ خدا کرنے کے لئے سجدہ میں گئے اور پھر فرمایا: میری بصارت و سماعت اور دل آپ پر قربان جو آپؐ کو حکم دیا گیا ہے اسے کر گذریے۔[1]

رسولؐ اپنے بستر پر حضرت علیؑ کو لٹا کر نصف شب میں رحمت و حصارِ ایزدی کے سایہ میں ان مشرکوں کو چیرتے ہوئے نکل گئے جو آپؐ کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔

جب صبح کے وقت خدا کے دشمن خون آشام شمشیر برہنہ لئے ہوئے رسولؐ کے گھر میں داخل ہوئے تو ان کی ساری تمنائیں خاک میں مل گئیں۔ ان کے چہروں سے دشمنی کے آثار نمایاں تھے۔ خالد بن ولید ان میں پیش پیش تھا۔ حضرت علیؑ بے نظیر شجاعت کے ساتھ اپنے بستر سے اٹھے تو خانہ رسولؐ میں داخل ہونے والے الٹے پاؤں لوٹے وہ حیرت و دہشت میں ڈوب گئے، وہ دیکھ رہے تھے کہ خدا نے ان کی کوششوں کو ناکام کر کے اپنے نبیؐ کو بچا لیا ہے۔ قریش نے اپنی ضائع شدہ ہیبت کو پلٹانے کے لئے ہر قسم کا حربہ استعمال کیا تاکہ محمدؐ ہاتھ آ جائیں۔ چنانچہ انہوں نے جاسوس چھوڑے، آپؐ کی تلاش میں انہوں نے عام اور غیر معروف راستوں کو چھان ڈالا یہاں تک کہ انہوں نے یہ اعلان کیا کہ جو بھی محمدؐ کو زندہ یا مردہ لائے گا اسے سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ ایک ماہر راہنما نے آپؐ کے نقش قدم کو ڈھونڈ کر انہیں غار ثور تک پہنچا دیا۔ رسولؐ ابو بکر کے ساتھ اسی غار میں چھپے ہوئے تھے۔ اس کے بعد

---

1 سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۲۰، مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۴۔

اسے آپؐ کے نقش قدم نظر نہ آئے تو اس نے کہا: محمد اور ان کے ساتھی یہاں سے آگے نہیں بڑھے، یا تو آسمان پر پہنچ گئے یا زمین میں اتر گئے۔ ادھر غار میں ابو بکر پر شدید خوف طاری تھا وہ قریش کی یہ آواز سن رہے تھے: اے محمد! نکلو ابو بکر ان کے بڑھتے ہوئے قدم دیکھ رہے تھے اور رسولؐ انہیں سمجھا رہے تھے: (لا تحزن ان اللہ معنا) ڈرو نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے۔

قریش واپس لوٹ گئے وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ محمدؐ غار میں موجود ہیں کیونکہ انہوں نے غار کے دہانے پر مکڑی کا جالا اور کبوتر کا آشیانہ دیکھا تھا کہ جس میں اس نے انڈے دے رکھے تھے۔

شام کے وقت حضرت علی اور ہند بن ابی ہالہ نے آپؐ سے ملاقات کی۔ انہیں معلوم تھا کہ آپؐ فلاں غار میں ہیں رسولؐ نے حضرت علیؑ سے کچھ ایسی چیزوں کی نشاندہی فرمائی جن کی حفاظت آپؐ کے ذمہ تھی اور جو امانتیں آپؐ کے پاس تھیں ان کو ادا کرنے کا حکم دیا۔ عرب کی امانتیں رسولؐ ہی کے پاس رکھی جاتی تھیں اور ان کو یہ حکم دیا کہ اپنے اور خواتین خاندان کے لئے سواریاں خریدیں اور میرے پاس آجائیں پھر اطمینان کے ساتھ فرمایا:

"انّھم لن یصلوا من الآن الیک یا علی بامر تکرھہ حتی تقدم علی فادامانتی علیٰ اعین الناس ظاہرا ثم انی مستخلف علی فاطمۃ ابنتی و مستخلف ربی علیکما و مستحفظہ فیکما"۔ [1]

اے علیؑ وہ اس وقت تک تمہارے ساتھ کوئی ناروا سلوک نہیں کریں گے یہاں تک کہ تم میرے پاس پہنچ جاؤ گے۔ اے علیؑ! لوگوں کی امانتوں کو سب کے سامنے واپس کرنا میں تمہیں اپنی بیٹی فاطمہ کا محافظ و نگہبان اور تم دونوں کا محافظ و نگہبان خدا کو قرار دیتا ہوں۔

تین روز کے بعد رسولؐ کو یہ اطمینان ہو گیا کہ لوگ آپؐ کو ڈھونڈنے سے مایوس ہو گئے ہیں تو غار سے باہر نکلے اور مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور خدا کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے کسی تکان کی پروا نہ کی۔

جب آپ قبا کے علاقہ میں پہنچے تو وہاں حضرت علی بن ابی طالب اور خواتین خاندان کی آمد کے انتظار میں چند دن گذارے تاکہ سب ایک ساتھ یثرب میں داخل ہوں جس وقت رسولؐ کے ساتھی آپؐ کو قبا میں چھوڑ کر یثرب پہونچے تو اس وقت یثرب میں نبیؐ کی آمد کی وجہ سے خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

حضرت علیؑ راستہ کی مشقت و خطرات سے تھک کر نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسولؐ نے آپ کو گلے سے لگایا اور آپ کی حالت دیکھ کر رونے لگے۔[2] اصل میں قریش کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ علی خواتین کو لیکر جا رہے ہیں تو انہوں نے ان کا تعاقب کیا تھا جس سے خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ چند روز رسولؐ خدا نے قبا ہی میں قیام کیا، سب سے پہلا کام آپؐ نے یہ کیا کہ بتوں کو توڑا[3] پھر مسجد تعمیر کی۔ اس کے بعد جمعہ کے روز آپ وہاں سے روانہ ہوئے وادی رانوناء میں پہنچے تو نماز ظہر کا وقت ہو گیا عالم اسلام میں یہ سب سے پہلی نماز جمعہ تھی۔ یثرب کے مسلمان اپنے اسلحوں اور آرائش کے ساتھ رسولؐ کے استقبال کے لئے نکلے آپؐ کی سواری کو اپنے حلقہ میں لے لیا ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ رسولؐ اس کے علاقہ میں داخل ہوں اور اس ذات گرامی کی پہلے وہ زیارت کرے جس پر وہ ایمان لایا ہے اور جس سے وہ محبت کرتا ہے۔[4]

---

1 اعیان الشیعہ ج ا ص ۲۳۷۔

2 تاریخ کامل ج ۲ ص ۱۰۶۔

3 البدء والتاریخ ج ۴ ص ۱۷۶ تا ص ۱۷۷۔

4 رسولؐ ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ میں وارد ہوئے۔

جس مسلمان کے گھر کی طرف سے رسولؐ کا گزر ہوتا تھا وہی آپؐ کے ناقہ کی مہار پکڑ لیتا تھا اور اپنے یہاں قیام کرنے کی درخواست کرتا تھا لیکن رسولؐ مسکراتے ہوئے ہر ایک سے یہی فرماتے تھے میرے ناقہ کا راستہ چھوڑ دو یہ خود مامور ہے۔

آخر میں آپ کا ناقہ ابو ایوب انصاری کے گھر کے سامنے اس سر زمین پر بیٹھا جو بنی نجار کے دو یتیموں کی تھی ابو ایوب انصاری کی زوجہ نے رسولؐ کے اسباب سفر کو اپنے گھر میں رکھ لیا۔ رسولؐ انہیں کے گھر میں رہے یہاں تک کہ مسجد نبویؐ اور آپؐ کے گھر کی تعمیر مکمل ہو گئی۔[1]

یثرب کا نام بدل کر رسولؐ نے طیبہ رکھا آپؐ کی ہجرت کو اسلامی تاریخ کا مبداء آغاز سمجھا جاتا ہے۔[2]

۲۔ مسجد کی تعمیر

یقیناً رسولؐ مسلمانوں کے ساتھ اس انفرادیت کے دائرہ سے نکل گئے اور مدینہ پہنچنے پر آپؐ نے ایک ایسی حکومت قائم کرنے کا منصوبہ بنایا جو آسمانی قوانین اور شریعت اسلامیہ کے حکم کے مطابق چلے اور جس کے نتیجہ میں اسلامی تہذیب وجود میں آجائے جو اس حکومت کے بعد پوری انسانیت کو فیضیاب کرے۔

اسلامی حکومت کی تشکیل میں اس سے پہلے کا نظام بہت بڑی رکاوٹ تھا جزیرہ نما عرب کے معاشرہ پر یہی غالب تھا دوسری طرف مسلمانوں کی کمزوری کا صحیح معنوں میں علاج بھی ضروری تھا۔ مسجد کی تعمیر اس لئے بھی ضروری تھی تاکہ مسجد سے متعدد اہم سرگرمیوں کا آغاز کیا جائے اور یہ اس مرکزی خود مختار کمیٹی کا مرکز قرار پائے جس کے ذریعہ حکومت کے امور انجام پذیر ہوناہیں۔ مسجد کے لئے زمین کا تعین ہو گیا مسجد کے تعمیری کاموں کو مسلمانوں نے بڑے شوق و ہمت سے انجام دیا۔ اور اپنے نمونہ و اسوہ اور کاموں کے ذریعہ مسلمانوں کی طاقت کو حرکت میں لانے والا رسولؐ خود مسجد کے تعمیری کاموں کو انجام دینے میں شریک تھا وہ خود پتھر اٹھا کر لاتے تھے ایک بار آپؐ ایک پتھر اٹھائے ہوئے لا رہے تھے کہ اسید بن حضیر نے دیکھ لیا عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ! یہ پتھر آپؐ مجھے دے دیجئے میں لے جاؤنگا آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ تم دوسرا اٹھالاؤ۔

مسجد کے ساتھ ہی رسولؐ اور آپؐ کے اہل بیت کا گھر بھی بن گیا۔ آپؐ کا گھر پُر تکلف نہیں تھا بلکہ ان کی زندگی کی مانند سادہ تھا۔ اس موقع پر رسولؐ نے ان ناداروں کو فراموش نہیں کیا کہ جن کا کوئی گھر نہیں تھا اور انہوں نے آپؐ کے پاس پناہ لے رکھی تھی بلکہ مسجد کے ایک گوشہ میں ان کے لئے بھی ایک مکان بنا دیا۔[3]

اس طرح مسجد مسلمانوں کے انفرادی و اجتماعی اور عبادی حیات بخش امور کی انجام دہی کا مرکز بن گئی۔

---

1 سیرت نبویہ ج ا ص ۴۹۴۔

2 مقدمۂ ابن خلدون ص ۳۸۳ تاج العروس ج ۲ ص ۸۵۔

3 بحار الانوار ج ۱۹ ص ۱۱۲، سیرت نبویہ ج ا ص ۴۹۶۔

۳۔ مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات

نئی حکومت کی تشکیل اور پہلے نظام کو ختم کرنے کے لئے کسی قبیلہ سے تعرض کئے بغیر ایک اور قدم اٹھایا جس سے آپسی محبت اور ایمان کی حرارت وجود میں آئی آپسی محبت اور حرارتِ ایمان مسلمانوں سے وجود میں آئی تھی پس رسولؐ نے خاندانی اور خونی رشتہ سے آگے بڑھکر عقیدہ اور دین کو لوگوں کے رابطہ کی بنیاد قرار دیا اور فرمایا: ''تاخوافی اللہ اخوین اخوین'' تم راہِ خدا میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ پھر آپؐ نے حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: ''ھذا اخی''[1] یہ میرے بھائی ہیں، اس طرح انصار میں سے ہر ایک نے مہاجرین میں سے ایک ایک کو اپنا بھائی بنالیا اور اسے امور زندگی میں اپنا شریک بنا لیا اس طرح مدینہ نے اپنی تاریخ کا صفحہ پلٹ دیا کیونکہ ابھی تک مدینہ میں اوس وخزرج کے درمیان جنگ ہوتی رہتی تھی جسے یہود اپنی خباثت اور منافقت سے ہوا دیتے رہتے تھے، اب دنیا میں ترقی پذیر حیات انسانی کے عہد نو کا آغاز ہوا اور وہ اس طرح کہ رسولؐ نے امت کی بقا اور اس کی ایمانی سرگرمی کا بیج بو دیا۔

مسلمانوں کے بھائی بھائی بننے کے نتائج

اقتصادی پہلو

۱۔ مہاجرین کی عائلی زندگی کو اقتصادی لحاظ سے بہتر بنایا تاکہ وہ اپنی طبعی زندگی کو جاری رکھ سکیں۔

۲۔ فقر وناداری کو ختم کرنے کے لئے طبقاتی امتیازات کو ختم کیا۔

۳۔ غیر شرعی وناجائز دولت سے دور رہتے ہوئے اقتصادی استقلال کے لئے کوشش کی تاکہ سود خور یہودیوں کے ہاتھ کٹ جائیں۔

۴۔ آمدنی کے ذرائع پیدا کرنا۔ کھیتی کے ساتھ تجارتی میدان میں سرگرم عمل رہنا اور مہاجرین وانصار کے افکار اور ان کی کوششوں کے سایہ میں مدینہ کے حالات کے مطابق بھرپور فائدہ اٹھانا۔

اجتماعی پہلو

۱۔ معاشرہ میں موجود ہلاکت خیز اجتماعی امراض کو ختم کیا اور پہلے سے چلے آرہے لڑائی جھگڑوں کی جگہ محبت ومودت کی روح پھونکی تاکہ تمام فاصلے اور رخنے ختم ہو جائیں اور اسلام کے خلاف سازش کرنے والے ان سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں اور آئندہ کے مراحل میں اسلام کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی جا سکے۔

۲۔ پہلے نظام کو لغو کرکے اس کی جگہ روزمرہ کے معاملات میں اسلامی نظام واقدار کو نافذ کیا۔

۳۔ مسلمانوں کو باطنی طور پر آمادہ کیا اور اسلامی رسالت کی نشر واشاعت کے لئے انہیں ایثار وقربانی کی تربیت دی۔

---

1 سیرت نبوی ج ۱ ص ۵۰۴۔

سیاسی پہلو

۱۔ مسلمانوں کا ایک ایسا متحدہ محاذ قائم کیا جو رسولؐ ورسالت کے احکام پر ایک فرد کی طرح لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھتا رہے وہ بھی ایسے حالات میں کہ جب مختلف سمتوں سے مخالفت اور سازشوں کا سلسلہ جاری تھا۔

۲۔ انصار ومہاجرین کے درمیان تنظیمی علوم واخبار، استقامت وثبات کے وسائل، ایمانی تجربہ اور تحرک کے طریقوں کی ترویج کی کیونکہ انصار، مہاجرین کے تجربوں اوران آزمائشوں سے واقف نہیں تھے جن کا انہیں سامنا نہیں ہوا تھا۔

۳۔ حکومت کی تشکیل اور اس کے ادارتی ڈھانچے کے لئے پہلے قدم کے طور پر افراد کی تعلیم وتربیت کی۔

۴۔ مسلمانوں میں اسلام کے اقدار کے مطابق نسلی وخاندانی حمیت سے الگ رہتے ہوئے اپنے اندر دفاع کی روح پھونکی۔

۴۔ معاہدۂ مدینہ

مسلمانوں کو جنگ وجدال کی حالت سے نکال کر تعمیری اور شریعت اسلامیہ کے مطابق ڈھالنے کے لئے ضروری تھا کہ امن وسکون کی فضا قائم ہو-خواہ یہ امن وسکون نسبی ہی ہو-اس لئے خلفشار ونزاع، عام لوگوں میں انتشار کا سبب تھا۔

یثرب میں بہت سی طاقتیں مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کے درپے تھیں، اقتصادی اور سیاسی جوڑ توڑ کے لحاظ سے یہودی بہت مضبوط تھے اگرچہ ان کی تعداد قابل اعتناء نہیں تھی۔ دوسری طاقت مشرکوں کی تھی اگرچہ رسولؐ اور مہاجرین کے آجانے سے ان کی طاقت کم ہوگئی تھی لیکن ان کا بالکل صفایا نہیں ہوا تھا لہذا نبیؐ نے ان سے شائستہ طریقہ سے مقابلہ کیا۔

نبیؐ کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ آپ منافقوں پر نظر رکھیں۔

مدینہ کے باہر قریش اور دوسرے مشرک قبیلے نئے اسلامی نظام کے لئے حقیقی خطرہ بنے ہوئے تھے رسولؐ کے لئے لازمی تھا کہ آپؐ ان سے مقابلہ اور ان کے شر کو دفع کرنے کے لئے تیار رہیں۔

یہاں رسولؐ کی عظمت اور متعدد طاقتوں سے مقابلہ کرنے کے لئے آپ کی سیاسی بصیرت آشکار ہوئی۔ اسی کے ساتھ آپؐ دوسروں کے ساتھ نیکی سے پیش آئے اور انہیں امن سلامتی، صلح وآشتی کی دعوت دی۔

ایک ایسی حکومت کی تشکیل کے لئے آپؐ نے یہودیوں سے صلح وتعاون کا معاہدہ کیا جس کے مدارالمہام آپؐ ہی تھے اور آپ ہی کے ذریعہ انسانی حقوق ہر ایک کو مساوی طور پر ملتے تھے۔

اس معاہدہ کو اس حکومتِ اسلامی کی تشکیل کا اولین دستور کہا جا سکتا ہے جو پہلے شہر مدینہ میں قائم ہوئی اور پھر عرب معاشرہ میں پھیل گئی اس کے بعد پوری دنیا میں نافذ ہوگئی۔ یہ معاہدہ درج ذیل اہم چیزوں پر مشتمل تھا:

۱۔ مسلمان معاشرہ کی تشکیل اور ہر مسلمان کو اس کی قوت ارتقاء کا احساس دلایا۔

۲۔ حکومت پر دباؤ کو کم کرنے کے لئے پہلے معاشرے میں اصلاح کر کے اور اس کی بعض اجتماعی سر گرمیوں میں شرکت اور کچھ مسائل کے حل کے لئے اس سے مدد لے کر اسے باقی رکھا۔

۳۔ عقیدہ کی آزادی، یہودیوں کو اپنے دین و مذہب پر باقی رہنے اور تہوار منانے کی اجازت ہے وہ نئی اسلامی حکومت میں اقلیت کے عنوان سے رہیں گے۔

۴۔ مدینہ کو جائے امن قرار دیا جائے گا اور وہاں امن وامان برقرار رکھا جائے گا۔ مدینہ میں قتل وخونریزی جائز نہیں ہو گی۔

۵۔ اسلامی حکومت و نظام کی زمام اور لڑائی جھگڑوں کے فیصلوں کا اختیار صرف رسولؐ کو ہو گا۔

۶۔ سیاسی سوسائٹی کی توسیع، وہ اس طرح کہ مسلمان اور یہودی ایک سیاسی نظام کے تحت زندگی گذاریں گے اور دونوں اس نظام کا دفاع کریں گے۔

۷۔ مسلمان معاشرہ کے افراد کے درمیان تعاون کے جذبہ کو فروغ دیا جائے گا تاکہ وہ ہر قسم کے بحران سے محفوظ رہے۔

۵۔ مدینہ میں قیام اور نفاق

رسولؐ نے مسلمان معاشرہ کی تشکیل کو اہمیت دی اور ہر مسلمان پر ہجرت کو واجب قرار دیا سوائے معذور افراد کے۔ یہ اس لئے کیا تھا کہ تمام طاقتوں اور صلاحتیوں کو مدینہ میں جمع کر لیا جائے۔

اس عہدِ نو میں مدینہ امن وامان کی زندگی سے مالا مال تھا۔ مسلمانوں کی ساری طاقتوں کے یکجا ہو جانے سے وہ ساری طاقتیں خوف زدہ تھیں جنھوں نے پہلے رسولؐ کی دعوت کا انکار کر دیا تھا اور اس دعوت کا عقیدہ رکھنے والوں کو دھمکی دی تھی آج ایسا نظام بن گیا جو انسان کو فضائل و کمالات کی طرف بڑھانے والا تھا۔ اب انہیں تبلیغِ رسالت سے کوئی بھی نہیں روک سکتا تھا، چنانچہ بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا، بعض اسلامی رسالت سے دور رہے یا آپؐ سے مصالحت کر لی۔

دوسری طرف رسولؐ، منافقین کی تحریک اور یہود کی کینہ توزی پر مبنی ان ریشہ دوانیوں پر نظر رکھے ہوئے تھے کہ جس کے ذریعے وہ مسلمانوں میں تفرقہ اندازی کر کے اسلام کے نئے نظام کو برباد کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ مدینہ کے ہر گھر میں اسلام داخل ہو گیا[1] اور اجتماعی نظام اسلام کے حکم اور رسولؐ کی قیادت کے تحت آ گیا۔ اسی زمانہ میں زکات، روزہ، حدود کے احکام فرض ہوئے اسی طرح نماز کے لئے اذان واقامت کا حکم آیا۔ اس سے پہلے رسولؐ نے ایک منادی کو مقرر کر رکھا تھا جو نماز کے وقت ندا دیتا تھا۔ رسولؐ پر وحی نازل ہوئی کہ انہیں اذان کے کلمات تعلیم دیجئے[2] رسولؐ نے جناب بلال کو بلایا اور انہیں اذان کی تعلیم دی۔

---

1 سیرت نبویہ ج ۱ ص ۵۰۰۔

2 کافی ج ۱ ص ۸۳، تہذیب الاحکام ج ۱ ص ۲۱۵۔

۶۔ تحویلِ قبلہ

جب تک رسولؐ مکہ میں تھے تو بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے تھے ہجرت کے بعد بھی آپؐ سترہ ماہ تک بیت المقدس ہی کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے تھے اس کے بعد خدا نے آپؐ کو یہ حکم دیا کہ کعبہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھیں۔

دین اسلام سے یہودیوں کی دشمنی اور زیادہ بڑھ گئی وہ رسولؐ اور رسالت کا مذاق اڑانے لگے پہلے تو وہ یہ فخر کرتے تھے کہ مسلمان یہودیوں کے قبلہ کی طرف رخ کرتے ہیں، اس سے رسولؐ کو تکلیف ہوتی تھی لہذا تحویلِ قبلہ کے سلسلہ میں رسولؐ کو وحی کا انتظار تھا ایک رات کا واقعہ ہے کہ رسولؐ گھر سے نکلے اور آسمان کی وسعتوں کا جائزہ لیتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی، ظہر کا وقت آیا تو آپؐ مسجد بنی سالم میں نمازِ ظہر میں مصروف ہوئے دو رکعت پڑھ چکے تھے کہ جبریل نازل ہوئے اور آپؐ کے دونوں شانوں کو پکڑ کر کعبہ کی طرف موڑ دیا اور آپؐ کو خدا کا یہ قول سنایا:

(قد نریٰ تقلب وجهک فی السّماء فلنولّینّک قبلةً ترضاها فولِّ وجهک شطر المسجد الحرام)[1]

ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی توجہ آسمان کی طرف ہے تو ہم آپ کا رخ اس قبلہ کی طرف موڑ دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں لہذا اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف موڑ لیجئے۔

تحویل قبلہ ایک لحاظ سے مسلمانوں کا بھی امتحان تھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ حکم رسولؐ کی کس حد تک اطاعت کرتے ہیں اور دوسری طرف یہودیوں کے عناد و استہزاء کے لئے چیلنج تھا اور ان کے مکر کا جواب تھا اور ایک مسلمان کے لئے یہ نیا راستہ تھا۔

۷۔ فوجی کارروائیوں کی ابتداء

طاقت ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ لوگوں پر حکومت کی جاتی ہے اور اسی کے وسیلہ سے ان کی قیادت کی جاتی ہے۔ انہیں حالات میں- جب رسولؐ مدینہ میں مقیم ہوگئے تو- آپؐ نے اور مسلمانوں نے یہ طے کیا کہ جزیرہ نما عرب بلکہ اس کے باہر کی طاقتوں- جیسے روم و فارس- کو یہ جتا دیا جائے کہ تبلیغ رسالت اور آسمانی قوانین کے مطابق ایک تہذیب قائم کرنے کے لئے جد و جہد کا سلسلہ جاری رہے گا ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ کوئی دوسرا اس کام کو انجام نہیں دے سکتا تھا کیونکہ ان کا ایک محکم عقیدہ تھا اور ان کی ایک آزاد فکر تھی وہ حق و عدل کے طالب تھے وہ امن و امان قائم کرنے والے اور صاحب شمشیر و مرد میدان تھے۔

رسولؐ کو یہ اندیشہ تھا کہ قریش اور آپؐ سے عداوت رکھنے والے، مسلمانوں کو تباہ کرنے کی کوشش کریں گے خواہ کچھ مدت کے بعد ہی کریں۔ چنانچہ آپؐ نے عقبہ ثانیہ کی بیعت میں انصار سے یہ مطالبہ کیا کہ اگر قریش ظلم و تعدی کریں یا رسولؐ اور مسلمانوں پر چڑھائی کریں تو تمہیں میری مدد کرنا ہوگی۔ مکہ میں مسلمانوں کی ملکیت ضبط کرلی گئی تھی اور ان کے گھروں کو لوٹ لیا گیا تھا۔ رسولؐ اور مسلمانوں- خصوصاً مہاجرین- کی یہی خواہش تھی کہ قریش اپنی خوشی سے اسلام میں داخل ہو جائیں یا کم از کم انہیں ان کی گمراہی پر نہ چلنے دیا جائے۔

---

1 بقرہ: ۱۴۴۔

اسی بناپر رسولؐ نے چھوٹے چھوٹے دستے بھیجے تاکہ وہ اپنی خود مختاری (مستقل وجود) اور کسی کی تابعداری نہ کرنے کا اعلان کریں جب ہم ان دستوں کے افراد کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے وہ صرف ساٹھ آدمی تھے اور سب مہاجر تھے ان میں وہ انصار شامل نہیں تھے جنھوں نے رسولؐ کی مدد اور آپؐ کی طرف سے جنگ کرنے کے لئے بیعت کی تھی، یہ لوگ جنگ کے طلبگار بھی نہیں تھے یہ دستے صرف قریش پر اقتصادی دباؤ ڈالنے کا وسیلہ تھے [1] ہو سکتا ہے اس طرح وہ کھلے کان اور دل سے حق کی آواز سن لیں یا مسلمانوں سے صلح کر لیں اور ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں تاکہ دوسرے علاقوں میں بھی اسلام پھیل جائے۔ اسی کے ساتھ یہود ہجرت کے سات ماہ بعد پہلا دستہ روانہ ہوا، اس میں تیس مرد شامل تھے اور اس کی قیادت رسولؐ کے چچا جناب حمزہ کر رہے تھے۔ اس کے بعد دوسرا دستہ عبیدہ بن حارث کی سرکردگی میں روانہ ہوا، تیسرا دستہ سعد بن ابی وقاص کی قیادت میں روانہ ہوا۔ ۲ھ میں رسولؐ قریش کے قافلہ کو روکنے کے لئے ایک دستہ کے ساتھ روانہ ہوئے لیکن ابواء و بواط کی طرف آپؐ کے سفر سے طرفین میں ٹکراؤ نہیں ہوا۔ اسی لئے آپؐ نے ذوالعشیرۂ بنی مدلج اور ان کے حلیفوں سے بھی صلح کا معاہدہ کیا۔

رسولؐ اپنے اوپر اعتماد کو محفوظ رکھنے اور ظلم و تعدی کرنے والوں کو درس عبرت دینے کے لئے چلے کیونکہ کرز بن جابر فہری مدینہ کے اطراف سے (اہل مدینہ کے) اونٹ اور مویشی پکڑ کر لے گیا تھا۔ رسولؐ نے زید بن حارثہ کو مدینہ میں چھوڑا اور خود اس کے تعاقب میں نکلے۔[2] رسولؐ نے اپنی فوجی تحریک سے یہ واضح کر دیا کہ دین کے لئے جہاد کیا جاتا ہے عصبیت و خون خواہی کے لئے نہیں۔ آپ نے حرمت والے مہینوں کے احترام کو ملحوظ رکھا اور صلح و آشتی کے روایات کو محترم سمجھا۔

---

1 اس لئے کہ (قریش کے پاس) پیسہ تجارت کے ذریعہ آتا تھا اور ان قافلوں کے ذریعے جس کی آمد و رفت مکہ، شام اور یمن سے ہوتی تھی۔
و منافقین کو طاقتِ اسلام اور مسلمانوں کی ہیبت سے آگاہ کرنا بھی ضروری تھا۔

2 سیرت نبویہ ج ا ص ۵۹۸، مغازی ج ا ص ۱۱ و ۱۲۔

دوسری فصل

نئی حکومت کے نظام کا دفاع

ا۔ غزوۂ بدر

جنگ کے بارے میں حکمِ خدا کے نازل ہونے سے امت مسلمہ کفر و ضلالت سے ٹکراؤ والے مرحلہ سے نکل کر دوسرے مرحلہ میں داخل ہو گئی اور مسلمانوں کے دلوں میں اپنے ان حقوق کو واپس لینے کا جذبہ پیدا ہوا جو غصب کر لئے گئے تھے،ان حقوق کو قریش نے صرف اس لئے غصب کر لیا تھا کہ یہ لوگ خدائے واحد پر ایمان لے آئے تھے۔

غزوہ ذوالعشیرہ میں نبیؐ قریش کے اس قافلہ کی گھات میں تھے جو شام جارہا تھا اس وقت آپؐ معمولی، ہلکے پھلکے اسلحے اور مختصر تعداد کے ساتھ نکلے تھے، امید یہی تھی کہ اس قافلہ سے ٹکراؤ ہو گا جس میں اکثر تجّارِ مکّہ تھے۔رسولؐ کا یہ اقدام مخفیانہ نہیں تھا لہٰذا اس کی خبر مکہ پہنچ گئی اور وہاں سے قافلہ کے سربراہ ابوسفیان تک پہنچی چنانچہ اس نے اپنا راستہ بدل دیا تاکہ مسلمانوں کے ہاتھ نہ لگے ادھر قریش اپنے مال کے تحفظ اور مسلمانوں کی عداوت میں مکہ سے نکل پڑے مگر ان کے بزرگوں نے غور و فکر سے کام لیا اور یہ طے کیا کہ وہ مسلمانوں سے جنگ کے لئے نہیں جائیں گے خصوصاً یہ ارادہ اس وقت بالکل ترک کر دیا جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ ابوسفیان اپنے تجارتی قافلہ سمیت بچ نکلا ہے۔

قریش تقریباً ایک ہزار سپاہیوں اور بھاری اسلحہ کے ساتھ نکلے تھے جس سے ان کا مقصد تکبر اور عربوں کے درمیان اپنی حیثیت کا اظہار واضح تھا،ان کی نصرت کے لئے کچھ دوسرے قبیلے بھی جمع ہو گئے تھے جو مسلمانوں سے اس لئے جنگ کرنا چاہتے تھے تاکہ مسلمان یہ سمجھ لیں کہ وہ تنہا نہیں ہیں کیونکہ قریش عزت پانے کے بعد ابھی تک ذلیل نہیں ہوئے تھے۔اس بات سے رسولؐ کے بعض افراد نے اس وقت پردہ اٹھایا جب قریش سے پہلی بار ان کا مقابلہ ہوا۔[1]

قریش بدر کے کنوؤں سے کچھ فاصلہ پر اترے اور جنگ کے لئے اپنی صفوں کو مرتب کیا۔مسلمان ان سے پہلے کنوؤں پر پہنچ چکے تھے۔مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی خدا نے مسلمانوں کی فتح کے اسباب فراہم کر دیئے تھے۔ان کے لئے میدان قتال میں پہنچنا آسان ہو گیا تھا۔ان کے دلوں میں سکون و اطمینان ڈال دیا تھا اور ان سے یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ خدا انہیں ان کے دشمنوں پر فتح دے گا اور دینِ حق کو غلبہ عطا کرے گا۔

---

1 ملاحظہ فرمائیں: مغازی واقدی ج ا ص ۴۸، سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۱۶۰، بحار الانوار ج ۱۹ ص ۲۱۷۔

باوجودیکہ مسلمانوں کو یہ توقع نہیں تھی کہ قریش ان سے مقابلہ کے لئے آئیں گے لیکن جب قافلہ ان کے ہاتھ نہ آیا اور جنگ کی نوبت آگئی تو رسولؐ نے مہاجرین وانصار کی نیتوں کو آزمانا چاہا اور فرمایا:

"اشيروا علي ايّها النّاس"۔

اے لوگو! تم مجھے مشورہ دو!

اس پر بعض مہاجرین کھڑے ہوئے اور انہوں نے کچھ ایسی باتیں کہیں جن سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ دشمن کا مقابلہ کرنے سے ڈر رہے ہیں۔ اس کے بعد مقداد بن عمرو کھڑے ہوئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپؐ حکم خدا پر عمل کیجئے ہم آپؐ کے ساتھ ہیں؛ ہم آپؐ سے ویسے نہیں کہیں گے جیسے بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہا تھا: (فاذہب انت وربک فقاتلا انا ھاھنا قاعدون)[1] آپ اور آپ کا رب جائیں اور جنگ کریں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ بلکہ ہم تو آپؐ سے یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی آپؐ کے ساتھ ہو کر جنگ کریں گے اس ذات کی قسم کہ جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اگر آپؐ ہمیں سمندر کے کنارے بھی لے جائیں گے تب بھی ہم جائیں گے۔

اس کے بارے میں رسولؐ نے نیک جذبات کا اظہار کیا پھر آپؐ نے وہی جملہ "اشیر وا علی ایھا الناس" دہرایا اس جملہ سے آپ انصار کی رائے معلوم کرنا چاہتے تھے کیونکہ عقبۂ اولیٰ میں انہوں نے اس بات پر بیعت کی تھی کہ وہ آپ کا دفاع کریں گے۔

اس پر سعد بن معاذ کھڑے ہوئے اور کہا: تمام انصار کی طرف سے میں جواب دیتا ہوں۔ اے اللہ کے رسولؐ! گویا آپ کی مراد ہم ہیں؟ رسولؐ نے فرمایا:

ہاں، سعد بن معاذ نے کہا: ہم آپؐ پر ایمان لائے ہیں، ہم نے آپؐ کی تصدیق کی ہے اور یہ گواہی دی ہے کہ جو آپؐ لائے ہیں وہ برحق ہے، ہم نے آپؐ سے یہ عہد و میثاق کیا ہے کہ ہم آپؐ کی بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ تو پھر آپ جو ارادہ کر چکے ہیں اس پر عمل کیجئے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اگر آپؐ ہمیں اس دریا میں کودنے کا حکم دیں گے اور آپؐ اس میں داخل ہونگے تو ہم بلا تامل داخل ہو جائیں گے۔ ہم میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا اور ہم دشمن سے مقابلہ کرنے میں کراہت محسوس نہیں کرتے ہیں، ہم جنگ میں صبر و تحمل سے کام لیں گے۔ ہم اپنی جاں نثاری کے جوہر دکھا کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں گے۔

اس کے بعد رسولؐ نے فرمایا: خدا کی برکتوں کے ساتھ چلو کیونکہ خدا نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک گروہ کا وعدہ کیا ہے خدا کی قسم گویا میں اس قوم کو پسپا ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔[2]

جب مسلمان جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور ضروری تیاری میں مشغول ہوئے اور پڑاؤ کے لئے مناسب جگہ کا انتخاب کیا، پانی فراہم کیا اور دشمنوں سے محاذ لینے کے لئے جگہ کا تعین کیا تو رسولؐ مستقل طور پر ان کے نفوس میں صبر و ثبات کی روح پھونک رہے تھے اور انہیں جنگ و جہاد کا شوق دلا رہے تھے اور انہیں خدا کی طرف سے آنے والی مدد کی خبر دے رہے تھے اور خدا سے ان کی فتح کی دعا کر رہے تھے۔[3]

---

1 انفال: ۷تا۱۶۔

2 مغازی ج۱ ص۴۸و۴۹۔

3 مغازی ج۱ ص۵۰۔

مسلمان، رسولؐ کو حلقہ میں لیئے ہوئے تھے وہ اپنے عقیدہ کے لئے بہترین طریقہ سے قربانی دینے کا اظہار کر رہے تھے انہیں یہی فکر تھی کہ اگر جنگ ہمارے خیال وتصور کے مطابق نہ ہوئی تو اس وقت کیا طریقۂ کار اختیار کیا جائے گا، انہوں نے رسولؐ کے لئے ایک مچان بنایا کہ جس سے معرکہ کا معائنہ کریں۔ اطلاع فراہم کرنے والا گروہ، قریش کے حالات کا سراغ لگانے کے لئے نکلا اور رسولؐ کے پاس ضروری اطلاعات لے کر آیا۔ اس گروہ نے قریش کے جنگجو افراد کی تعداد کا اندازہ ۹۵۰ سے ۱۰۰۰ تک لگایا۔[1]

رسولؐ نے مسلمانوں کی صفیں درست کیں اور بڑا علم حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو عطا کیا اور قریش کی طرف بھیجا نیز فرمایا کہ پہلے ان سے واپس پلٹ جانے کے لئے کہنا کہ ہم قتال وخونریزی کو پسند نہیں کرتے ہیں اس سے مشرکوں کے درمیان اختلاف ہو گیا بعض صلح وآشتی کے طرفدار تھے اور بعض سرکشی پر مصر تھے۔[2]

رسولؐ نے حکم دیا کہ مسلمان جنگ کی ابتداء نہ کریں اور آپؐ نے خدا سے اس طرح دعا کی:

''اللهم ان تهلک هذه العصابة فلن تعبد بعد اليوم''

اے اللہ اگر آج یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو آج کے بعد تیری عبادت نہیں ہو گی۔

قدیم جنگوں کی رسموں کے مطابق مشرکین کی صفوں سے عقبہ بن ربیعہ، اس کا بھائی شیبہ اور اس کا بیٹا ولید نکلا اور کہا: ہمارے مقابلہ کے لئے قریش سے ہمارے ہی جیسا بھیجیں، چنانچہ رسولؐ نے عبیدہ بن حارث، حمزہ بن عبد المطلب اور علی بن ابی طالبؑ سے فرمایا:

''یابنی هاشم قوموا فقاتلوا بحقّکم الّذی بعث به نبیّکم اذ جاؤوا بباطلهم لیطفؤا نور اللّٰه۔''

اے بنی ہاشم اٹھو! اور اپنے اس حق کے ساتھ جنگ کرو جس کے ساتھ تمہارے نبی کو بھیجا گیا ہے اور وہ اپنے باطل کے ساتھ آئے ہیں تاکہ نورِ خدا کو خاموش کر دیں۔

قریش میں سے جو بھی مقابلہ میں آیا وہ مارا گیا، دونوں لشکروں میں خونریز جنگ ہوئی، رسولؐ مسلمانوں کو جنگ وجہاد پر ابھار رہے تھے۔ اس کے بعد آپؐ نے ایک مشت کنکریاں اٹھائیں اور ''شاہت الوجوہ'' کہتے ہوئے قریش کی طرف پھینک دیں۔

اس سے قریش کو شکست ہوئی اور جب جنگ کے بعد مشرکین کی لاشوں کو بدر کے کنویں میں ڈال دیا گیا تو رسولؐ اس پر کھڑے ہوئے اور ان میں سے ایک ایک کا نام لیکر فرمایا:

'' هل وجدتم ماوعدکم ربکم حقاً؟ فاني وجدت ما وعدني ربي حقاً''۔

کیا تم نے اس چیز کو برحق پایا جس کا تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا؟ میں نے تو اس چیز کو برحق پایا ہے جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔

---

1 انفال: ۶۵۔

2 مغازی ج۱ ص۶۱، بحار الانوار ج۱۹ ص ۲۵۲۔

بعض مسلمانوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ ان لوگوں کو آواز دے رہے ہیں جو مر چکے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: یہ ایسے ہی سن رہے ہیں جیسے تم سنتے ہو لیکن انہیں جواب سے روک دیا گیا ہے۔[1]

جنگ کے نتائج

جنگ بدر کے عظیم نتائج سامنے آئے مشرکین ذلت و نقصان اٹھا کر مکہ کی طرف فرار کر گئے۔ ان کے ستر آدمی قتل ہوئے ستر قید ہوئے اور بہت سا مال مسلمانوں کو غنیمت میں ملا، غنیمت تقسیم کرنے کے سلسلہ میں فتح یاب مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہوا تو رسولؐ نے سارے مال کو جمع کرنے کا حکم دیا تاکہ اس کے بارے میں آپؐ غور کریں۔ سورۂ انفال میں مال غنیمت اور خمس کے احکام کے سلسلہ میں حکم خدا نازل ہوا پس رسولؐ نے ہر غازی کو مساوی طور پر حصہ دیا۔[2]

اسیروں کے بارے میں آپؐ نے یہ اعلان کیا کہ اسیروں میں جو بھی مسلمانوں کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے گا وہ اس کا فدیہ قرار پائے گا اس طرح اسلامی عقیدہ کی بلندی، علم حاصل کرنے کے سلسلہ میں اس کی ترغیب اور انسان کو مہذب بنانے کا اظہار بھی ہو گیا۔ باقی اسیروں میں سے ہر ایک کی آزادی کے لئے چار ہزار درہم کا فدیہ مقرر کیا اس حکم میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو رسولؐ سے کسی طرح کی قرابت رکھتے تھے۔ چنانچہ جب زینب- ربیبہ رسولؐ- نے اپنے شوہر ابوالعاص کے فدیہ کے لئے اپنا گلوبند بھیجا تو رسولؐ نے اس گلوبند کو دیکھا اور اپنی زوجہ خدیجہ کو یاد کر کے رونے لگے پھر مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا: "اگر مناسب سمجھو تو اس کے قیدی کو رہا کر دو اور اس کا یہ مال واپس کر دو، مسلمانوں نے ایسا ہی کیا"[3]

نبیِ رحمت کی اس خواہش کو پورا کرنا مسلمانوں کے لئے کتنا آسان تھا ابوالعاص دوڑتا ہوا مدینہ پہنچا تاکہ زینب کو مدینہ بھیجے کیونکہ اس نے رسولؐ سے وعدہ کیا تھا۔ اس کھلی فتح کی خوشخبری مدینہ پہنچی تو یہودیوں اور منافقین کے دل خوف سے دہلنے لگے انہوں نے اس خبر کو جھٹلانے کی کوشش کی حالانکہ اس وقت مسلمان فرحت و مسرت سے جھوم رہے تھے اور فتحیاب قائد، اللہ کے رسولؐ کے استقبال کیلئے، نکل پڑے تھے۔

اہل مکہ پر غم والم کی گھٹا چھا گئی پوری فضا میں سوگ کی کیفیت طاری تھی، مشرکین غم والم سے چلا رہے تھے، مکہ کے گھروں میں کہرام بپا تھا۔

اس جنگ کے بارے میں قرآن کی آیتیں صریح نص کی حیثیت رکھتی ہیں، یہ آیتیں اور اس جنگ کے واقعات کی تفصیل اور امت مسلمہ کے لئے خدائی امداد کو بیان کرتی ہیں یہ امت نشر و تبلیغ رسالت کے سلسلہ میں اپنے رب کی مخلص تھی[4]۔ حضرت علیؑ ابن ابی طالب نے اس جنگ میں دفاع کے لئے سر فروشانہ کردار ادا کیا۔ اپنے مدمقابل ولید بن عتبہ کو قتل کیا پھر اپنے چچا جناب حمزہ اور عبیدہ بن حارث کے مدمقابل شیبہ و عتبہ کے قتل میں ان کی مدد کی۔

---

1 اعلام الوریٰ ج ۱ ص ۱۷۱، سیرت نبویہ ج ۱ ص ۶۳۸۔

2 مغازی ج ۱ ص ۱۰۷، سیرت نبویہ ج ۱ ص ۶۴۲۔

3 سیرت نبویہ ج ۱ ص ۶۵۲ بحار ج ۱۹ ص ۳۴۸۔

4 انفال ۴۴، ۴۲، ۱۲، ۱۱، ۹، ال عمران ۱۳، ۱۲۷، ۱۲۳۔

شیخ مفید کی روایت کے مطابق اس جنگ میں حضرت علیؑ نے چھتیس ۳۶ آدمیوں کو قتل کیا تھا[1] اور باقی کے قتل میں بھی آپ شریک تھے؛ ابن اسحاق کہتے ہیں: جنگ بدر میں اکثر مشرکین علیؑ کے ہاتھوں سے قتل ہوئے تھے۔[2]

اس شکست کی وجہ سے قریش مجبور ہوئے کہ وہ اپنی تجارت کا راستہ بدلیں اور شام سے عراق کی طرف جائیں کیونکہ مسلمانوں کی طاقت بڑھ گئی تھی جزیرۃ العرب کے معاشرہ کی تشکیل پر اس کا اثر ضروری تھا جو بالتدریج ظاہر ہو رہا تھا، قبیلوں کے درمیان سے قریش کی ہیبت کم ہو رہی تھی اور رسولؐ سے مسلمانوں کے تعلقات میں پختگی آ رہی تھی۔

۲۔ فاطمہ زہراؑ کی شادی

قلبِ رسولؐ میں فاطمہ زہراؑ کی بڑی قدر و منزلت تھی کیونکہ آپؐ کو ان سے تسلی ملتی تھی پھر وہ جناب خدیجہؑ کی تنہا یادگار تھیں، رسالت کے امور، اس سلسلہ کے رنج و غم میں فاطمہؑ آپؐ کی شریک تھیں وہ آپؐ کے اکثر بوجھ کو ہلکا کر دیتی تھیں اسی لئے آپؐ نے فرمایا تھا:

''انها ام ابیها''...

جب فاطمہؑ زہراؑ خانۂ نبوت میں مرحلۂ بلوغ کو پہنچیں نبوت و رسالت کے سایہ میں پروان چڑھیں تو قریش میں سے صاحب فضل و شرف، مال دار اور اسلام میں سبقت رکھنے والوں کی طرف سے ان کے پیغام آئے لیکن نبیؐ نے بحسن و خوبی ان کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ اس کے بارے میں خدا کے فیصلہ کا منتظر ہوں یا فرماتے تھے کہ آسمانی حکم کا انتظار ہے۔[3]

جب علیؑ بن ابی طالبؑ نے فاطمہؑ کا پیغام دیا تو رسولؐ خوش ہوگئے اور فرمایا:

''ابشّر ک یا علی فان اللّٰه عزّ و جلّ قد زوجّکها فی السّماء من قبل ان ازوجکها فی الارض، و قد هبط عليّ من قبل ان تاتینی ملک من السماء فقال: یا محمّد ان اللّٰه - عزّ و جلّ-اطلع الی الارض اطلاعة فاختارک من خلقه فبعثک برسالته، ثم اطّلع الی الارض ثانیة فاختار لک منها اخاً و وزیراً و صاحباً و ختناً فزوّجه ابنتک فاطمة، و قد احتفلت بذلک ملائکة السّماء۔ یا محمّد ان اللّٰه - عز و جل-امرنی ان آمرک ان تزوج علیاً في الارض فاطمة، و تبشرهما بغلامین زکیین نجیبین طاهرین خیرین فاضلین فی الدنیا و الآخرة۔''[4]

اے علیؑ! میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ خدا نے اس کے ساتھ تمہارا نکاح آسمان پر اس سے پہلے کر دیا تھا کہ میں زمین پر اس کے ساتھ تمہارا نکاح کروں، تمہارے آنے سے پہلے مجھ پر آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا اور اس نے کہا: اے محمدؐ! خدا نے زمین کو دیکھا اور اپنی مخلوق میں سے آپؐ کو منتخب کیا

---

1 ارشاد مفید ۳۹ و ۴۰۔

2 مناقب ج ۳ ص ۱۲۰۔

3 حیات النبی و سیرتہ ج ۱ ص ۳۰۹۔

4 کشف الغمۃ: ج ۱ ص ۳۵۶-۳۵۸۔

اور آپؐ کو اپنا رسولؐ مقرر کیا۔ پھر دوبارہ زمین پر نظر ڈالی تو آپؐ کے بھائی، وزیر، جانشین اور داماد کو منتخب کیا پس تم اپنی بیٹی فاطمہ کو ان کی زوجیت میں دیدو، اس موقعہ پر آسمان کے فرشتوں نے جشن مسرت منایا۔ اے محمدؐ! بیشک مجھے خدا نے یہ حکم دیا ہے کہ میں آپ تک یہ پیغام پہنچادوں کہ آپ زمین پر علیؑ کا نکاح فاطمہؑ سے کر دیں۔ اور ان دونوں کو دو بیٹوں کی بشارت دے دیں جو دنیا و آخرت میں زکی، نجیب، طاہر، خیر اور صاحب فضل و شرف ہوں گے۔

مہاجرین و انصار کے مجمع میں آپؐ نے عقد نکاح پڑھا، مختصر سا مہر لیا تاکہ امت کے لئے سنت قرار پائے اور وہ اس کا اتباع کریں۔ جناب فاطمہ زہراؑ کا جہیز رسولؐ کے سامنے رکھا گیا، جس میں زیادہ برتن مٹی کے تھے، تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے آپ نے فرمایا:

"اللّٰھمّ بارِکْ لاھل بیت جُلّ آنیتھم من الخزف"۔[1]

اے اللہ! ان گھر والوں کو برکت عطا کر کہ جن کے مختصر برتن مٹی کے ہیں۔ رسولؐ نے اپنی بیٹی کی شادی کے ہر کام کو بہت زیادہ اہمیت دی جیسا کہ اس دعا سے معلوم ہوتا ہے جو آپؐ نے دولہا دلہن کے حق میں ان کے زفاف کے دن کی تھی:

"اللّٰھمّ اجمع شملھما و الّف بین قلبیھما و اجعلھما و ذریتھما من ورثۃ جنۃ النعیم و ارزقھما ذریۃ طاھرۃ طیبۃ مبارکۃ و اجعل فی ذریتھما البرکۃ و اجعلھم ائمۃ یھدون بامرک الیٰ طاعتک و یامرون بما رضیت۔"

اے اللہ ان کے بکھرے ہوئے کاموں کو مجتمع کر ان دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ڈال دے اور ان کی ذریت کو جنت نعیم کا وارث قرار دے اور انہیں طیب و طاہر اور مبارک ذریت عطا کر، ان کی ذریت میں برکت عطا کر اور انہیں ائمہ قرار دے جو تیرے حکم سے تیری اطاعت کی طرف ہدایت کریں اور اس چیز کا حکم دیں جس سے تو خوش ہو۔

نیز یہ دعا کی:

"یا ربِّ انک لم تبعث نبیاً الا و قد جعلت لہ عترۃ اللّٰھم فاجعل عترتي الھادیۃ من علی و فاطمۃ"۔

پروردگار! تو نے کوئی نبیؐ نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کے لئے عترت قرار دیا، میری عترت کو علیؑ و فاطمہؑ کی نسل سے قرار دے اس کے بعد فرمایا:

"طھر کما اللّٰہ و نسلکما انا سلم لمن سالمکما و حرب لمن حاربکما۔[2]

خدا تم دونوں کو اور تمہاری نسل کو پاک رکھے۔ میں اس سے صلح کرونگا جس نے تم سے صلح کی اور اس سے جنگ کرونگا جس نے تم سے جنگ کی۔

1 کشف الغمہ ج ۱ ص ۳۵۹۔

2 کشف الغمہ ج ۱ ص ۳۶۲، مناقب ال ابی طالب ج ۳ ص ۳۵۵۔

۳۔یہود اور بنی قینقاع سے ٹکراؤ

مدینہ میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے یہودی اپنے تئیں خطرہ محسوس کررہے تھے، نیا نظام مضبوط و مستحکم ہوگیا۔امت مسلمہ اتنی طاقت بن گئی کہ حکومت کی زمام سنبھال سکتی ہے۔بدر سے پہلے کا معاہدۂ صلح وامان کا ضامن تھا جس کے سبب ٹکراؤاور تناؤ نہیں ہوتا تھا لیکن مسلمانوں کی فتح کی وجہ سے یہودیوں کے دلوں میں دشمنی اور شر پیدا ہوگیا اور انہوں نے منافقانہ چال چلنا شروع کردی، وہ مسلمانوں کی مذمت اور ان کے خلاف سازش کے جال بننے لگے اور نئے مذہب و نئی حکومت والے مسلمانوں کے خلاف غلط پروپیگنڈہ کرنے لگے۔

ان کی خبریں رسولؐ سے مخفی نہیں تھیں۔دوسری طرف مسلمانوں کے دلوں میں رسولؐ اور اسلام کے دفاع کا جذبہ موجزن تھا چنانچہ جب سالم بن عمیر نے۔جو کہ ایک فدائی مسلمان تھے۔بنی عوف کے مشرک ابو عفک کی زبان سے رسولؐ کی برائی سنی تو وہ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکے اور اسے قتل کر دیا۔[1] پھر ایسا ہی ایک واقعہ کینہ توز مشرکہ عورت عصماء بنت مروان کے ساتھ ہوا[2] اسی طرح مسلمانوں نے کعب بن اشرف کا قصہ بھی تمام کر دیا جو مسلمانوں کا مذاق اڑاتا تھا اور ان کی قوانین کی بے عزتی کرتا تھا۔[3]

یہودی باطل کی نشر واشاعت، جھوٹے پروپیگنڈے، مسلمانوں کی اہانت اور لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے سے باز نہیں آئے اس طرح انہوں نے رسولؐ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو توڑ دیا رسولؐ نے چاہا کہ ان سے نجات حاصل کی جائے چنانچہ آپؐ بنی قینقاع کے پاس گئے انہیں نصیحت کی اور انہیں سازشوں سے باز رکھنے کی کوشش کی۔وہ اپنے بازار میں جمع تھے اس وقت رسولؐ نے ان سے فرمایا:

”یا معشر الیہود احذروا! من اللہ مثل ما نزل بقریش من النقمۃ، و اسلموا فانّکم قد عرفتم انی رسول اللّٰہ تجدون ذلک فی کتابکم و عہد اللّٰہ الیکم“۔

اے یہودیو! خدا سے ڈرو! کہیں تم پر قریش جیسی مصیبت نازل نہ ہو جائے، اسلام قبول کرلو۔تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسولؐ ہوں یہ بات تم اپنی کتابوں میں دیکھتے ہو اور خدا نے تم سے اس کا عہد لیا ہے۔

لیکن ان کا تکبر اور ان کی سرکشی بڑھتی ہی گئی کہنے لگے: اے محمدؐ! قریش پر فتحیابی آپ کو دھوکہ نہ دے کیونکہ جس قوم پر آپ نے فتح پائی ہے وہ جاہل اور بے تجربہ تھی۔خدا کی قسم! ہم فن حرب وضرب سے واقف ہیں اگر آپ ہم سے جنگ کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم جیسے لوگوں سے آپ کا پالا نہیں پڑا ہے۔[4]

یہودیوں کی رذالت اس وقت اور واضح ہوگئی جب انہوں نے ایک مسلمان عورت کے ساتھ ناروا سلوک کیا اور اس کی بے حرمتی کی یہ بات اتنی بڑھی کہ ایک مسلمان اور یہودی مارا گیا۔نتیجہ میں رسولؐ مسلمانوں کے ساتھ نکلے اور ۱۵ دن تک ان کے گھروں کا محاصرہ کئے رہے۔اس مدت میں نہ ان میں سے کوئی نکلا اور نہ کوئی ان کے پاس گیا آخر کار وہ سب رسولؐ کے حکم کے سامنے جھک گئے اور مال و اسلحہ چھوڑ کر مدینہ سے چلے گئے اس طرح مدینہ

---

1 مغازی ج ۱ ص ۱۷۴۔

2 ایضاً ص ۱۷۲۔

3 سیرت نبویہ ج ۲ ص ۵۱۔

4 مغازی ج ۱ ص ۱۷۶۔

شر پسند عناصر سے پاک ہو گیا اور شہر میں سیاسی امن و امان قائم ہو گیا اسی کے ساتھ وہاں سے غیر مسلموں کا رسوخ ختم ہو گیا، کیونکہ وہ مسلمانوں کی طاقت، ان کے اداراتی نظم و نسق، ترقی اور اس اسلامی حکومت کے استقلال کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے جو کہ ایک حکیم و دانا کے دستور کے مطابق چل رہی تھی۔

۴۔ مسلمانوں کی فتح کے بعد قریش کا ردعمل

ابو سفیان نے قریش کے کچھ بہادروں کو جمع کیا اور انہیں مدینہ کی طرف لے گیا، ان کی غلط خواہشیں انہیں مسلمانوں سے جنگ اور قریش کی عظمت کو واپس لوٹانے پر اکسا رہی تھیں جو کہ بدر میں ہاتھ سے چلی گئی تھی۔ مدینہ کے قریب انہیں زمین پر فساد برپا کیا اور پھر اس خوف سے بھاگ کھڑے ہوئے کہ کہیں مسلمانوں کی تلواریں نہ ٹوٹ پڑیں۔

نبیؐ نے مسلمانوں کے ساتھ مشرکین کا تعاقب کیا انہیں ان کے دین کی محبت ایسا کرنے پر مجبور کر رہی تھی تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ وہ نئی حکومت کے اقتدار کا دفاع اور بدخواہوں سے اس کی حفاظت کرتے ہیں...۔

مشرکین نے فرار کرنے میں ہر چیز سے مدد لی یہاں تک کہ انہوں نے اپنے بوجھ (سویق) کو بھی پھینک دیا جو ان کے کھانے کے کام آ سکتا تھا وہ ستو مسلمانوں کے ہاتھ آیا اسی لئے اس غزوہ کو غزوہ سویق کہا جاتا ہے۔ قریش نے ایک مرتبہ پھر رسوائی و ذلت کا منہ دیکھا اور جن قبیلوں تک اس واقعہ کی خبر پہنچی ان پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ اسلام کی طاقت ایک منظم طاقت ہے اور اب ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔

اس مرحلہ پر رسولؐ کے لئے اہم کام یہ تھا کہ مدینہ میں مسلمان معاشرہ کے لئے امن و امان فراہم کریں اور ہر ممکنہ خطرہ کا سدباب کریں۔ بعض قبیلے اسلام قبول کرنے پر تیار نہیں تھے اور اسلام کے دشمن تھے ابھی ان کی اس بات کی طرف ہدایت نہیں ہوئی تھی کہ وہ رسولؐ کے ساتھ مناسب طریقہ سے پیش آئیں۔ وہ مدینہ پر حملہ کرنے کی سازش کیا کرتے تھے اور جب نبیؐ ان سے مقابلہ کے لئے نکلتے تھے تو وہ بھاگ جاتے تھے۔

ایک فوجی دستہ جناب زید بن حارثہ کی قیادت میں روانہ ہوا رسول خداؐ نے ان سے یہ فرمایا کہ تم قریش کے اس راستہ کو روکو جس سے وہ عراق ہوتے ہوئے تجارت کے لئے جاتے ہیں۔ یہ دستہ اپنے مشن میں کامیاب ہوا۔

۵۔ جنگ احد [1]

جنگ بدر کے بعد کا زمانہ قریش اور مشرکین کے لئے بہت سخت تھا۔ ادھر مدینہ میں رسولؐ انسانی اصلاحات اور حکومت بنانے کی کوششوں میں منہمک تھے، اس سلسلہ میں مسلسل قرآن کی آیتیں نازل ہو رہی تھیں جو انسان کے چال چلن اور اس کی زندگی کے قانون کی حیثیت رکھتی تھیں، رسولؐ ان قوانین کی وضاحت کرتے، احکام نافذ کرتے اور خدا کی اطاعت کی طرف ہدایت کرتے تھے۔

---

1 جنگ احد ماہ شوال ۳ھ میں ہوئی۔

مشرکین مکہ اوران کے طرف داروں کی نظروں میں اسلام کے خلاف جنگ چھیڑنے کے بہت سے اسباب تھے۔ وہ اپنے دامن سے بدر کی شکست کا دھبہ چھڑانے اور اپنے حسد کی آگ بجھانا چاہتے تھے اموی خاندان کے سردار اور بدر میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ابوسفیان نے انہیں بھڑکا رکھا تھا۔ دوسری طرف ان تاجروں کی طمع تھی کہ جن کی تجارت کے لئے کوئی محفوظ راستہ نہیں بچا تھا اس کے علاوہ جنگ کے دوسرے اسباب بھی تھے۔ یہ جنگ مسلمانوں کو کمزور کرنے اور تجارت کے لئے شام جانے والے راستہ کی حفاظت کی خاطر ایک کوشش تھی اصل چیز مکہ کو تسلط سے بچانا اور شرک کی نگہبانی کرنا تھی اس کے علاوہ مدینہ میں قریش کے پٹھو اور یہودیوں کی ریشہ دوانیاں بھی جنگ کو بھڑکانے کا سبب تھیں تاکہ مدینہ کو تاراج اور اسلام کو نیست ونابود کر دیا جائے۔ مکہ سے عباس بن عبد المطلب نے جناب رسولؐ خدا کو یہ خبر دی کہ قریش جنگ کی تیاری اور اسلحہ وفوج کی جمع آوری میں مشغول ہیں ان کے ساتھ دوسرے قبائل بھی ہیں انہوں نے جنگ کی آگ بھڑکانے اور لوگوں کو قتال پر آمادہ کرنے کے لئے متعدد طریقے اختیار کئے ہیں چنانچہ ان کے ساتھ عورتیں بھی ہونگی۔

یہ خط خفیہ طریقہ سے رسولؐ کے پاس پہنچ گیا لیکن رسولؐ نے اس خبر سے مسلمانوں کو اس وقت تک مطلع نہیں کیا جب تک صحیح صورت حال معلوم نہیں ہوئی اور جنگ کے لئے ضروری تیاری نہیں ہو گئی۔

افواج شرک جب مدینہ کے قریب پہنچ گئیں تو رسولؐ نے حباب بن منذر کو بھیجا تاکہ دشمن کے بارے میں اطلاع فراہم کریں۔ اس سے قبل آپ بنی فضالہ کے دو اشخاص، انس و مونس کو بھیج چکے تھے۔ ان لوگوں نے جو خبر دی اور مشرکین کی فوجوں کے جو حالات بیان کئے وہ عباس کے خط کے مطابق تھے چنانچہ جن لوگوں نے رسولؐ کو اس صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا ان میں سے کچھ مسلمانوں نے مشرکین کے شب خون مارنے کے خوف سے پہرہ دیا۔

رسولؐ نے، یہ اعلان کرنے کے بعد کہ قریش جنگ کرنے آئے ہیں، اپنے اصحاب سے مشورہ کیا تو ان کی مختلف رائیں سامنے آئیں بعض نے کہا کہ اہلِ مدینہ اپنے گھروں ہی میں رہیں، بعض نے کہا: مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے، رسولؐ کے لئے یہ کام دشوار نہیں تھا کہ آپؐ پہلے ہی اپنا فیصلہ سنا دیں، لیکن آپ یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو ان کی ذمہ داری سے آگاہ کر دیں۔ پھر اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ دشمن کا مقابلہ مدینہ سے باہر نکل کر کیا جائے۔ رسولؐ نے نماز جماعت پڑھائی۔ خطبہ دینے کے لئے منبر پر تشریف لے گئے اور ہتھیار لگا کر برآمد ہوئے اس سے آپ کی امت کو شدید جھٹکا لگا۔

انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ رسولؐ کو مدینہ سے باہر نکلنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ لہذا عرض کی: ہم آپ کی مخالفت نہیں کر رہے ہیں جو آپ بہتر سمجھیں انجام دیں رسولؐ نے فرمایا:

ما ینبغی لنبی اذا لبس لامته ان یضعها حتی یقاتل[1]

کسی بھی نبیؐ کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ ہتھیار لگانے کے بعد جنگ سے پہلے ہتھیار رکھدے۔

رسولؐ ایک ہزار مسلمان سپاہیوں کے ساتھ جنگ کے لئے نکلے اور مشرکین کے خلاف یہودیوں کی مدد لینے سے انکار کر دیا، فرمایا:

1 سیرت نبویہ ج۱ص ۲۳، مغازی ج۱ص ۲۱۴۔

"لا تستنصروا باهل الشرک علیٰ اهل الشرک"۔[1]
مشرکوں سے مشرکوں کے خلاف مدد نہ لو۔

اس موقعہ پر منافقین اپنا کینہ وعداوت چھپانہ سکے چنانچہ تین سو آدمیوں کے ساتھ عبد اللہ بن ابی رسولؐ سے الگ ہو گیا اس طرح رسولؐ کے ہمراہ سات سو آدمی باقی بچے جبکہ مشرکین کی تعداد تین ہزار سے زیادہ تھی۔[2]

کوہِ احد کے پاس رسولؐ نے ایک محکم منصوبہ تیار کیا تاکہ فتح یقینی ہو جائے، پھر آپؐ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"یا ایها الناس اوصیکم بما اوصانی اللّٰه فی کتابه من العمل بطاعته و التناهی عن محارمه ثم انکم الیوم بمنزل اجر و ذخر لمن ذکر الذی علیه ثم وطن نفسه علیٰ الصبر و الیقین و الجد و النشاط فان جهاد العدو شدید کریه، قلیل من یصبر علیه الا من عزّ اللّٰه رشده فان اللّٰه مع من اطاعه و ان الشیطان مع من عصاه، فافتحوا اعمالکم بالصبر علیٰ الجهاد و التمسوا بذالک ما وعدکم اللّٰه و علیکم بالّذی امرکم به فانی حریص علیٰ رشدکم فان الاختلاف و التنازع و التثبیط من امر العجز و الضعف مما لا یحب اللّٰه ولا یعطی علیه النصر ولا الظفر"۔
اے لوگو! میں تمہیں اسی چیز کی وصیت کرتا ہوں جس کی خدا نے مجھے اپنی کتاب میں وصیت کی ہے، اس کی اطاعت کرو اور اس کی حرام کی ہوئی چیز سے باز رہو۔

دشمن کے ساتھ جہاد کرنا بہت دشوار ہے اس میں بہت کم لوگ ثابت قدم رہ پاتے ہیں، مگر یہ کہ خدا نے جس کی ہدایت ورہنمائی کا عزم کر لیا ہے، بیشک خدا اس کے ساتھ ہے جو اس کی اطاعت کرتا ہے اور جو اس کی نافرمانی کرتا ہے اس پر شیطان سوار رہتا ہے پس تم اپنے اعمال کا دروازہ جہاد پر صبر کے ذریعہ کھولو اور اس کے ذریعہ اس چیز کو حاصل کرو جس کا خدا نے تم سے وعدہ کیا ہے، تم اسی چیز کو انجام دو جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ مجھے تمہاری ہدایت کی فکر ہے۔ بیشک اختلاف، نزاع، تفرقہ و پراگندگی، عجز وضعف کی دلیل ہے جس کو خدا دوست نہیں رکھتا ہے اس کے ذریعہ فتح وظفر نہیں مل سکتی۔[3]

مشرکوں نے جنگ کے لئے اپنی صفیں مرتب کیں، دیکھتے ہی دیکھتے گھمسان کا رن پڑا، لیکن تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ مشرکین کی فوجیں پیٹھ دکھا کر بھاگ گئیں، قریب تھا کہ ان کی عورتیں مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہو جائیں میدانِ معرکہ میں مسلمانوں کی فتح کے آثار نمایاں ہو گئے تھے کہ ان تیر اندازوں میں سے کہ جن کو رسولؐ نے درّہ پر مقرر کیا تھا اور انہیں یہ حکم دیا تھا کہ تم اپنی جگہ سے اس وقت تک نہ ہٹنا جب تک تمہارے پاس میرا دوسرا حکم نہ پہنچ جائے، خواہ جنگ کا نتیجہ کچھ بھی ہو، بعض کے دل میں شیطان نے وسوسہ پیدا کر دیا چنانچہ انہوں نے اپنی جگہ کو چھوڑ دیا اور مال غنیمت کے پیچھے دوڑ پڑے، نتیجہ میں خالد بن ولید کی سرکردگی میں مشرکین کی فوجیں اسی درّے سے لوٹ آئیں جس کو چھوڑنے سے رسولؐ نے منع کیا تھا۔

---

1 طبقات ابن سعد ج۲ ص۳۹۔
2 طبری ج۳ ص۱۰۷۔
3 مغازی ج۱ ص۲۲۱۔

اس سے مسلمانوں کے اوسان خطا ہو گئے، ان میں بھگدڑ مچ گئی اور شکست خوردہ قریش جنگ میں لوٹ آئے اور بہت سے مسلمان قتل ہو گئے اور مشرکوں نے قتل رسولؐ کی افواہ پھیلا دی۔ اگر علیؑ بن ابی طالبؑ، حمزہ بن عبد المطلبؑ، سہل بن حنیف نہ ہوتے تو مشرکین کی فوج رسولؐ تک پہنچ جاتی کیونکہ میدان معرکہ میں مسلمانوں میں سے بہت کم لوگ ثابت قدم رہے تھے، اکثریت بھاگ گئی تھی ان میں بڑے بڑے صحابہ بھی شامل تھے۔[1]

بعض نے اسلام سے ہی برأت کی سوچ لی اور کہا کاش ہمارے پاس کوئی قاصد ہوتا جو عبداللہ بن ابیؓ کے پاس چلا جاتا اور وہ ابو سفیان سے ہمارے لئے امان لے لیتا۔[2]

اس جنگ میں رسولؐ کے چچا جناب حمزہ بن عبد المطلب شہید ہو گئے رسولؐ پر بھی حملے ہوئے نیچے کے چار دانت شہید ہو گئے، ہونٹ زخمی ہو گیا، چہرہ پر خون بہنے لگا آپؐ اسے صاف کرتے تھے اور فرماتے تھے:

وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبیؐ کے چہرہ کو خون سے رنگین کر دیا ہے جبکہ وہ انہیں خدا کی طرف بلا رہا ہے۔[3]

رسولؐ جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ آپؐ کی کمان ٹوٹ گئی۔ ابی بن خلف پر حملہ کر کے آپ نے اسے زخمی کر دیا وہ آپکوؐ قتل کرنا چاہتا تھا اسی زخم میں ابی مر گیا۔ اس جنگ میں حضرت علیؑ نے بے نظیر بہادری کا ثبوت دیا۔ جو گروہ بھی آنحضرتؐ کی طرف بڑھتا تھا علیؑ اسی کو بھگا دیتے اور اپنی تلوار سے خوف زدہ کر دیتے تھے۔ یہ حال دیکھ کر جبریل نازل ہوئے عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ! یہ ہے مواسات۔ یعنی محبت و رفاقت کی انتہا۔ رسولؐ نے فرمایا: وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں جبریل نے کہا: میں آپ دونوں سے ہوں۔ لوگوں نے اس وقت یہ آواز سنی:

لا سیف الا ذو الفقار ولا فتیٰ الا علی [٤]

ذوالفقار کے علاوہ کوئی تلوار نہیں اور علیؑ کے علاوہ کوئی جوان نہیں۔

مسلمانوں میں سے جو لوگ باقی رہ گئے تھے رسولؐ ان کے ساتھ پہاڑ کی طرف چلے گئے، جنگ بند ہو گئی، تو ابو سفیان آیا اور مسلمانوں کا مذاق و مضحکہ اڑاتے ہوئے کہنے لگا: ''اعل ھبل'' ہبل بلند رہا۔

رسولؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ کفر کو منہ توڑ جواب دیا جائے۔ میدان جنگ میں شکست کھانے کے باوجود عقیدہ میں استحکام رہنا چاہئے۔ اس کے بعد کافر ابو سفیان نے جب یہ نعرہ لگایا: ''نحن لنا العزی ولا عزی لکم'' - یعنی ہمارے پاس عزیٰ نام کا بت ہے، تمہارے پاس عزی نہیں ہے۔ رسولؐ نے مسلمانوں سے فرمایا: تم اس کے جواب میں یہ نعرہ لگاؤ:

''اللّٰہ مولٰنا ولا مولیٰ لکم'' [٥]

اللہ ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں ہے۔

---

1 مغازی ج ۱ ص ۳۳۷، سیرت نبویہ ج ۲ ص ۸۳، شرح نہج البلاغہ ۱۵ ص ۲۰۔

2 بحار الانوار ج ۲۰، سورۂ آل عمران کی آیات ۱۲۱ سے ۱۸۰ تک میں اس جنگ کی وضاحت موجود ہے۔

3 تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۱۷، بحار الانوار ج ۲۰ ص ۱۰۲۔

4 تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۱۶، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۱۴، بحار الانوار ج ۲۰ ص ۷۱۔

5 سیرت نبویہ ج ۲ ص ۹۴۔

مشرکین مکہ لوٹ گئے نبیؐ مسلمانوں کے ساتھ اپنے مقتولین کو دفن کرنے میں مشغول ہوئے، قریش نے کتنا دلخراش ودردناک منظر چھوڑا تھا انہوں نے شہیدوں کی لاشوں کو مثلہ کر دیا تھا اور جب رسولؐ نے وادی کے بیچ میں اپنے چچا جناب حمزہ بن عبد المطلب کو دیکھا، کہ جن کا جگر نکال لیا گیا تھا اور درندگی و دشمنی میں ان کی لاش کو مثلہ کر دیا گیا تھا، تو آپؐ کو بہت دکھ ہوا۔ فرمایا: ''ماوقفت موقفاً قط اغیظ الی من ھذا'' اس سے زیادہ دردناک منظر میں نے نہیں دیکھا تھا آج مجھے جتنا غم ہوا ہے اتنا زندگی میں کبھی نہیں ہوا۔

اس جنگ میں اگرچہ مسلمانوں کا کافی جانی نقصان ہوا تھا لیکن یہ چیز توحید کا عقیدہ رکھنے والوں کو دولت اسلام رکھنے والوں کو اسلام اور حکومت اسلامی کے دفاع سے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔ دوسرے دن جب مسلمان مدینہ واپس لوٹ آئے تو رسولؐ نے مسلمانوں کو جنگ کے لئے آمادہ ہونے کا حکم دیا تاکہ دشمن کا تعاقب کریں اور اس کی تلاش میں نکلیں، اسے بھگائیں اور صرف وہی لوگ گھروں سے نکلیں جو جنگ میں شریک ہوئے تھے چنانچہ مسلمانوں کے پاس جو کچھ تھا اسی کے ساتھ حمراء الاسد کی طرف روانہ ہو گئے دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے رسولؐ نے یہ نیا طریقہ اختیار کیا اور دشمن پر خوف طاری ہو گیا وہ سر پر پاؤں رکھ کر مکہ کی طرف بھاگ گیا[1] رسولؐ اور مسلمان مدینہ واپس لوٹ آئے یقیناً اس طرح انہیں بہت سی معنوی اور روحانی طاقتیں واپس مل گئیں۔

۶۔ مسلمانوں کو دھوکا دینے کی کوشش

جس معاشرہ پر تلوار و غلبہ کے زور پر حکومت ہوتی ہو اس کے لحاظ سے یہ بات طبیعی تھی کہ احد میں مسلمانوں کی پسپائی کے بعد مشرکین ان پر جری ہو جائیں۔ لیکن رسولؐ آگاہ اور ہر انقلاب و تغیر سے واقف تھے، دل و جان سے رسالت کی حفاظت کرتے تھے حکومت کی تشکیل اور اس کی محافظت میں کوشاں رہتے تھے، خبر اور نیتوں سے مطلع رہتے تھے اور قبل اس کے کہ مشرک اپنے مقصد میں کامیاب ہوں، ان کے منصوبوں کو ناکام کر دیتے تھے۔ بنی سلمہ کا ایک دستہ نکلا اور مدینہ میں بنی اسد کے مکر کو ناکام کیا اور یہ دستہ اپنی مہم میں کامیاب رہا اسی طرح مسلمانوں نے مشرکوں کے مدینہ پر حملہ کو بھی ناکام بنا دیا۔

مشرکین کی ایک جماعت مسلمانوں کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو گئی قبیلۂ ''عضل و قارہ'' کے کچھ لوگ رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ہمارے یہاں ایسے افراد کو بھیجئے جو ہمیں دین کے احکام سکھائیں رسولؐ نے رسالت اسلامیہ کی نشر و اشاعت کی غرض سے کچھ لوگوں کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا مسلمان مبلغین کو ان لوگوں نے: ماء الرجیع پر قتل کر ڈالا، ان مسلمانوں کے قتل کی خبر پہنچنے سے پہلے ہی ابو براء عامری نے رسولؐ سے التماس کی کہ کچھ مبلغین اہل نجد کے لئے بھیج دیجئے جبکہ پہلے انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا رسولؐ نے فرمایا:

''انی اخشیٰ علیھم اھل نجد...''

مجھے اہل نجد کی طرف سے ان کی جان کا خطرہ ہے۔ ابو براء نے عرض کی: ڈریئے نہیں میں ان کو پناہ دینے والا اور ان کا ضامن ہوں، پناہ دینے والے کا اعتبار ہونا چاہیے اس اعتبار کی اتنی اہمیت ہے کہ جزیرۃ العرب میں اسے نسب کے برابر سمجھا جاتا ہے، اس کی بات سن کر رسولؐ مطمئن ہو گئے اور تبلیغ کے لئے ایک وفد روانہ کر دیا لیکن اس وفد کے ساتھ بھی دھوکا کیا گیا، عمر بن طفیل اور بنی سلیم کے قبیلوں نے ان پر زیادتی کی اور ''بئر معونہ'' کے علاقہ میں

---

1 سیرت نبویہ ج ۲ ص ۱۰۲ طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۔

انہیں قتل کر دیا گیا، چنانچہ عمرو بن امیہ کے علاوہ ان میں سے کوئی بھی باقی نہ بچا، اسے انہوں نے چھوڑ دیا تھا رسولؐ کے پاس وہی اس حادثہ کی خبر لے کر آئے لیکن عمرو بن امیہ نے راستہ میں دو آدمیوں کو یہ سوچ کر قتل کر ڈالا کہ یہ عامری ہیں، رسولؐ کو اس کا دکھ ہوا اور عمرو سے فرمایا: تم نے بہت برا کیا، دو آدمیوں کو قتل کر دیا، ان کے لئے میری طرف سے امان تھی وہ میری پناہ میں تھے میں ضرور ان کی دیت ادا کروں گا۔[1]

۷۔ غزوۂ بنی نضیر[2]

مسلمانوں پر پے در پے مصائب پڑ رہے تھے یہاں تک منافقین اور یہودیوں پر بھی یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ مسلمانوں کی ہیبت ختم ہو گئی ہے رسولؐ نے اپنی سیاسی سوجھ بوجھ کے تحت بنی نضیر کے یہودیوں سے معاملات صحیح رکھنے کا ارادہ کیا اور ان دونوں مقتولوں کی دیت دینے میں ان سے مدد طلب کی۔

اسی اثناء میں یہودیوں نے آپؐ کو اپنے محلہ میں دیکھا آپؐ کے ساتھ کچھ مسلمان بھی تھے انہوں نے آپؐ کو خوش آمدید کہا ان کا ارادہ نیک نہیں تھا انہوں نے کہا تشریف رکھئے تاکہ آپؐ کا مطالبہ پورا کر دیا جائے۔ آپ ان کے گھر کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ یہودیوں نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ سوچا کہ پتھر گرا کر آپؐ کو قتل کر دیں۔ اتنے میں آپؐ پر وحی نازل ہوئی اور آپؐ کو ان کے منصوبہ سے خبردار کیا آپؐ صحابہ کو وہیں چھوڑ کر ان کے درمیان سے نکل آئے۔ اس صورت حال سے بنی نضیر کو پریشانی لاحق ہوئی انہیں اس بات پر حیرت ہوئی اور اپنی کارستانی پر بہت پشیمان ہوئے۔ وہاں سے صحابہ بھی جلدی سے مسجد میں رسولؐ کے پاس پہنچ گئے، تاکہ آپؐ کے لوٹنے کا راز معلوم ہو جائے۔ رسولؐ نے فرمایا: ''همّت الیهود بالغدر بی فاخبرنی الله بذالک فقمت''۔[3]

یہودیوں نے مجھے دھوکے سے نقصان پہنچانا چاہا لیکن میرے خدا نے مجھے آگاہ کر دیا۔

چونکہ یہودیوں نے رسولؐ سے کئے ہوئے عہد کو توڑ دیا تھا اس لئے خدا نے ان کے خون کو مباح کر دیا۔ انہوں نے دھوکا دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لہٰذا مدینہ سے جلا وطنی کے علاوہ ان کے لئے اور کوئی چارہ نہیں تھا منافقین کے سردار عبد اللہ بن ابی وغیرہ نے بنی نضیر سے کہا: تم رسولؐ کے حکم کو تسلیم نہ کرو بلکہ ان کا مقابلہ کرو، میں اور میری جماعت تمہاری مدد کرے گی تمہیں تنہا نہیں چھوڑا جائیگا۔ بنی نضیر اپنے قلعوں میں رسولؐ کے حکم کو ماننے یا نہ ماننے کے سلسلہ میں متردد تھے۔

رسولؐ کو منافقین کی ریشہ دوانیوں کی خبر ہوئی تو آپؐ نے مدینہ میں ابن ام مکتوم کو چھوڑا اور بنی نضیر کا محاصرہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہوئے کہا کہ وہ سپر انداختہ ہو جائیں اور ذلت کے ساتھ صرف اتنا مال و اسباب لیکر مدینہ سے چلے جائیں جتنا ان کے اونٹ لے جا سکیں۔[4]

---

1 سیرت نبویہ ج۳ ص ۱۹۳ تا ص ۱۹۵۔

2 غزوۂ بنی نضیر ماہ ربیع الاول ۴ھ میں ہوا۔

3 طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۵۷، متاع الاسماع ج ۱ ص ۱۸۷۔

4 سورۂ حشر میں بنی نضیر کی جلاوطنی بیان ہوئی ہے۔

مسلمانوں کو بہت ساماں واسلحہ غنیمت میں ملا، رسولؐ نے مسلمانوں کو جمع کیا اوران کے سامنے یہ بات رکھی کہ یہ مال غنیمت مہاجرین کو دیدیے جائیں تاکہ انہیں اقتصادی خود مختاری حاصل ہو جائے اور انصار میں سے سہل بن دجانہ اور ان کے والد دجانہ کو بھی دیدیا جائے۔یہ دونوں انصار میں زیادہ غریب تھے۔چنانچہ نبیؐ نے اس غنیمت میں سے ان کو بھی عطا کیا۔[1]

۸۔احد کے بعد فوجی حملے

مدینہ کی فضاسازگاراور پرامن ہوگئی لیکن منافقین اپنی غداریوں کے انکشاف کی وجہ سے پریشان تھے اور انہیں یہ یقین ہوگیا تھا کہ آنے والے زمانہ میں ان کی خبر لی جائے گی،اسی دوران رسولؐ کو یہ اطلاع ملی کہ بنی غطفان مدینہ پر چڑھائی کرنے کی تیاری کررہے ہیں لہذا رسولؐ اور مسلمانوں نے ان کے مقابلہ میں جانے کے لئے جلدی کی جب دشمن سے ان کا سامنا ہوا تو دیکھا کہ وہ مقابلہ کے لئے پوری طرح تیار ہے یہ بھی تیار ہو گئے جس سے دونوں ایک دوسرے سے مرعوب ہوگئے،اور جنگ وقتال کی نوبت نہیں آئی،اس غزوہ میں رسولؐ نے نمازِ خوف پڑھی تھی تاکہ مسلمانوں کو یہ سکھایا جائے کہ دشمن سے چند لمحوں کے لئے بھی غفلت نہیں کی جاسکتی۔مختصر یہ کہ مسلمان بغیر جنگ کئے مدینہ واپس آگئے[2] اس غزوہ کو،ذات الرقاع بھی کہتے ہیں۔

بدر موعد(بدر الصغریٰ)

مسلمانوں کی تنگی کا زمانہ تیزی سے گذررہا تھا۔اب انہیں فن حرب وضرب۔یعنی جنگی امور۔میں کافی مہارت ہوگئی تھی ان کے لئے شریعت کے احکام نازل ہورہے تھے،ان کے تعلقات میں شائستگی آرہی تھی،ان کی زندگی کے امور منظم ہورہے تھے ثبات وپختگی کے لحاظ سے ان کے ایمان میں اضافہ ہو رہا تھا،دینِ اسلام اور ملت اسلامیہ کی حفاظت کے سلسلہ میں ثابت قدمی،قربانی،فداکاری اور اخلاص کے بہت سے قابل قدر نمونے سامنے آچکے تھے۔

قریب تھا کہ جنگ احد کی خفت کے آثار محو ہوجائیں لیکن اب اس دھمکی کا وقت آگیا تھا جو کفر کے سرغنا ابوسفیان نے جنگ احد میں اس طرح دی تھی:

ہماری اور تمہاری وعدہ گاہ بدر ہے،اس جملہ سے اس کی مراد بدر میں ہلاک ہونے والے مشرکین کا انتقام لینا تھا۔رسولؐ اپنے اصحاب میں سے پندرہ سو سپاہیوں کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور بدر میں آٹھ دن تک خیمہ زن رہے مگر مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے کے لئے مشرکین کی کوششیں کامیاب نہیں ہوئیں نہ یہ کہ وہ مقابلہ کے لئے نہیں نکلے بلکہ جب انہیں رسولؐ کے عزم وارادہ کا علم ہوا تو ان پر شدید خوف طاری ہوگیا اس بناپر ابوسفیان مجبوراً وعدہ گاہ کی طرف روانہ ہوا لیکن یہ بہانہ بناکر واپس لوٹ گیا کہ قحط وخشکی نے فوجی تیاری کو متاثر کیا ہے اس اقدام سے ایک طرف قریش کے دامن پر شکست و بزدلی کا داغ لگ گیا اور دوسری طرف مسلمانوں کے حوصلے ومعنویت میں اضافہ ہوا،اس طرح انہوں نے اپنی عافیت وسرگرمی کو دوبارہ حاصل کرلیا۔

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد رسولؐ کو یہ خبر ملی کہ دومۃ الجندل کے باشندوں نے راہزنی شروع کردی ہے اور وہ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں چنانچہ ان سے مقابلہ کیلئے رسولؐ ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ روانہ ہوئے،دشمن کو جب یہ اطلاع ملی کہ رسولؐ مقابلہ کے لئے آرہے ہیں تو اس نے فرار ہی میں عافیت سمجھی چنانچہ وہ بہت ساماں چھوڑ گیا جو جنگ وقتال کے بغیر مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔[3]

---

1 ارشاد ص ۴۷۔

2 سیرت نبویہ ج ۲ ص ۲۰۴۔

3 سیرت نبویہ،ابن کثیر ج ۳ ص ۱۷۷،الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۶۲۔

۹۔ غزوۂ بنی مصطلق اور نفاق کی ریشہ دوانیاں

اس کے بعد کچھ نئی خبریں گشت کرنے لگیں معلوم یہ ہوا کہ حارث بن ابی ضرار۔بنی مصطلق کا سردار۔مدینہ پر فوج کشی کرنے کا منصوبہ بنارہا ہے۔رسولؐ نے۔جیسا کہ آپؐ کی عادت تھی۔پہلے خبر کی تحقیق کرائی جب اس کی صداقت کا علم ہوا تو آپؐ نے مسلمانوں کو جنگ کے لئے جمع کیا وہ دشمن سے مقابلہ کے لئے نکلے "المریسیع" کے مقام پر لشکر اسلام کا اس سے مقابلہ ہوا۔گھمسان کارن پڑا لیکن جب مشرکین کے دس آدمی مارے گئے تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کو بہت سامال غنیمت ملا اور بنی مصطلق کی بہت سی عورتیں اسیر ہوئیں ان میں حارث کی بیٹی جویریہ بھی تھی،رسولؐ نے اسے آزاد کرنے کے بعد اس سے عقد کر لیا اس رشتہ کے اکرام واحترام میں مسلمانوں نے سارے اسیروں کو آزاد کر دیا۔[1]

اس جنگ میں قریب تھا کہ مہاجرین وانصار کے درمیان پہلی کی بنا پر فتنہ بپا ہو جائے رسولؐ کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا:

"دعوھا فانھا فتنۃ"[۲]

جانے دو یہ فتنہ ہے،منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے فتنہ بپا کرنے اور اختلاف ڈالنے کی کوشش کی اور اہل مدینہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا:اگر ہم مدینہ واپس گئے تو ہم عزت والے ان ذلیل لوگوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔اگر رسول عبداللہ بن ابی کے قتل کے سلسلہ میں عمر بن خطاب کی رائے کو یہ کہہ کر رد نہ کرتے،کہ جانے دو:اے عمر لوگ یہ کہیں گے کہ محمد اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کر رہے ہیں اور دوسری طرف[3] جلدی سے مدینہ واپس جانے کا حکم نہ دیا ہوتا تو وہ اپنی نفاق پروری اور فتنہ پردازی میں کامیاب ہو جاتا۔رسولؐ نے راستہ بھر مسلمانوں کو آرام کرنے کی بھی اجازت نہیں دی رات دن مسلمانوں کے ساتھ چلتے ہی رہے جب آپ نے انہیں آرام کی اجازت دی تو شدید تکان کی وجہ سے لوگ سوتے ہی رہے ان کو بات کرنے اور بال کی کھال نکالنے کی فرصت ہی نہیں ملی۔مدینہ کے دروازہ پر عبداللہ بن عبداللہ بن ابی نے رسولؐ سے گزارش کی کہ اس کے باپ کو کوئی مسلمان قتل نہ کرے ہو سکتا ہے اس سے اس کی رگ،حمیت پھڑک اٹھے اور باپ کے خون کا انتقام لینے پر آمادہ ہو جائے لہٰذا وہ اپنے ہاتھ سے اپنے باپ کو قتل کرنا چاہتا ہے،نبیؐ نے فرمایا: "بل نترفق بہ نحن صحبتہ ما بقی معنا" ہم اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں گے اور جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے،ہم اس رفاقت کی قدر کریں گے۔

اس کے بعد عبداللہ ابن ابی کا بیٹا دروازہ پر کھڑا ہو گیا تاکہ اپنے باپ کو رسولؐ کی اجازت کے بغیر مدینہ میں داخل نہ ہونے دے۔[4] اسی موقع پر سورۂ منافقون نازل ہوا تاکہ ان کی غداری ومکاری طشت از بام ہو جائے۔

1 تاریخ طبری ج۳ص ۲۰۴،امتاع الاسماع ج۱ص ۱۹۵۔
2 سیرت نبویہ ج۱ص ۲۹۰۔
3 امتاع الاسماع ج۱ص ۲۰۲۔
4 سیرت نبویہ ج۲ص ۲۹۲۔

۱۰۔رسوم جاہلیت کی مخالفت

ایک دن نبیؐ اپنی فیاض طبیعت اور انسانیت کی محبت سے لبریز دل کے ساتھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''یا من حضر اشھدوا ان زید أھذا ابنی''[1] حاضرین گواہ رہنا یہ زید میرا بیٹا ہے اس طرح زید غلامی سے آزاد ہو کر محبوب خدا کے بیٹے بن گئے اور ابتدائے بعثت میں رسولؐ پر سچے دل سے ایمان لائے۔ اسی طرح زمانہ گزرتا رہا یہاں تک کہ زید رسولؐ کی سرپرستی میں بالغ اور بڑے ہو گئے تو مصلح اعظم رسولؐ اکرم نے زید کی شادی کے لئے اپنی پھوپھی کی بیٹی زینب بنت جحش کو منتخب کیا۔ زینب نے یہ بات پسند نہ کی کہ وہ اپنی سماجی واجتماعی حیثیت اور عالی نسبی سے نیچے اتر کر اس شخص سے شادی کریں جو کہ پہلے غلام تھا لیکن ان کے سچے ایمان نے انہیں خدا کا حکم تسلیم کرنے پر مجبور کیا کیونکہ خدا فرماتا ہے :

(وما کان لمومن و لا مومنة اذا قضی اللّٰہ و رسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ فی امرھم)[۲]

اور جب خدا اور اس کا رسولؐ کسی امر کا فیصلہ کر دیں تو پھر کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے امر میں خود مختار بن جائے۔ اس طرح رسولؐ نے جاہلیت کی فرسودہ رسم پر خط بطلان کھینچ دیا اور دائمی رسالت کے اقدار کو بروئے کار لا کر بہترین مثال قائم کر دی۔ لیکن تہذیب کے اختلاف اور طبیعتوں کے فرق کی وجہ سے یہ رشتہ کامیاب ثابت نہ ہوا۔ پھر معاشرہ میں کچھ جاہلیت کی بو تھی، دونوں کے درمیان جو اختلافات ہو گئے تھے انہیں رفع کرنے کے لئے رسولؐ نے کوشش کی تاکہ معاملہ کے تمام راستے بند نہ ہو جائیں چنانچہ زید سے فرمایا: اپنی زوجہ کو رکھو اور خدا سے ڈرو! مگر زینب بنت جحش سے زید کا شکوہ بڑھتا ہی گیا نتیجہ میں طلاق ہو گئی۔

عرب میں یہ رسم ہو گئی تھی کہ وہ متبنیٰ (جس کو پالا ہے) کو بھی اپنا حقیقی بیٹا سمجھتے تھے اس رسم کو باطل قرار دینے کے لئے خدا کی طرف سے یہ حکم ہوا:

(وما جعل ادعیائکم ابنائکم ذلکم قولکم بافواھکم و اللّٰہ یقول الحق و ھو یھدی السبیل)[۳]

اور خدا نے تمہاری منھ بولی اولاد کو تمہارا بیٹا نہیں قرار دیا ہے یہ تمہاری زبانی باتیں ہیں خدا تو بس حق کہتا ہے اور سیدھے راستہ کی ہدایت کرتا ہے۔

ہاں وہ دین میں تمہارے بھائی اور تمہارے دوست ہیں۔ خدا نے اس رسم کو باطل قرار دینے کے لئے اپنے نبیؐ کو حکم دیا کہ۔ زید کے طلاق دینے اور عدت کے ختم ہونے کے بعد آپؐ زینب بنت جحش سے نکاح کر لیں۔ اس سلسلہ میں کچھ آیتیں نازل ہوئیں جن میں نبیؐ کو اس بات پر ابھارا گیا کہ آپ جاہلیت کی اس رسم کو باطل کریں۔ لوگوں سے نہ ڈریں بلکہ پوری جرأت و شجاعت کے ساتھ خدا کے احکام کو نافذ کریں۔[4]

---

1 احزاب:۳۶۔

2 اسد الغابہ ج۲ص ۲۳۵، استیعاب مادہ زید۔

3 احزاب:۴۔

4 احزاب:۳۷تا۴۰، تفسیر المیزان ج۱۶ص ۲۹۰، مفاتیح الغیب ج۲۵ص ۲۱۲، روح المعانی ج۲۲ص ۲۳۔

تیسری فصل

مشرک طاقتوں کا اتحاد اور خدائی طاقت کی طرف سے جواب

جنگ خندق میں مشرک کی طاقتوں کا اتحاد

۵ھ ختم ہوا چاہتا ہے، پورا سال بحران اور فوجی کاروائیوں میں گذرا، مسلمان ان حالات سے گذر گئے ان جنگوں کا مقصد نئی اسلامی حکومت کے نظام کا دفاع کرنا اور مدینہ میں امن وامان قائم کرنا تھا۔ دین اور اسلامی حکومت کی دشمنی میں رونما ہونے والے حوادث و واقعات کے مختلف پہلو اور ان کی جداگانہ نوعیت تھی ان چیزوں سے اور اپنی یکجہتی و اتحاد کے ذریعہ یہودیوں نے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی لہذا انہوں نے دشمنی کی آگ بھڑکانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ جزیرۃ العرب سے اسلام کا نام ونشان مٹ جائے چنانچہ جب مشرکین نے ان یہودیوں سے یہ معلوم کیا کہ دین اسلام افضل ہے یا شرک؟ تو انہوں نے کہا: بت پرستی دین اسلام سے بہتر ہے[1] اس طرح وہ مشرک قبیلوں کو جمع کرنے، انہیں جنگ پر اکسانے اور حکومت اسلامی کے پائے تخت مدینہ کی طرف روانہ کرنے میں کامیاب ہو گئے؛ دیکھتے ہی دیکھے یہ خبر معتبر و موثق لوگوں کے ذریعہ رسولؐ تک پہنچ گئی جو کہ ہر سیاسی تحریک کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور بہت زیادہ بیدار و تیز بین تھے۔

اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے رسولؐ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا، مشورہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مدینہ کے میدانی رقبہ میں خندق کھود دی جائے، رسولؐ نے مسلمانوں کے درمیان کام تقسیم کر دیا، خندق کھودنے میں آپ بھی مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے اور انہیں اس طرح ابھارتے تھے:

''لا عیش الا عیش الآخرۃ اللھم اغفر للانصار و المھاجرۃ''۔[۲]

زندگی تو بس آخرت ہی کی ہے اے اللہ انصار ومہاجرین کی مغفرت فرما۔

اگرچہ اس کام میں مخلص مسلمانوں نے ہمت وثابت قدمی کا اظہار کیا تھا لیکن کام چور اور منافقین نے اس موقعہ پر بھی اپنا ہاتھ دکھا دیا۔

مختصر یہ کہ دس ہزار سے زیادہ فوجیوں پر مشتمل مشرکین کے لشکر نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا لیکن خندق کی وجہ سے وہ باہر ہی رہے۔ اس دفاعی طریقہ کار کو دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گئے کیونکہ وہ اس سے واقف نہیں تھے۔ رسولؐ تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ نکلے اور سلع پہاڑ کے دامن میں پڑاؤ ڈالا۔ اور کسی بھی اتفاقی صورت حال سے نمٹنے کے لئے لوگوں میں ذمہ داری اور کام تقسیم کر دیئے۔

---

1 جیساکہ سورۂ نساء آیت ۵۱ میں بیان ہوا ہے۔

2 البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر، ج۴ ص۹۶، مغازی ج۱ ص۴۵۳۔

مشرکین کی فوجیں تقریباً ایک مہینے تک مدینہ کا محاصرہ کئے رہیں مگر مدینہ میں داخل نہیں ہو سکیں یہ مسلمانوں کے لئے بہترین جگہ تھی۔ان کے پاس ایک ہی سورما تھا اور وہ تھے علی بن ابی طالبؑ جب علیؑ بن ابی طالبؑ عرب کے سب سے بڑے سورما عمرو بن عبد ود سے مقابلہ کے لئے نکلے اور کوئی مسلمان اس کے مقابلہ میں جانے کے لئے تیار نہ ہوا تو رسولؐ نے حضرت علیؑ کی شان میں فرمایا:

''برز الایمان کله الیٰ الشرک کله'' [1]

آج کل ایمان کل شرک کے مقابلہ میں جارہا ہے۔

مشرکین نے بنی قریظہ کے یہودیوں سے مدد مانگی حالانکہ انہوں نے رسولؐ سے یہ معاہدہ کر رکھا تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک نہیں ہونگے،رسولؐ کو یہود کے جنگ میں شریک ہونے اور مسلمانوں کے خلاف داخلی محاذ کھولنے کا یقین ہو گیا لہذا آپؐ نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو ان کے پاس بھیجا تاکہ وہ اس خبر کی تحقیق کریں انہوں نے بتایا کہ خبر صحیح ہے اس پر رسولؐ نے تکبیر کہی:''اللہ اکبر ابشروا یا معاشر المسلمین بالفتح''،[2] اللہ بزرگ و برتر ہے اور اے مسلمانو! تمہیں فتح مبارک ہو۔

مسلمانوں کی مشکلات

محاصرہ کے دوران مسلمان یقیناً بہت سی مشکلوں سے دوچار ہوئے تھے ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔کھانے کی اشیاء کی قلت تھی بلکہ مسلمانوں پر بھوک کے سائے منڈلانے لگے تھے۔[3]

۲۔موسم بہت سخت تھا،سردی کی طویل راتوں میں شدید ٹھنڈ پڑرہی تھی۔

۳۔منافقوں نے مسلمانوں کی صفوں میں نفسیاتی جنگ بھڑکادی تھی وہ انہیں جنگ میں جانے سے روکنا چاہتے تھے اور اس سلسلہ میں ثابت قدم رہنے سے انہیں ڈراتے تھے۔

۴۔محاصرہ کے زمانہ میں مسلمان اس خوف سے سو نہیں سکتے تھے کہ حملہ نہ ہو جائے،اس سے وہ جسمانی طور پر کمزور ہو گئے تھے اس کے علاوہ مشرکین کی فوجوں کے مقابلہ میں ان کی تعداد بھی کم تھی۔

۵۔بنی قریظہ کی غداری،اس سے مسلمانوں کے لئے داخلی خطرہ پیدا ہو گیا تھا اور چونکہ ان کے اہل و عیال مدینہ میں تھے اس لئے وہ ان کی طرف سے فکر مند تھے۔

---

1 احزاب:۱۲تا۲۰۔

2 المغازی ج۱ص۴۵۶،بحار الانوار ج۲۰ص۲۲۲۔

3 مغازی ج۲ص۴۷۵،۴۵۶،۴۸۹۔

دشمن کی شکست

مشرکین کی فوجوں کے مقاصد مختلف تھے،یہودی تو یہ چاہتے تھے کہ مدینہ میں ان کا جو اثر ورسوخ تھا وہ واپس مل جائے جبکہ قریش کو رسولؐ اور آپؐ کی رسالت ہی سے عداوت تھی، غطفان، فزارہ وغیرہ کو خیبر کی پیداوار کی طمع تھی، یہودیوں نے اس کا وعدہ کیا تھا۔ دوسری طرف محاصرہ کی مدت دراز ہونے کی وجہ سے مشرکین فوجیں بھی اکتا گئی تھیں وہ مسلمانوں کے طرز تحفظ اور ان کی ایجاد سے بھی محو حیرت تھیں،اس وقت مشرکین کی فوجوں اور یہودیوں کی حالت کو نعیم بن مسعود نے اسلام قبول کرنے کے بعد بیان کیا تھا وہ خدمت رسولؐ میں حاضر ہوا اور عرض کی: آپؐ جو چاہیں مجھے حکم دیں:

رسولؐ نے فرمایا: ہمارے درمیان تم ایک ہی آدمی ہو لہذا جہاں تک تم سے ہو سکے انہیں جنگ میں پسپا ہو جانے کی ترکیب کرنا کیونکہ جنگ ایک دھوکا ہے۔

خدا کی طرف سے مشرکین کی فوجوں کو شدید آندھی نے آلیا جس نے ان کے خیموں کو اکھاڑ کر پھینک دیا اور ان کی دیگوں کو الٹ دیا، اس صورت حال کو دیکھ کر قریش پر خوف وہراس طاری ہو گیا ابوسفیان نے قریش سے کہا بھاگ چلو چنانچہ وہ جتنا سامان لے جا سکتے تھے اپنے ساتھ لے گئے ان کے ساتھ دوسرے قبیلے بھی کوچ کر گئے صبح تک ان میں سے کوئی باقی نہ بچا۔

(و کفٰی اللّٰہ المومنین القتال)[1]

غزوۂ بنی قریظہ اور مدینہ سے یہودیوں کا صفایا

جنگ خندق کے دوران قریظہ کے یہودیوں نے اپنے دل میں چھپی ہوئی اسلام دشمنی کو آشکار کر دیا اگر مشرکین فوجوں کو خدا نے ذلیل ورسوا نہ کیا ہوتا تو بنی قریظہ کے یہودیوں نے مسلمانوں کی پشت میں چھرا بھونک دیا ہوتا تھا اب رسولؐ کے لئے ضروری تھا کہ ان کی خیانت کا علاج کریں۔ لہذا رسولؐ نے قبل اس کے کہ مسلمان آرام کریں، یہ حکم دیا کہ مسلمان یہودیوں کے قلعوں کا محاصرہ کریں، اس سے نئی فوجی کاروائی کی اہمیت کو بھی ثابت کرنا تھا چنانچہ منادی نے مسلمانوں کو ندا دی جو مطیع سامع ہے اسے چاہئے کہ نمازِ عصر بنی قریظہ میں پڑھے۔[2]

رسولؐ نے پرچم حضرت علیؑ کو عطا کیا مسلمان بھوک و بیداری اور تکان کے ستائے ہوئے تھے اس کے باوجود وہ حضرت علیؑ کی قیادت میں روانہ ہو گئے...یہودیوں نے جب یہ دیکھا کہ رسولؐ مسلمانوں کے ساتھ ان کا محاصرہ کر رہے ہیں تو ان پر خوف ودہشت طاری ہو گئی اور انہیں یہ یقین ہو گیا کہ نبیؐ جنگ کئے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔

یہودیوں نے ابولبابہ بن عبدالمنذر کو بلایا۔ وہ ان کے حلیفوں میں سے ایک تھا تا کہ اس سلسلہ میں اس سے مشورہ کریں لیکن جب اس نے ان سے وہ بات بتائی جو ان کے سامنے آنے والی تھی تو چھوٹے بڑے یہودی رونے لگے[3] اور یہ پیشکش کی کہ انہیں ان کی گذشتہ خیانت کی سزا نہ دی جائے بلکہ وہ مدینہ

---

1 اس موقعہ پر سورۂ احزاب نازل ہوا جس میں جنگ خندق کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

2 طبری ج۳ص ۱۷۹۔

3 سیرت نبویہ ج۲ص ۲۳۷۔

چھوڑ کر چلے جائیں گے رسولؐ نے ان کی اس پیشکش کو مسترد کر دیا اور فرمایا کہ خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم کے سامنے سر جھکانا پڑے گا۔ اوس نے رسولؐ کی خدمت میں یہودیوں کی سفارش کی تو آپؐ نے فرمایا: کیا تمھیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ میں اپنے اور تمہارے حلیف۔یہودیوں کے درمیان تمہیں میں سے ایک شخص کو حکم بنادوں؟ انہوں نے کہا: ہاں اے اللہ کے رسولؐ ہمیں یہ منظور ہے۔رسولؐ نے فرمایا: ان۔یہودیوں۔سے کہہ دو کہ اوس میں سے جس کو چاہیں منتخب کر لیں چنانچہ یہودیوں نے سعد بن معاذ کو اپنا حکم منتخب کیا۔[1] یہ یہودیوں کی بد قسمتی تھی کیونکہ جب مشرکین کی فوجوں نے مدینہ کا محاصرہ کیا تھا اس وقت سعد بن معاذ یہودیوں کے پاس گئے تھے اور ان سے یہ خواہش کی تھی کہ تم غیر جانبدار رہنا لیکن یہودیوں نے ان کی بات نہیں مانی تھی۔اس وقت سعد بن معاذ زخمی تھے۔انہیں اٹھا کر رسولؐ کی خدمت میں لایا گیا رسولؐ نے ان کا استقبال کیا اور موجود لوگوں سے فرمایا کہ اپنے سردار کا استقبال اور ان کی تعظیم کرو انہوں نے بھی استقبال کیا اس کے بعد سعد نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے مردوں کو قتل کیا جائے اور عورتوں، بچوں کو قید کر لیا جائے اور ان کے اموال کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔رسولؐ نے فرمایا: ان کے بارے میں تم نے وہی فیصلہ کیا ہے جو خدا نے سات آسمانوں کے اوپر کیا ہے۔[2]

پھر رسولؐ نے بنی قریظہ کا مال خمس نکالنے کے بعد مسلمانوں میں تقسیم کر دیا ان کی عورتوں اور بچوں کو بھی مسلمانوں کے سپرد کر دیا، سواروں کو تین حصے اور پیادوں کو ایک حصہ دیا، خمس زید بن حارثہ کو عطا کیا اور یہ حکم دیا کہ اس سے گھوڑا، اسلحہ اور جنگ میں کام آنے والی دوسری چیزیں خرید لو تاکہ آئندہ مہم میں کام آئے۔[3]

---

1 سیرت نبویہ ج۲ ص۲۳۹، ارشاد ص۵۰۔

2 سیرت نبویہ ج۲ ص۲۴۰، مغازی ج۲ ص۵۱۰۔

3 سیرت نبویہ ج۲ ص۲۴۱۔

پانچواں باب

پہلی فصل

فتح کا مرحلہ

دوسری فصل

اسلام کی تبلیغ جزیرۃ العرب سے باہر

تیسری فصل

جزیرۃ العرب سے بت پرستی کا خاتمہ

چوتھی فصل

حیات رسولؐ کے آخری ایام

پانچویں فصل

اسلامی رسالت کے آثار

چھٹی فصل

خاتم الانبیاءؐ کی میراث

پہلی فصل

فتح کا مرحلہ

ا۔ صلح حدیبیہ

ہجرت کا چھٹا سال ختم ہونے والا ہے۔ مسلمانوں کا یہ سال مسلسل جہاد اور دفاع میں گذرا ہے، مسلمانوں نے اسلامی رسالت کی نشر واشاعت، انسان سازی، اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور اسلامی تہذیب کی داغ بیل ڈالنے کے لئے بہت جانفشانی کی ہے۔ جزیرۃ العرب کا ہر شخص اس دین کی عظمت سے واقف ہو گیا ہے اور یہ جانتا ہے کہ اسے مٹانا آسان کام نہیں ہے۔ سیاسی و فوجی اعتبار سے قریش جیسی عظیم طاقت۔ یہود اور دوسرے مشرکین سے جنگ میں الجھنا بھی اسلام کی نشر واشاعت اور اس کے مقاصد میں کامیابی کو نہیں روک سکا۔

خانۂ کعبہ کسی ایک کی ملکیت نہیں تھا اور نہ کسی مذہب سے مخصوص تھا نہ خاص عقیدہ رکھنے والوں سے متعلق تھا ہاں اس میں کچھ بت وصنم رکھے ہوئے تھے ان کے ماننے والے ان کی زیارت کرتے تھے۔ مگر قریش کے سرکشوں کو یہ ضد تھی کہ رسول اور مسلمانوں کو حج نہیں کرنے دیں گے۔ اس زمانہ میں رسولؐ نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اسلام کے خلاف قریش کا جو موقف تھا اب اس میں پہلی سی شدت نہیں رہی ہے لہذا آپؐ نے مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کرنے کا ارادہ کیا تاکہ عمرہ کے دوران اسلام کی طرف دعوت دی جائے، اسلامی عقائد کی وضاحت کی جائے اور یہ ثابت کیا جائے کہ اسلام خانۂ کعبہ کو مقدس و محترم سمجھتا ہے۔ اس مرحلہ میں رسولؐ دفاعی صورت سے نکل کر حملہ و ہجوم کی صورت میں آنا چاہتے تھے۔

رسولؐ اور آپؐ کے اصحاب نے دشوار راستہ سے سفر کیا۔ پھر حدیبیہ نامی ہموار زمین پر پہنچے تو رسولؐ کا ناقہ بیٹھ گیا آپؐ نے فرمایا:

''ماهذا لها عادة ولكن حبسها حابس الفيل بمكة''۔[۱]

اس کی یہ عادت نہیں ہے لیکن اسے اسی ذات نے بٹھایا ہے جس نے مکہ سے ہاتھی کو روکا تھا۔ پھر آپؐ نے مسلمانوں کو سواریوں سے اترنے کا حکم دیا اور فرمایا:

---

1 بحار الانوار ج ۲۰ ص ۲۲۹۔

"لاتدعونی قریش الیوم الیٰ خطة یسالوننی فیها صلة الرحم الا اعطیهم ایاها"۔[1]

اگر آج قریش مجھ سے صلہ رحمی کا سوال کریں گے تو میں اسے ضرور پورا کر دوں گا۔ مگر قریش مسلمانوں کی گھات ہی میں رہے اور ان کے سواروں نے مسلمانوں کا راستہ روک دیا اس کے بعد قبیلۂ خزاعہ کے کچھ افراد پر مشتمل ایک وفد رسولؐ کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ یہ معلوم کیا جائے کہ نبیؐ کی آمد کا مقصد کیا ہے اس وفد کی سربراہی بدیل بن ورقاء کر رہا تھا ان لوگوں کو اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکیں۔ یہ وفد واپس آیا اور قریش کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ نبیؐ کا مقصد خیر سگالی اور عمرہ بجالانا ہے لیکن قریش نے اس کی بات پر کان نہ دھرے بلکہ حلیس کی سرکردگی میں ایک اور وفد روانہ کیا۔ جب رسولؐ نے اس وفد کو آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: یہ خدا پرست قوم سے تعلق رکھتا ہے، چنانچہ حلیس قربانی کے اونٹوں کو دیکھتے ہی رسولؐ سے ملاقات کئے بغیر واپس چلا گیا تاکہ قریش کو اس بات سے مطمئن کرے کہ رسولؐ اور مسلمان عمرہ کرنے آئے ہیں۔ مگر قریش ان کی بات سے بھی مطمئن نہ ہوئے اور مسعود بن عروہ ثقفی کو بھیجا اس نے دیکھا کہ مسلمان رسولؐ کے وضو کے پانی کا قطرہ بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے بلکہ اسے حاصل کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت کر رہے ہیں وہ قریش کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے قریش کے لوگو! میں نے کسریٰ کو اس کے ملک (ایران) میں اور قیصر کو اس کے ملک (روم) میں اور نجاشی کو اس کے ملک حبشہ میں دیکھا ہے خدا کی قسم! میں نے کسی بادشاہ کو اپنی قوم میں اتنا معزز نہیں پایا جتنے معزز اپنے اصحاب میں محمد ہیں، میں نے ان کے پاس ایسے لوگ دیکھے ہیں جو کسی بھی طرح ان سے جدا نہیں ہونگے۔ اب تم غور کرو۔[2]

رسولؐ نے حرمت کے مہینوں کے احترام میں مسلمانوں سے یہ فرمایا تھا کہ اپنے اس عبادی سفر میں اپنے ساتھ اسلحہ نہ لے جانا ہاں مسافر جیسا اسلحہ اپنے ساتھ رکھ سکتے ہو۔ اسی طرح مدینہ کے آس پاس بسنے والے قبائل سے یہ فرمایا: اس سفر میں تم بھی مسلمانوں کے ساتھ چلو، حالانکہ وہ مسلمان نہیں تھے، تاکہ دنیا کو یہ بتادیں کہ دوسری طاقتوں سے اسلام کے روابط جنگ کی بنیاد پر ہی استوار نہیں ہیں۔

رسولؐ نے ۔کم سے کم۔ چودہ سو مسلمان سپاہی جمع کئے اور قربانی کیلئے ستر اونٹ بھیجے۔ قریش کو بھی یہ خبر ہوگئی کہ رسولؐ اور مسلمان عمرہ کی غرض سے روانہ ہو چکے ہیں، اس سے قریش میں بے چینی بڑھ گئی۔ ان کے سامنے دو ہی راستے تھے یا تو مسلمانوں کو عمرہ کرنے کی اجازت دیدیں، کہ اس سے مسلمانوں کی آرزو پوری ہو جائیگی وہ خانۂ کعبہ کی زیارت کرلیں گے اور وہ اپنے خاندان والوں سے ملاقات کرلیں گے اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دیں گے۔ یا قریش مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیں، لیکن اس سے قریش کی وضعداری کو دھچکا لگے گا اور دوسری قومیں انہیں اس بات پر ملامت کریں گی کہ تم نے ان لوگوں کے ساتھ نیک سلوک نہیں کیا جو مناسک عمرہ بجالانا اور کعبہ کی تعظیم کرنا چاہتے تھے۔ قریش نے سرکشی اور مخاصمت کا راستہ اختیار کیا، رسولؐ اور مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے خالد بن ولید کی سرکردگی میں دو سو سوار بھیجے جبکہ رسولؐ احرام کی حالت میں نکلے تھے نہ کہ جنگ کرنے کی غرض سے اس صورت حال کو دیکھ کر آنحضرتؐ نے فرمایا:

---

1 طبری ج۳ ص۲۱۶۔

2 مغازی ج۲ ص۵۹۸۔

”یا ویح قریش لقد اکلتھم الحرب ماذا علیھم لو خلوا بینی و بین العرب فان ھم اصابونی کان الذی ارادوا و ان اظھرنی اللّٰہ علیھم دخلوا فی الاسلام وافرین وان لم یفعلوا قاتلوا بھم قوۃ فما تظن قریش؟ فواللّٰہ لا ازال اجاہد علیٰ الذی بعثنی اللّٰہ بہ حتی یظھرہ اللّٰہ او تنفرد ھذہ السالفۃ۔“

افسوس ہے قریش کے اوپر کہ جنگ نے انہیں تباہ کر دیا، اگر وہ مجھے دوسرے اعراب کے درمیان چھوڑ دیتے اور وہ مجھ پر کامیاب ہو جاتے تو ان کا مقصد پورا ہو جاتا اور اگر میں ان پر فتحیاب ہوتا تو یا وہ اسلام قبول کرتے یا اپنی محفوظ طاقت کے ساتھ مجھ سے جنگ کرتے لیکن نہ جانے قریش کیا سمجھے ہیں؟ خدا کی قسم میں اس اسلام کے لئے ہمیشہ جنگ کرتا رہونگا جس کے لئے خدا نے مجھے بھیجا ہے یہاں تک کہ خدا مجھے کامیاب کرے، میں اس راہ میں اپنی جان دے دوں۔

پھر آپؐ نے جنگ سے احتراز کرتے ہوئے قریش کے سواروں سے بچ کر نکلنے کا حکم دیا۔ اس راستہ پر چلنے سے قریش کے سواروں کے ہاتھ ایک بہانہ آجاتا۔ اس کے بعد رسولؐ نے خراش بن امیہ خزاعی کو قریش سے گفتگو کے لئے روانہ کیا لیکن قریش نے ان کے اونٹ کو پے کر دیا قریب تھا کہ انہیں قتل کر دیتے، قریش نے کسی رواداری اور امان کا لحاظ نہیں کیا۔ کچھ دیر نہ گذری تھی کہ قریش نے پچاس آدمیوں پر یہ ذمہ داری عائد کر دی کہ تم مسلمانوں کے اطراف میں گردش کرتے رہو اور ممکن ہو تو ان میں سے کچھ لوگوں کو گرفتار کر لو، حالانکہ یہ چیز صلح کے منافی تھی اس کے باوجود ان کا وہ منصوبہ کامیاب نہیں ہوا۔ اس کے برعکس مسلمانوں نے انہیں گرفتار کر لیا، لیکن رسولؐ نے انہیں معاف کر دیا اور اپنی صلح پسندی کو ظاہر وثابت کر دیا۔[1]

آنحضرتؐ نے سوچا کہ قریش کے پاس دوسرا نمائندہ بھیجا جائے، حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو نمائندہ بنا کر نہیں بھیج سکتے تھے کیونکہ اسلام سے دفاع کے سلسلہ میں ہونے والی جنگوں میں علیؑ نے عرب کے سورماؤں کو قتل کیا تھا لہٰذا اس مہم کو سر کرنے کے لئے عمر بن خطاب سے فرمایا لیکن انہیں یہ خوف لاحق ہوا کہ قریش انہیں قتل کر دیں گے حالانکہ عمر نے قریش میں سے کسی ایک آدمی کو بھی قتل نہیں کیا تھا پھر بھی انہوں نے رسولؐ سے یہ درخواست کی کہ عثمان بن عفان کو بھیج دیجئے[2] کیونکہ وہ اموی ہیں اور ابوسفیان سے ان کی قرابت بھی ہے۔ عثمان نے لوٹنے میں تاخیر کی تو یہ افواہ پھیل گئی کہ انہیں قتل کر دیا گیا۔ اس سے مکہ میں داخل ہونے کی جو مصالحت آمیز کوششیں ہوئی تھیں وہ سب ناکام ہو گئیں۔ رسولؐ نے دیکھا کہ جنگ کی تیاری بھی نہیں ہے اسی موقعہ پر بیعت رضوان ہوئی، آنحضرتؐ ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے اور اصحاب نے اس بات پر آپؐ کی بیعت کی کہ جو بھی ہوگا ہم ثابت قدمی واستقامت سے کام لیں گے۔ عثمان کے واپس آنے سے مسلمانوں کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور قریش نے رسولؐ سے گفتگو کے لئے سہیل بن عمرو کو بھیجا۔

صلح کے شرائط

صلح کے شرائط کے سلسلہ میں سہیل چونکہ سخت تھا اس لئے قریب تھا کہ مذاکرات ناکام ہو جائیں مگر آخر میں درج ذیل شرائط صلح پر فریقین متفق ہو گئے:

۱۔ فریقین عہد کرتے ہیں کہ دس سال تک جنگ نہیں ہوگی، اس عرصہ میں لوگ امان میں رہیں گے اور کوئی کسی پر حملہ نہیں کرے گا۔

---

1 تاریخ طبری ج۳ص ۲۲۳۔

2 سیرت نبویہ ج۲ص ۳۱۵۔

۲۔ اگر قریش میں سے کوئی شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمدؐ کے پاس آئیگا تو اسے واپس لوٹایا جائیگا لیکن اگر کوئی شخص محمدؐ کی طرف سے قریش کے پاس آئیگا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ جو شخص محمد کے معاہدہ میں شامل ہونا چاہے وہ اس میں شامل ہو سکتا ہے اور جو قریش کے معاہدہ میں داخل ہونا چاہئے وہ اس میں داخل ہو سکتا ہے۔

۴۔ اس سال محمد اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ واپس جائیں گے مکہ میں داخل نہیں ہونگے ہاں آئندہ سال مکہ میں داخل ہونگے اور تین دن تک قیام کریں گے، اس وقت ان کے پاس صرف مسافر کا اسلحہ تلوار ہوگی کو بھی نیام میں رکھیں گے۔[1]

۵۔ کسی پر یہ دباؤ نہیں ڈالا جائیگا کہ وہ اپنا دین چھوڑ دے اور مسلمان مکہ میں آزادی کے ساتھ علی الاعلان خدا کی عبادت کریں گے، مکہ میں اسلام ظاہر و آشکار ہوگا نہ کوئی کسی کو اذیت دے گا اور نہ برا کہے گا۔[2]

۶۔ چوری اور خیانت کا ارتکاب نہیں کیا جائیگا بلکہ فریقین میں سے ہر ایک دوسرے کے اموال کو محترم سمجھے گا۔[3]

۷۔ قریش محمدؐ اور ان کے اصحاب پر کوئی پابندی عائد نہیں کریں گے۔[4]

بعض مسلمان صلح کے شرائط سے راضی نہیں ہوئے چنانچہ انہوں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ نبیؐ قریش سے ڈر گئے ہیں آپؐ پر اعتراض کیا وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ نبیؐ خدا کی طرف سے خیر پر ہیں اور اسی رسالت اور اس کے عظیم فوائد کو مستقبل سے آگاہ نظر سے دیکھتے ہیں رسولؐ نے ان کی بات کو رد کرتے ہوئے فرمایا: ''انا عبد اللہ ورسولہ لن اخالف امرہ ولن یضیعنی'' میں خدا کا بندہ اور اس کا رسولؐ ہوں میں اس کے حکم کے خلاف نہیں کرونگا اور وہ مجھے ضائع نہیں کرے گا۔ رسولؐ نے انہیں شرائط کو برقرار رکھا جو مسلمانوں کو پسند نہیں تھے۔ ابو جندل کو قریش کے حوالے کرنے سے[5] کشید گی پیدا ہو گئی، بعض تو نفسیاتی الجھن میں مبتلا ہو گئے۔

لیکن یہ صلح، ان لوگوں کے نظریہ کے برخلاف جو صلح کے شرائط کا دوسرا مفہوم سمجھ رہے تھے، مسلمانوں کے لئے کھلی اور عظیم فتح تھی کیونکہ صلح کے شرائط تھوڑی ہی مدت کے بعد مسلمانوں کے حق میں ہو گئے تھے۔

جب آپؐ مدینہ واپس آرہے تھے اس وقت قرآن مجید کی کچھ آیتیں نازل ہوئیں[6] جن سے بت پرستوں کے سردار سے کی گئی صلح کے حقیقی پہلو آشکار ہوئے اور مستقبلِ قریب میں مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔

---

1 سیرت حلبیہ ج۳ ص۲۱۔

2 بحار الانوار ج۲۰ ص۳۵۲۔

3 مجمع البیان ج۹ ص۱۱۷۔

4 بحار الانوار ج۲۰ ص۳۵۲۔

5 سیرت حلبیہ ج۳ ص۲۱، سیرت نبویہ ج۲ ص۲۵۲۔

6 فتح ۲۸،۱۸،۱۔

صلح کے نتائج

۱۔قریش نے مسلمانوں کے نظام کو ایک فوجی، منظم سیاسی اور نئی حکومت کے عنوان سے تسلیم کر لیا۔

۲۔مشرکوں اور منافقوں کے دل میں رعب بیٹھ گیا،ان کی طاقت گھٹ گئی اور ان میں مقابلہ کی طاقت نہ رہی۔

۳۔صلح و آرام کے اس زمانہ میں اسلام کی نشر واشاعت کی فرصت ملی جس کے نتیجہ میں بہت سے قبیلے اسلام میں داخل ہو گئے؛رسولؐ کی اسلامی رسالت کے آغاز ہی سے یہ آرزو تھی کہ قریش آپ کو اتنی مہلت وفرصت دیدیں کہ جسمیں آپؐ آزادی کے ساتھ اپنا راستہ طے کر سکیں اور اطمینان کے ساتھ آپ لوگوں کے سامنے اسلام کی وضاحت کر سکیں۔

۴۔مسلمانوں کو قریش کی طرف سے سکون مل گیا تو یہودیوں اور دوسرے دشمنوں سے مقابلہ کے لئے ہمہ تن تیار ہوئے۔

۵۔قریش سے صلح کے بعد ان کے حلیفوں کے لئے یہ آسان ہو گیا کہ وہ مسلمانوں کے موقف کو سمجھیں اور ان کے پاس آئیں۔

۶۔ صلح ہو جانے سے نبیؐ کو یہ موقع ملا کہ آپؐ دیگر ممالک کے بادشاہوں اور سربراہوں کو اسلام کی طرف دعوت دیں اور غزوہ موتہ کی تیاری کریں تاکہ جزیرۃ العرب سے باہر اسلام کا پیغام پہنچایا جائے۔

۷۔ صلح کی وجہ سے آنے والے مرحلے میں فتح مکہ کا راستہ ہموار ہو گیا،مکہ اس زمانہ میں بت پرستی کا اڈہ تھا۔

۲۔اسلامی رسالت کی توسیع

زمانہ ماضی میں قریش اسلام کو نیست و نابود کرنا چاہتے تھے یہی وجہ تھی کہ رسولؐ اور مسلمان دفاعی جنگوں،اپنی حفاظت اور اسلامی حکومت اور اس کے معاشرہ کی تشکیل میں چند سال تک مشغول رہے۔اس عہد میں آپؐ اپنی آسمانی عالمی اور تمام ادیان کو ختم کرنے والی رسالت کی آزادی کے ساتھ تبلیغ نہ کر سکے تھے لیکن صلح حدیبیہ کے صلح نامہ پر دستخط ہو جانے کے بعد رسولؐ قریش کی طرف سے مطمئن ہو گئے اور اس صلح سے رسولؐ کو یہ موقع مل گیا کہ آپؐ جزیرۃ العرب کے اطراف میں بسنے والی بڑی طاقتوں اور خطۂ عرب کے سرداروں کے پاس اپنے نمائندے بھیجیں تاکہ وہ ان کے سامنے الٰہی قوانین کو بیان کریں اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دیں۔

روایت ہے کہ آپؐ نے اپنے اصحاب کے درمیان فرمایا:

''ایها النّاس ان اللّٰه قد بعثنی رحمة و کافة فلا تختلفوا عليّ کما اختلف الحواریون علیٰ عیسیٰ بن مریم''۔

اے لوگو! مجھے خدا نے رحمت بنا کر بھیجا ہے پس مجھ سے اس طرح اختلاف نہ کرو جس طرح حواریوں نے عیسیٰ سے کیا تھا اصحاب نے عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ حواریوں نے کس طرح اختلاف کیا تھا؟ فرمایا:

”دعاھم الیٰ الذی دعوتکم الیه فاَما من بعثه مبعثا قریباً ترضی و سلّم و اما من بعثه مبعثا بعیداً فکره وجہه و تثاقل“۔[1]

حضرت عیسیٰؑ نے انہیں اس چیز کی طرف دعوت دی جس کی طرف میں نے تمہیں دعوت دی ہے جس کو انہوں نے قریب کی ذمہ داری سپرد کی تھی وہ تو خوش ہو گیا اور اس ذمہ داری کو تسلیم کر لیا اور جس کے سپرد دور کی ذمہ داری کی تھی وہ ناخوش رہا اور اسے بوجھ محسوس ہوا۔

ہدایت و دعوت کے نمائندے رسولؐ کے امر کو دنیا کے مختلف گوشوں میں لے گئے۔[2]

۳۔ جنگ خیبر[3]

اپنی حقیقی جد و جہد، اعلیٰ تجربہ، بے مثال شجاعت اور تائید الٰہی کے سبب رسولؐ نے مسلمانوں کو آزاد خیالی، ثبات و نیکی کے بام عروج پر پہنچا دیا، ان کے اندر صبر اور ایک دوسرے سے ربط و ضبط کی روح پھونک دی...اس طرح رسولؐ نے اپنے قرب و جوار کے سرداروں کے پاس خطوط اور نمائندے بھیج کر جزیرۃ العرب سے باہر بھی لوگوں تک اپنی آسمانی رسالت پہنچا دی۔

رسولؐ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ آپؐ کے اس اقدام کے مختلف رد عمل ہونگے ان میں سے بعض مدینہ میں موجود یہود و منافقین، جن کی خیانتوں اور غداریوں سے تاریخ بھری پڑی ہے، کی مدد سے مدینہ پر فوجی حملے ہوں گے۔

خیبر یہودیوں کا مضبوط قلعہ اور عظیم مرکز تھا لہٰذا رسولؐ نے یہ طے کیا کہ اس باقی رہ جانے والے سرطان کا صفایا کر دیا جائے چنانچہ حدیبیہ سے لوٹنے کے کچھ دنوں کے بعد سولہ سو افراد پر مشتمل مسلمانوں کا ایک لشکر تیار کیا اور یہ تاکید فرمائی کہ غنیمت کے لالچ میں ہمارے ساتھ کوئی نہ آئے۔ فرمایا:

”لا یخرجن معنا الا راغب فی الجہاد“[4]

ہمارے ساتھ وہی آئے جو شوقِ جہاد رکھتا ہو۔

رسولؐ نے کچھ لوگوں کو یہودیوں کے حلیفوں کے پاس بھیجا کہ وہ انہیں ان کی مدد کرنے سے روکیں تاکہ مزید جنگ و خونریزی نہ ہو مسلمانوں نے بہت جلد یہودیوں کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ علی بن ابی طالبؑ ان میں سب سے پیش پیش تھے آپؑ ہی کے دست مبارک میں پرچم رسولؐ تھا۔

یہودی اپنے مضبوط قلعوں میں جا چھپے اس کے بعد کچھ معرکے ہوئے جس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے بعض اہم مقامات پر قبضہ کر لیا، لیکن جنگ نے شدت اختیار کر لی اور محاصرہ کا زمانہ طویل ہو گیا۔ مسلمانوں کے سامنے خوراک کا مسئلہ آ گیا اور مسلمان مکروہ چیزیں کھانے کے لئے مجبور ہو گئے۔

رسولؐ نے بعض صحابہ کو علم دیا کہ انہیں کے ہاتھ پر فتح ہو جائے لیکن وہ میدان سے بھاگ آئے جب مسلمان عاجز آ گئے تو رسولؐ نے فرمایا:

---

1 سیرت نبویہ ج ۲ ص ۶۰۶، طبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۲۶۴۔

2 اسلام کی دعوت کے سلسلہ میں رسولؐ نے بادشاہوں کو جو خطوط روانہ کئے تھے علماء اسلام نے ان کی تعداد ۱۸۵ بیان کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: مکاتیب الرسولؐ، از علی بن حسین احمدی۔

3 جنگ خیبر ماہ جمادی الاخریٰ ۷ ھ میں ہوئی، ملاحظہ ہو طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۷۷۔

4 طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۶۔

"لاعطينّ الرّاية غداً رجلاً يحب اللّٰه و رسوله و يحبه اللّٰه و رسوله كراراً غيرا فرار لا يرجع حتى يفتح اللّٰه علىٰ يديه"[1]

میں کل اس مرد کو علم دونگا جو خدا اور رسولؐ سے محبت رکھتا ہے اور خدا اور رسولؐ اس سے محبت رکھتے ہیں وہ بڑھ بڑھ کے حملہ کرے گا، میدان سے نہیں بھاگے گا، وہ اسی وقت میدان سے پلٹے گا جب خدا اس کے دونوں ہاتھوں پر فتح عطا کرے گا۔

دوسرے روز رسولؐ نے علیؑ کو بلایا اور آپؑ کو علم عطا کیا اور آپؑ ہی کے ہاتھ پر فتح ہوئی، رسولؐ اور سارے مسلمان خوش ہو گئے اور جب باقی یہود سپر انداختہ ہو گئے تو رسولؐ نے اس بات پر صلح کر لی کہ وہ آپ کو اپنے باغوں اور کھیتوں کا نصف محصول بطور جزیہ دیا کریں گے ظاہر ہے فتح کے بعد وہ باغات اور کھیت رسولؐ کی ملکیت بن گئے تھے۔ خیبر کے یہودیوں کے ساتھ رسولؐ نے بنی نضیر، بنی قینقاع اور بنی قریظہ جیسا سلوک نہیں کیا کیونکہ مدینہ میں یہودیوں کی کوئی خاص حیثیت نہیں رہ گئی تھی۔

۴۔ آپؐ کے قتل کی کوشش

ایک گروہ نے خفیہ طریقہ سے رسولؐ کے قتل کا منصوبہ بنالیا تاکہ وہ اپنی دشمنی کی آگ کو بجھائیں اور چھپے ہوئے کینہ کو تسکین دے سکیں لہذا۔ سلام بن مشکم یہودی کی زوجہ۔ زینب بنت حارث نے رسولؐ کی خدمت میں بھنی ہوئی بکری ہدیہ کی جس میں اس نے زہر ملا دیا تھا اور چونکہ وہ جانتی تھی کہ رسولؐ کو ران کا گوشت پسند تھا لہذا اس میں زیادہ زہر ملایا تھا۔

آنحضرتؐ کے سامنے یہ بھنی بکری پیش کی گئی اور آپؐ نے اس کی اگلی ران اٹھائی اور ایک بوٹی چبائی لیکن اسے نگلا نہیں، بلکہ تھوک دیا جبکہ بشر بن براء بن معرور بوٹی نگلتے ہی مر گیا۔

یہودی عورت نے اپنے اس جرم کا یہ کہہ کر اعتراف کر لیا کہ میں آپؐ کا امتحان لینا چاہتی تھی کہ آپؐ نبی ہیں یا نہیں رسولؐ نے اسے معاف کر دیا اور جو مرد اس سازش میں شریک تھے ان سے رسولؐ نے کوئی تعرض نہ کیا۔[2]

۵۔ اہل فدک کی خود سپردگی

حق و عدالت کے دبدبے سے خیانت کاری کے مرکز تباہ ہو گئے جب خدا نے رسولؐ کو خیبر میں فتح عطا کی تو اس کے بعد خدا نے فدک والوں کے دلوں میں آپ کا رعب پیدا کر دیا چنانچہ انہوں نے رسولؐ کی خدمت میں ایک وفد روانہ کیا تاکہ وہ رسولؐ سے اس بات پر صلح کرے کہ اہل فدک اسلامی

---

1 سیرت نبویہ ج ۲ ص ۳۳۷، صحیح مسلم ج ۱۵ ص ۱۷۶ و ۱۷۷، فضائل الصحاب ج ۲ ص ۶۰۳، مسند امام احمد ج ۳ ص ۳۸۴، مواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۲۸۳، استیعاب ج ۳ ص ۲۰۳، کنز العمال ج ۱۳ ص ۱۲۳۔

2 سیرت نبویہ ج ۲ ص ۳۳۷، مغازی ج ۲ ص ۶۷۷۔

حکومت کے زیر سایہ اطاعت کے ساتھ زندگی گزاریں گے اور اس کے عوض وہ فدک کا نصف محصول ادا کیا کریں گے، ان کی پیشکش کو رسولؐ نے قبول کر لیا۔

اس طرح فدک، قرآن کے حکم کے بموجب خاص رسولؐ کی ملکیت قرار پایا کیونکہ اس سلسلہ میں نہ گھوڑے دوڑائے گئے اور نہ اسلحہ استعمال ہوا بلکہ انہوں نے دھمکی اور جنگ کے بغیر ہی اپنی خود سپردگی کا اعلان کیا تھا۔ لہذا رسولؐ نے فدک اپنی بیٹی جناب فاطمہ زہراءؑ کو ہبہ کر دیا۔[1]

جزیرۃ العرب کی سرزمین خیانت کاروں کے ٹھکانوں سے پاک ہو گئی اور مسلمانوں کو یہودیوں کے فتنوں سے نجات مل گئی، یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور اسلامی حکومت و قوانین کے سامنے سر جھکا دیا۔

جس روز خیبر فتح ہوا اسی دن جناب جعفر بن ابی طالبؑ حبشہ سے واپس آئے تو رسولؐ نے ان کا استقبال کیا ان کی پیشانی کو چوما اور فرمایا:

''بایھما اسر بفتح خیبر او بقدوم جعفر''[۲]

میں کس چیز کی زیادہ خوشی مناؤں، فتح خیبر کی یا جعفر بن ابی طالبؑ کی آمد کی؟

۶۔ عمرۃ القضا

آرام و سکون کا زمانہ گذر تا رہا لیکن رسولؐ اور مسلمان اسلامی حکومت کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کی سعیٔ پیہم میں مشغول رہے، فتحِ خیبر کے بعد تبلیغی یا تادیبی مہموں کے علاوہ کوئی فوجی معرکہ نہیں ہوا۔

صلح حدیبیہ کو ایک سال گذر گیا، طرفین نے جن چیزوں پر اتفاق کیا تھا، ان کے پابند رہے اب وہ وقت آ گیا کہ رسولؐ اور مسلمان خانہ خدا کی زیارت کے لئے جائیں۔ لہذا رسولؐ کے منادی نے یہ اعلان کیا کہ مسلمان عمرۃ القضا کی ادائیگی کے لئے تیاری کریں چنانچہ دو ہزار مسلمان رسولؐ کے ساتھ روانہ ہوئے ان کے پاس تلوار کے علاوہ اور کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ وہ بھی نیام میں تھی لیکن رسولؐ اپنی فراست سے مشرکوں کی غداری کو محسوس کر چکے تھے۔

اس لئے آپؐ نے ایک گروہ کو اس وقت مسلح ہونے کا حکم دیا- جب آپ ظہران سے گذرے- تاکہ یہ گروہ اتفاقی صورت حال سے نمٹنے کے لئے تیار رہے۔

جب رسولؐ ذوالحلیفہ پہنچے تو آپؐ نے اور اصحاب نے احرام باندھا۔ آپؐ کے ساتھ قربانی کے جانور تھے، ایک دستہ آپؐ نے آگے روانہ کر دیا تھا اس دستہ میں تقریباً سو آدمی تھے جس کی قیادت محمد بن مسلمہ کر رہے تھے۔ مکہ کے سردار اور ان کے تابع افراد یہ سوچ کر مکہ کے اطراف میں واقع پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے کہ وہ نبیؐ اور ان کے اصحاب کی صورت نہیں دیکھنا چاہتے، لیکن رسولؐ کا جلال اور ان مسلمانوں کی ہیبت، جو کہ رسولؐ کو اپنے حلقہ میں لئے ہوئے تلبیہ کہہ رہے تھے، ایسی تھی کہ جس سے مکہ والوں کی آنکھیں کھلی رہ گئیں وہ حیرت و استعجاب میں نبیؐ کو دیکھتے ہی رہ گئے حالانکہ رسولؐ اور مسلمان حج کے اعمال انجام دے رہے تھے۔

---

1 مجمع البیان ج۳ ص ۴۱۱، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱۶، ص ۲۶۸، الدر المنثور ج۴ ص ۱۷۷۔

2 طبقات الکبریٰ ج۲ ص ۱۰۸، سنن الکبریٰ بیہقی ج۷ ص ۱۰۱، سیرت نبویہ ابن کثیر ج۳ ص ۳۹۸۔

رسولؐ اپنی سواری پر سوار خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ آپؐ کی سواری کی مہار عبداللہ بن رواحہ پکڑے ہوئے تھے، رسولؐ نے یہ حکم دیا کہ مسلمان بلند آواز سے یہ نعرہ بلند کریں۔

"لا الہ الا اللّٰہ وحدہ، صدق وعدہ و نصر عبدہ و اعز جندہ و ھزم الاحزاب وحدہ"۔

سوائے اللہ کے کوئی خدا نہیں ہے وہ یکتا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اس نے اپنے بندے کی مدد کی، اپنی فوج کی مدد کی ہے اور سپاہ دشمن کو شکست دی ہے ،وہ یکتا ہے۔

پھر کیا تھا مکہ کی فضاؤں میں یہ آواز گونجنے لگی خوف سے مشرکوں کا زہرہ آب ہونے لگا اور خدا کی طرف سے نبیؐ کو ملنے والی فتح پر وہ پیچ و تاب کھانے لگے یہ وہی رسولؐ ہے جس کو انہوں نے سات سال قبل وطن چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔

مسلمانوں نے رسولؐ کی معیت میں عمرہ کے مناسک انجام دیئے۔ قریش اسلام اور مسلمانوں کی طاقت کو مان گئے اور انہیں اس شخص کی دروغ گوئی کا یقین ہو گیا جس نے، انہیں یہ خبر دی تھی کہ رسولؐ اور ان کے اصحاب مدینہ ہجرت کر جانے کی وجہ سے بہت تنگی و پریشانی میں ہیں۔

بلال خانۂ کعبہ پر گئے اور نماز ظہر کے لئے اذان دیتے ہوئے ندائے توحید بلند کی جو کہ روحانی مسرت کا سبب ہے اس سے کفر کے سرداروں کو مزید افسوس ہوا اس وقت پورا مکہ مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔

مہاجرین اپنے بھائی انصار کے ساتھ مکہ میں پھیل گئے تاکہ اپنے ان گھروں کو دیکھیں جن کو راہ خدا میں چھوڑنا پڑا تھا اور طولانی فراق کے بعد اپنے اہل و عیال سے ملاقات کریں۔

تین روز تک مسلمان مکہ میں رہے اور پھر قریش سے کئے ہوئے اس معاہدہ کے بموجب، مکہ چھوڑ دیا، رسولؐ نے قریش سے یہ فرمایا کہ وہ میمونہ سے عقد کے رسوم یہیں ادا کرنا چاہتے ہیں، لیکن قریش نے اس کو قبول نہ کیا کیونکہ یہ خوف تھا کہ اگر رسولؐ مکہ میں زیادہ دن ٹھہریں گے تو اس سے اسلام کی طاقت میں اضافہ ہوگا اور مکہ میں اسلام کو مقبولیت ملے گی۔

ابو رافع کو رسولؐ نے مکہ میں چھوڑ دیا تاکہ وہ سر شام آپؐ کی زوجۂ میمونہ، کو لے کر آئیں کیونکہ مسلمانوں کو نمازِ ظہر سے پہلے مکہ چھوڑنا تھا۔[1]

1 سیرت نبویہ ج ۲ ص ۳۷۲۔

دوسری فصل

جزیرۃالعرب سے باہر اسلام کی توسیع

ا۔ جنگ موتہ [1]

رسولؐ نے یہ عزم کرلیا تھا کہ جزیرۃالعرب کے شمال میں امن وامان کی فضا قائم کریں گے، اور اس علاقہ کے باشندوں کو اسلام کی طرف دعوت دیں گے اور اس طرح شام تک جائیں گے۔ آپؐ نے حارث بن عمیر ازدی کو حارث بن ابی شمر غسانی کے پاس بھیجا، شرحبیل بن عمرو غسانی نے ان کا راستہ روکا اور قتل کردیا۔

اسی اثنا میں رسولؐ نے مسلمانوں کا ایک اور دستہ اسلام کی تبلیغ کے لئے روانہ کیا، ملکِ شام کے علاقہ ذات الصلاح کے لوگوں نے ان پر ظلم کیا اور انہیں قتل کرڈالا، ان کے قتل کی خبر رسولؐ کو ملی، اس سانحہ کو سن کر رسولؐ کو بہت افسوس ہوا، پھر آپؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان سے انتقام کے لئے نکلیں آپؐ کے فرمان پر تین ہزار سپاہیوں کا لشکر تیار ہوگیا تو آپؐ نے فرمایا: اس کے سپہ سالار علی الترتیب زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالبؑ اور بعد میں عبداللہ بن رواحہ ہونگے پھر آپؐ نے ان کے درمیان خطبہ دیا:

''اغزوا بسم اللّٰہ...ادعوھم الیٰ الدّخول فی الاسلام...فان فعلوا فاقبلوا منھم و اکفقوا عنھم...و الا فقاتلوا عدو اللّٰہ و عدو کم بالشام و ستجدون فیھا رجالا فی الصوامع معتزلین الناس، فلا تعرضوا لھم، و ستجدون آخرین للشیطان فی رؤوسھم مفاحص فاقلعوھا بالسیوف و لا تقتلن امراۃ و لا صغیراً و لا مر ضعاً و لا کبیراً فانیا لا تغرقن نخلا و لا تقطعن شجراً و لا تھدموا بیتاً۔'' [2]

پہلے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا...اگر انہوں نے قبول کرلیا تو ان پر حملہ نہ کرنا انہیں مسلمان سمجھنا اور اگر انہوں نے اسلام قبول نہ کیا تو تم اپنے اور خدا کے دشمن سے شام میں جنگ کرنا اور دیکھو تمہیں کلیساؤں میں کچھ لوگ گوشہ نشین ملیں گے ان سے کچھ نہ کہنا۔

اور کچھ لوگ ایسے ملیں گے جو شیطان کے چیلے ہونگے ان کے سر منڈھے ہونگے انہیں تلواروں سے صحیح کرنا اور دیکھو عورتوں، دودھ پیتے بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا، کھجور کو برباد نہ کرنا اور کسی درخت کو نہ کاٹنا اور کسی گھر کو منہدم نہ کرنا۔

اس لشکر کو وداع کرنے کے لئے رسولؐ بھی ان کے ساتھ چلے اور ثنیۃالوداع تک ان کے ساتھ گئے مسلمانوں کا یہ لشکر جب ''مشارق'' کے مقام پر پہنچا تو وہاں کثیر تعداد میں روم کی فوج دیکھی، جس میں دو لاکھ جنگجو شامل تھے۔ مسلمان موتہ کی طرف پیچھے ہٹے اور وہاں دشمن سے مقابلہ کیلئے، تیار ہوئے مختلف اسباب کی بنا پر مسلمانوں کا لشکر پسپا ہوگیا اور نتیجہ میں تینوں سپہ سالار شہید ہوگئے اس جنگ میں مسلمانوں کی شکست کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ اس

---

1 جنگ موتہ ماہ جمادی الاول ۸ھ میں ہوئی۔

2 مغازی ج ۲ ص ۷۵۸، سیرت نبویہ ج ۲ ص ۳۷۴۔

دور افتادہ علاقہ میں جنگ کر رہے تھے جہاں امداد کا پہنچنا مشکل تھا۔ پھر یہ روم والوں پر حملہ آور ہوئے تھے اور وہ اپنی کثیر تعداد کے ساتھ دفاعی جنگ لڑ رہے تھے، دونوں لشکروں کی جنگی معلومات میں بہت زیادہ فرق تھا، روم کی فوج ایک منظم و مستحکم فوج تھی جو جنگی مشق کرتی رہتی تھی، دوسری طرف مسلمانوں کی تعداد اور ان کے جنگی معلومات بہت کم تھی، یہ جمعیت نئی نئی وجود میں آئی تھی۔[1]

جعفر بن ابی طالب کی شہادت کی خبر سن کر رسولؐ بہت غم زدہ ہوئے اور آپؐ پر شدید رقت طاری ہوئی تعزیت اور اظہار ہمدردی کے لئے ان کے گھر تشریف لے گئے اسی طرح زید بن حارثہ کے مارے جانے کا بھی بہت صدمہ ہوا۔[2]

۲۔ فتح مکہ

جنگ موتہ کے بعد علاقہ کی طاقتوں کے مختلف قسم کے رد عمل ظاہر ہوئے، مسلمانوں کے پسپا ہونے اور شام میں داخل نہ ہونے سے روم کو بہت خوشی تھی۔

قریش بھی بہت خوش تھے، مسلمانوں کے خلاف ان کی جرأت بڑھ گئی تھی چنانچہ وہ معاہدۂ امان کو ختم کر کے صلح حدیبیہ کو توڑنے کی کوشش کرنے لگے انہوں نے قبیلۂ بنی بکر کو قبیلۂ بنی خزاعہ کے خلاف اکسایا جبکہ صلح حدیبیہ کے بعد قبیلۂ بنی بکر قریش کا حلیف بن گیا تھا اور خزاعہ رسولؐ کا حلیف بن گیا تھا اور اسلحہ وغیرہ سے اس کی مدد کی جس کے نتیجہ میں قبیلۂ بکر نے قبیلۂ خزاعہ پر ظلم کیا اور اس کے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا حالانکہ وہ اپنے شہروں میں امن کی زندگی گزار رہے تھے اور بعض تو ان میں سے اس وقت عبادت میں مشغول تھے انہوں نے رسولؐ سے فریاد کی اور مدد طلب کی۔ عمرو بن سالم نے رسولؐ کے سامنے کھڑے ہو کر جب آپؐ مسجد میں تشریف فرما تھے نقض عہد کے بارے میں کچھ اشعار پڑھے، جس سے رسولؐ بہت متاثر ہوئے اور فرمایا: "نُصِرتَ یا عمرو بن سالم"۔ اے سالم کے بیٹے عمرو تمہاری مدد کی جائیگی۔

قریش کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں اپنی غلط حرکت کا احساس ہو گیا۔ مسلمانوں کی طرف سے انہیں خوف لاحق ہوا اس صورت حال کے بارے میں انہوں نے آپس میں مشورہ کیا تو یہ طے پایا کہ ابو سفیان کو مدینہ بھیجا جائے تاکہ وہ صلح کی تجدید کرے اور رسولؐ سے مدتِ صلح بڑھانے کی درخواست کرے۔

لیکن رسولؐ نے ابو سفیان کی باتوں پر توجہ نہ کی بلکہ اس سے یہ فرمایا: اے ابو سفیان کیا تمہارے پاس اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے؟ ابو سفیان نے کہا: میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں رسولؐ نے فرمایا: ہم اپنی صلح اور اس کی مدت پر قائم ہیں۔

اس سے ابو سفیان کا دل مطمئن نہ ہوا اور اس کو سکون حاصل نہیں ہوا بلکہ اس نے رسولؐ سے عہد لینے اور امان طلب کرنے کی کوشش کی لہذا وہ کسی ایسے شخص کو ڈھونڈنے لگا کہ جو نبیؐ سے یہ کام کرادے مگر ہر ایک نے واسطہ بننے سے انکار کر دیا اور اس کی باتوں کی طرف اعتنا نہ کی۔

---

1 سیرت نبویہ ج۲ ص۳۸۱۔

2 بحار الانوار ج۲۱ ص۵۴، مغازی ج۲ ص۷۶۶، سیرت حلبیہ ج۳ ص۶۸۔

جب اسے کوئی چارہ کار نظر نہ آیا تو وہ ناکام مکہ واپس لوٹ گیا مشرک طاقتوں کے معاملات پیچیدہ ہو گئے تھے۔ حالات بدل گئے تھے اب رسولؐ بڑھتی ہوئی طاقت اور راسخ ایمان کے سبب مکہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہونا چاہتے تھے مشرکین مکہ کی پیمان شکنی نے اس کا جواز پیدا کر دیا اور قریش اپنی جان و مال کے لئے امان طلب کرنا چاہتے تھے۔ مکہ پر اقتدار و تسلط کا مطلب یہ تھا کہ پورا جزیرۃ العرب اسلام کے زیر تسلط آ جائے۔

رسولؐ نے یہ اعلان کر دیا کہ سب لوگ دشمن سے جنگ کے لئے تیار ہو جائیں چنانچہ مسلمانوں کے گروہ آپؐ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے حاضر خدمت ہو نے لگے دس ہزار کا لشکر فراہم ہو گیا رسولؐ نے چند مخصوص افراد ہی سے اپنا مقصد بیان کیا تھا آپؐ خدا سے یہ دعا کر رہے تھے۔

"اللھم خذ العیون والاخبار من قریش حتی نباغتھا فی بلادھا"۔ [1]

اے اللہ قریش کی آنکھوں اور ان کے سراغ رساں لوگوں کو ناکام کر دے یہاں تک کہ ہم ان کے شہر میں ان کے سروں پر پہنچ جائیں۔ ظاہر ہے کہ رسولؐ کم مدت میں بغیر کسی خونریزی کے پائیدار کامیابی چاہتے تھے اسی لئے آپؐ نے خفیہ طریقہ اختیار کیا تھا لیکن اس کی خبر ایسے شخص کو مل گئی جو اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھتا تھا چنانچہ اس نے اس سلسلہ میں قریش کو ایک خط لکھ دیا اور ایک عورت کے بدست روانہ کر دیا وحی کے ذریعہ رسولؐ کو اس کی خبر ہو گئی آپؐ نے حضرت علیؑ اور زبیر کو حکم دیا کہ اس عورت تک پہنچو اور اس سے خط واپس لو حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے رسولؐ پر راسخ ایمان کے سبب اس عورت سے خط واپس لے لیا۔ [2]

رسولؐ نے وہ خط لیتے ہی مسلمانوں کو مسجد میں جمع کیا تا کہ ایک طرف ان کی ہمت بڑھائیں اور دوسری طرف انہیں خیانت سے ڈرائیں اور ان پر یہ بات ظاہر کر دیں کہ خدا کی رضا کے لئے اپنے جذبات کو کچلنے کی کتنی اہمیت ہے۔ مسلمان اس خط کے بھیجنے والے حاطب بن ابی بلتعہ کا دفاع کرنے لگے کیونکہ اس نے خدا کی قسم کھا کے یہ کہا تھا کہ خط بھیجنے سے اس کا مقصد خیانت نہیں تھا، لیکن اس کی اس حرکت پر عمر بن خطاب کو بہت زیادہ غصہ آیا اور رسولؐ سے عرض کی: اگر اجازت ہو تو میں اسے ابھی قتل کر دوں رسولؐ نے فرمایا:

"وما یدریک یا عمر لعل اللہ اطلع علیٰ اھل بدر و قال لھم اعملوا ما شئتم خلفہ غفرت لکم" [3]

اے عمر تمہیں کیا خبر؟ ہو سکتا ہے خدا نے بدر والوں پر نظر کی ہو اور ان سے یہ فرمایا ہو کہ تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔

---

1 سیرت نبویہ ج۳ ص ۳۹۷، مغازی ج۲ ص ۷۹۶۔

2 سیرت نبویہ ج۲ ص ۳۹۸۔

3 امتاع الاسماع ج ا ص ۳۶۳، مغازی ج ۲ ص ۷۹۸، لیکن محدثین نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے ملاحظہ ہو سیرۃ المصطفیٰ، ص ۵۹۲۔

فوج اسلام کی مکہ کی طرف روانگی

دس رمضان المبارک کو فوج اسلام مکہ کی طرف روانہ ہوئی جب ”کدید“ کے مقام پر پہنچی تو رسولؐ نے پانی طلب کیا اور مسلمانوں کے سامنے آپؐ نے پانی پیا، مسلمانوں کو بھی آپ نے روزہ توڑنے کا حکم دیا لیکن ان میں سے بعض لوگوں نے رسولؐ کی نافرمانی کرتے ہوئے روزہ نہ توڑا، ان کی اس نافرمانی پر رسولؐ غضبناک ہوئے اور فرمایا: ”اولئک العصاۃ“ یہ نافرمان ہیں پھر انہیں روزہ توڑنے کا حکم دیا۔[1]

جب رسولؐ ظہران کے نزدیک پہنچے تو آپؐ نے مسلمانوں کو صحراء میں منتشر ہونے اور ہر ایک کو آگ روشن کرنے کا حکم دیا، اس طرح ڈراؤنی رات روشن ہو گئی اور قریش کی ہر طاقت کو مسلمانوں کا عظیم لشکر نظر آیا جس کے سامنے قریش کی ساری طاقتیں سرنگوں ہو گئیں، اس کو دیکھ کر عباس بن عبد المطلب پریشان ہوئے یہ آخری مہاجر تھے جو رسولؐ سے جحفہ میں ملحق ہوئے۔ لہذا وہ کوئی ایسا ذریعہ تلاش کرنے لگے جس سے وہ قریش تک یہ پیغام پہنچا سکیں کہ وہ مکہ میں لشکر اسلام کے داخل ہونے سے پہلے فرمانبردار ہو کر آجائیں۔

اچانک عباس نے ابوسفیان کی آواز سنی جو مکہ کی بلندیوں سے اس عظیم لشکر کو دیکھ کر تعجب سے بدیل بن ورقاء سے بات کر رہا تھا اور جب عباس نے ابو سفیان سے یہ بتایا کہ رسولؐ اپنے لشکر سے مکہ فتح کرنے کے لئے آئے ہیں تو وہ خوف سے کانپنے لگا۔ اسے اس کے علاوہ کوئی چارہ نظر نہیں آیا کہ وہ عباس کے ساتھ رسولؐ کی خدمت حاضر ہو کر ان سے امان حاصل کر لے۔

یہ صاحب خلق عظیم اور عفو و بخشش کے بحر بیکراں سے نہیں ہو سکتا تھا کہ اپنے چچا کے ساتھ آنے والے ابوسفیان کے لئے باریابی کی اجازت دینے میں بخل کریں چنانچہ فرمایا: آپ جایئے ہم نے اسے امان دی، کل صبح اسے ہمارے پاس لایئے گا۔

ابوسفیان کا سپر انداختہ ہونا

جب ابوسفیان رسولؐ کے سامنے آیا تو اس سے آپؐ نے یہ فرمایا: ”ویحک یا ابا سفیان الم یان لک ان تعلم ان لا الٰہ الا اللہ“ اے ابوسفیان وائے ہو تیرے اوپر کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا بیشک تو یہ جان لے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے؟ ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں آپ کتنے بردبار، کریم اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں! خدا کی قسم میرا یہ گمان تھا کہ اگر خدا کے علاوہ کوئی اور معبود ہوتا تو وہ مجھے بے نیاز کر دیتا۔ پھر رسولؐ نے فرمایا: اے ابو سفیان! کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم یہ اقرار کرو کہ میں اللہ کا رسولؐ ہوں؟ ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کتنے بردبار، کریم اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں! خدا کی قسم اس سلسلہ میں ابھی تک میرے دل میں کچھ شک ہے۔[2]

---

1 وسائل الشیعۃ ج ۷ ص ۱۲۴، سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۲۹۰، مغازی ج ۲ ص ۸۰۲، صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۴۱ و ۱۴۲، کتاب الصیام باب جواز الصوم والفطر فی شہر رمضان للمسافر فی غیر معصیۃ، دار الفکر، بیروت۔

2 سیرت نبویہ ج ۳ ص ۴۰، مجمع البیان ج ۱۰ ص ۵۵۴۔

عباس نے اس موقعہ پر ابو سفیان پر اسلام قبول کرنے کے سلسلہ میں زور دیتے ہوئے کہا: وائے ہو تیرے اوپر، قبل اس کے کہ تجھے قتل کر دیا جائے یہ گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ اس کے رسولؐ ہیں۔ پس ابو سفیان نے قتل کے خوف سے خدا کی وحدانیت اور محمدؐ کی رسالت کی گواہی دی اور مسلمانوں میں شامل ہو گیا۔

ابو سفیان کے اسلام لانے کے بعد مشرکین کے دوسرے سردار بھی اسی طرح اسلام لے آئے لیکن رسولؐ نے اس غرض سے کہ قریش خونریزی کے بغیر اسلام قبول کر لیں، ان پر نفسیاتی دباؤ ڈالا۔ عباس سے فرمایا: اے عباس اسے کسی تنگ وادی میں لے جاؤ، جہاں سے یہ فوجوں کو دیکھے۔

رسولؐ نے اطمینان کی فضا پیدا کرنے اور اسلام و رسول اعظم کی مہربانی و رحم دلی پر اعتماد قائم کرنے نیز ابو سفیان کی عزت نفس کو باقی رکھنے کی غرض سے فرمایا:
جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کے لئے امان ہے جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرے گا وہ امان میں ہے، جو مسجد میں داخل ہو جائیگا وہ امان میں ہے، جو ہتھیار ڈال دے گا وہ امان میں ہے۔

اس تنگ وادی کے سامنے سے خدائی فوجیں گذرنے لگیں جو دستہ گذرتا تھا عباس اس کا تعارف کراتے تھے کہ یہ فلاں کا دستہ ہے وہ فلاں کا دستہ ہے اس سے ابو سفیان پر اتنی دہشت طاری ہوئی کہ اس نے عباس سے کہا: اے ابو الفضل خدا کی قسم تمہارا بھتیجہ بہت بڑا بادشاہ بن گیا، عباس نے جواب دیا: یہ بادشاہت نہیں ہے یہ نبوت ہے۔ ان کے جواب میں ابو سفیان نے تردد کیا۔ اس کے بعد اہل مکہ کو ڈرانے اور رسولؐ کی طرف سے ملنے والی امان کا اعلان کرنے کے لئے ابو سفیان مکہ چلا گیا۔[1]

مکہ میں داخلہ

رسولؐ نے اپنی فوج کے لئے مکہ میں داخل ہونے سے متعلق کچھ احکام صادر فرمائے اور ہر دستہ کے لئے راستہ معین کر دیا نیز یہ تاکید فرمائی کہ جنگ سے پرہیز کریں ہاں اگر کوئی برسرپیکار ہو جائے تو اس کا جواب دیا جائے، چند مشرکین کا خون ہر حال میں مباح قرار دیا، خواہ وہ کعبہ کے پردہ ہی سے لٹکے ہوئے ہوں کیونکہ وہ اسلام اور رسولؐ کے سخت ترین دشمن تھے۔

جب مکہ کے در و دیوار پر آپؐ کی نظر پڑی تو آنکھوں میں اشک بھر آئے، اسلامی فوجیں چاروں طرف سے فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئیں فتح و نصرت نے اس کی شان دوبالا کر دی تھی اور رسولؐ کو خدا نے جو نعمت و عزت عطا کی تھی اس کے شکریہ کی خاطر رسولؐ سر جھکائے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے کیونکہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے آپؐ کی بے پناہ جانفشانیوں کے بعد ام القریٰ نے آپؐ کی رسالت و حکومت کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔

اہلِ مکہ کے شدید اصرار کے باوجود نبیؐ نے کسی کے گھر میں مہمان ہونا قبول نہیں کیا تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد آپؐ نے غسل کیا اور سواری پر سوار ہوئے۔ تکبیر کہی تو سارے مسلمانوں نے تکبیر کہی، دشت و جبل میں نعرۂ تکبیر کی آواز گونجنے لگی۔ جہاں اسلام اور اس کی فتح سے خوف زدہ ہو کر شرک کے سرغنہ جا چھپے تھے۔ خانۂ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے آپؐ نے اس میں موجود ہر بت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: (قل جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا) کہو، حق آیا باطل گیا باطل کو تو جانا ہی تھا اس سے ہر بت منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔

---

1 مغازی از واقدی ج ۲ ص ۸۱۶، سیرت نبویہ ج ۳ ص ۴۷۔

رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: تم بیٹھ جاؤ تاکہ میں تمہارے دوش پر سوار ہو کر بتوں کو توڑ دوں لیکن حضرت علیؑ اپنے دوش پر نبیؐ کا بار نہ اٹھا سکے تو حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ دوش رسولؐ پر سوار ہوئے اور بتوں کو توڑ ڈالا۔ پھر رسولؐ نے خانۂ کعبہ کی کلید طلب کی، دروازے کھولے، اندر داخل ہوئے اور اس میں موجود ہر قسم کی تصویر کو مٹادیا۔ اس کے بعد خانۂ کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر فتحِ عظیم کے بارے میں ایک جمّ غفیر کے سامنے خطبہ دیا، فرمایا:

''لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، صدق وعدہ، و نصر عبدہ، و ھزم الاحزاب وحدہ، الا کل ماثرہ اودم او مال یدعی فھو تحت قدمی ھاتین الا سدانة البیت و سقایة الحاج...''۔

اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اس نے اپنے بندے کی مدد کی، اسی نے سارے لشکروں کو شکست دی، ہر وہ فضیلت یا خون یا مال کہ جس کا دعویٰ کیا جاتا ہے میرے قدموں کے نیچے ہے، سوائے خانۂ کعبہ کی کلید برداری اور حاجیوں کو سیراب کرنے کی فضیلت...۔

پھر فرمایا: '' یا معاشر قریش ان اللّٰہ قد اذھب عنکم نخوة الجاھلیة و تعظمھا بالآباء النّاس من آدم و آدم من تراب...'' [1]

اے گروہ قریش! خدا نے تمہارے درمیان سے جاہلیت کی نخوت کو ختم کر دیا ہے وہ اپنے آباء و اجداد پر فخر کرتے تھے یاد رکھو سارے لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔

''یا ایھا النّاس انا خلقناکم من ذکرٍ و انثیٰ و جعلناکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم ان اللّٰہ علیم خبیر''۔

اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تمہارے گروہ اور قبیلے بنا دیئے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بیشک خدا کی نظر میں تم میں سے وہی محترم ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔ [2]

پھر فرمایا: اے گروہِ قریش تم کیا سوچتے ہو میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟

انہوں نے کہا: آپ مہربان بھائی اور مہربان بھائی کے فرزند ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''اذھبوا انتم طلقاء'' [3] جاؤ تم آزاد ہو۔

اس کے بعد بلال نے خانۂ کعبہ کی چھت پر جا کر اذان ظہر دی سارے مسلمانوں نے اس فتح کے بعد مسجد الحرام میں رسولؐ کی امامت میں نماز پڑھی، مشرکین حیرت سے کھڑے منہ تک رہے تھے، سرتاپا خوف و استعجاب میں ڈوبے ہوئے تھے، اہل مکہ کے ساتھ رسولؐ کا یہ سلوک دیکھ کر انصار کو یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں رسولؐ دوبارہ مکہ آباد نہ کریں، ان کے ذہنوں میں اور بہت سے خیالات گردش کر رہے تھے، رسولؐ بارگاہ معبود میں دست بدعا

1 مسند احمد ج ۱ ص ۱۵۱، فرائد السمطین ج ۱ ص ۴۹، کنز العمال ج ۱۳ ص ۱۷۱، سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۸۶۔

2 حجرات: ۱۳۔

3 بحار الانوار ج ۲۱، ص ۱۰۶، سیرت نبویہ ج ۲ ص ۴۱۲۔

تھے، انصار کے دل کی کیفیت سے بھی آگاہ تھے، انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''معاذ اللہ المحیا محیاکم والممات مماتکم'' ایسا نہیں ہوگا میری موت و حیات تمہاری موت وحیات کے ساتھ ہے، اسلام کا مرکز مدینہ ہی رہے گا۔

اس کے بعد مکہ والے رسولؐ سے بیعت کے لئے بڑھے، پہلے مردوں نے بیعت کی۔ بعض مسلمانوں نے ان لوگوں کی بھی رسولؐ سے سفارش کی جن کا خون مباح کر دیا گیا تھا، رسولؐ نے انہیں معاف کر دیا۔

پھر عورتیں بیعت کے لئے آئیں-ان کی بیعت کے لئے آپؐ نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ ایک پانی سے لبریز ظرف میں پہلے آپؐ ہاتھ ڈال کر نکالتے تھے پھر عورت اس میں ہاتھ ڈالتی تھی-ان سے اس بات پر بیعت لی تھی کہ وہ کسی بھی چیز کو خدا کا شریک نہیں قرار دیں گی، چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، اور اپنے ہاتھوں پیروں کے ذریعہ گناہ نہیں کریں گی اور بہتان نہیں باندھیں گی اور امر بالمعروف میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔[1]

رسولؐ اس وقت غضبناک ہوئے جب آپؐ کے حلیف خزاعہ نے مشرکین کے ایک آدمی پر زیادتی کی اور اسے قتل کر دیا، آپؐ کھڑے ہوئے ایک خطبہ ارشاد فرمایا:

''یا ایّھا النّاس ان اللّٰہ حرم مکۃ یوم خلق السمٰوات و الارض فھی حرام الیٰ یوم القیامۃ لا یحل لامرئ یؤمن باللّٰہ و الیوم الآخر ان یسفک دماً او یعضد فیھا شجراً''۔[۲]

اے لوگو! بیشک خدا نے جس دن زمین و آسمان کو پیدا کیا تھا اسی روز مکہ کو حرم قرار دیدیا تھا اور وہ قیامت تک حرم ہی رہے گا اور جو شخص خدا و آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اس میں خونریزی کرے یا اس میں کوئی درخت کاٹے۔

پھر فرمایا: ''من قال لکم ان رسول اللہ قد قاتل فیھا فقولوا ان اللہ قد احلھا لرسولہ ولم یحللھا لکم یا معاشر خزاعہ''۔

اور اگر کوئی کہے کہ رسول اللہؐ نے اس شہر میں جنگ کی ہے تو اس سے کہو کہ خدا نے اپنے رسول کے لئے جنگ حلال کی تھی اور تمہارے لئے جنگ حلال نہیں کی ہے اے بنی خزاعہ!

رسولؐ نے اہل مکہ اور اس کے باشندوں کے بارے میں جس محبت و مہربانی، عفو و درگذر اور مکہ کی سرزمین کی تقدیس اور اس کی حرمت کے متعلق جو اقدام کئے تھے وہ قریش کو بہت پسند آئے، لہذا ان کے دل آپؐ کی طرف جھکے اور انہوں نے بطیب الخاطر اسلام قبول کرلیا۔ جب پورا علاقہ مسلمان ہو گیا تو رسولؐ نے مکہ اور اس کے مضافات میں بعض دستے روانہ کئے تاکہ وہ باقی ماندہ بتوں کو توڑ ڈالیں اور مشرکین کے معبدوں کو منہدم کر دیں لیکن خالد بن ولید نے اپنے چچا کے قصاص میں بنی جذیمہ کے بہت سے لوگوں کو قتل کر ڈالا حالانکہ وہ اسلام قبول کر چکے تھے۔[3] جب رسولؐ کو اس سانحہ کی خبر ملی تو آپؐ بہت غضبناک ہوئے اور حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ ان مقتولوں کی دیت ادا کریں پھر آپؐ قبلہ رو کھڑے ہوئے اپنے

---

1 بحار الانوار ج ۲۱، ص ۱۱۳، سورۂ ممتحنہ: ۱۲۔

2 سنن ابن ماجہ حدیث ۳۱۰۹، کنز العمال ح ۳۴۶۸۲، در منثور ج ۱ ص ۱۲۲۔

3 سیرت نبویہ ج ۲ ص ۴۲۰، خصال ص ۵۶۲، امالی طوسی ص ۳۱۸۔

دونوں ہاتھوں کو بلند کیا اور عرض کی: ''اللّھم انّی ابرء الیک مما صنع خالد بن الولید'' اے اللہ جو کچھ خالد بن ولید نے کیا ہے میں اس سے بری ہوں، اس سے بنی جذیمہ کے دلوں کو اطمینان ہو گیا۔[1]

۳۔ جنگ حنین اور طائف کا محاصرہ[2]

فاتح کی حیثیت سے رسولؐ کو مکہ میں پندرہ روز گزر گئے شرک کی مدتِ دراز کے بعد توحید کا یہ عہدِ جدید تھا مسلمان مسرت میں جھوم رہے تھے، ام القریٰ میں امن و امان کی حکمرانی تھی اچانک رسولؐ کو یہ خبر ملی کہ ہوازن و ثقیف دونوں قبیلوں نے اسلام سے جنگ کرنے کی تیاری کر لی ہے ان کا خیال ہے اس کام کو انجام دیدیں گے جسے شرک و نفاق کی ساری طاقتیں متحد ہو کر انجام نہ دے سکیں یعنی یہ دونوں قبیلے- معاذاللہ- اسلام کو نابود کر دیں گے؟! رسولؐ نے ان سے نمٹنے کا عزم کیا لیکن آپؐ نے اپنی عادت کے مطابق پہلے مکہ میں امور کی دیکھ بھال کا انتظام کیا نماز پڑھانے اور امور کا نظم و نسق عتاب بن اسید کے سپرد کیا لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینے اور انہیں احکام اسلام سکھانے کے لئے معاذ بن جبل کو معین کیا اس کے بعد بارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ روانہ ہوئے، اتنی بڑی فوج مسلمانوں نے نہیں دیکھی تھی اس سے انہیں غرور ہو گیا یہاں تک ابو بکر کی زبان پر یہ جملہ آگیا: اگر بنی شیبان بھی ہم سے مقابلہ کریں گے تو آج ہم اپنی قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہونگے۔[3]

ہوازن و ثقیف میں اتحاد تھا وہ جنگ کی پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے اہل و عیال کو بھی اپنے ہمراہ لائے تھے اور لشکر اسلام کو کچلنے کے لئے گھات میں بیٹھ گئے تھے۔ لشکر اسلام کے ہراول دستے جب کمین گاہ کے اطراف میں پہنچے تو انہوں نے انہیں فرار کرنے پر مجبور کر دیا یہاں تک کہ دشمن کے اسلحہ سے ڈر کر باقی مسلمان بھی ثابت قدم نہ رہ سکے، بنی ہاشم میں سے صرف نو افراد رسولؐ کے ساتھ باقی بچے تھے دسویں ایمن- ام ایمن کے بیٹے- تھے- یہ صورت حال دیکھ کر منافقین مارے خوشی کے اچھل پڑے۔ ابوسفیان طعن و تشنیع کرتا ہوا نکلا اور کہنے لگا- یہ لوگ جب تک سمندر کے کنارے تک نہیں پہنچیں گے اس وقت تک دم نہیں لیں گے۔ کسی نے کہا: کیا آج سحر باطل نہیں ہو گیا؟ کسی نے اس پریشان حالی میں رسولؐ کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔[4]

رسولؐ نے اپنے چچا عباس سے فرمایا کہ بلندی پر جا کر شکست خوردہ اور بھاگے ہوئے انصار و مہاجرین کو اس طرح آواز دیں: '' یا اصحاب سورة البقرہ، یا اھل بیعة الشجرة الی این تفرون؟ ھذا رسول اللہ!''۔

اے سورۂ بقرہ والو! اے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو! کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ یہ اللہ کے رسولؐ ہیں۔

اس سے وہ لوگ غفلت کے بعد ہوش میں آگئے، پراگندگی کے بعد میدان کارزار پھر گرم کیا، اسلام اور رسول کا دفاع کرنے کے بارے میں جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کرنے کی طرف لوٹ آئے جب رسولؐ نے ان کی جنگ دیکھی تو فرمایا: ''الآن حمی الوطیس انا النبی لا کذب انا ابن المطلب'' ہاں اب جنگ اپنے

---

1 طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴۸۔

2 جنگ حنین ماہ شوال ۸ھ میں ہوئی۔

3 طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۰، مغازی ج ۲ ص ۸۸۹۔

4 سیرت نبویہ ج ۲ ص ۴۴۳، مغازی ج ۳ ص ۹۹۔

شباب پر آئی ہے، میں خدا کا نبیؐ ہوں جھوٹ نہیں ہے، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔ پس خدا نے مسلمانوں کے دلوں کو سکون بخشا اور اپنی مدد سے ان کی تائید کی جس کے نتیجے میں کفر کے گروہ شکست کھا کر بھاگ گئے، لشکر اسلام نے ان میں سے چھ ہزار کو اسیر کیا اور بہت سا مال غنیمت پایا۔[1]

رسولؐ نے فرمایا: مال غنیمت کی حفاظت اور اسیروں کی نگہبانی کی جائے۔ دشمن فرار کرکے اوطاس، نخلہ اور طائف تک پہنچ گیا۔ یہ رسولؐ کے اخلاق کی بلندی، رحم دلی اور عفو ہی تھا کہ آپؐ نے ام سلیم سے فرمایا: ''یاام سلیم قد کفی اللہ، عافیۃ اللہ اوسع'' خدا کافی ہے اور اس کی عافیت بہت زیادہ وسیع ہے۔

دوسری جگہ رسولؐ اس وقت غضبناک ہوئے جب آپؐ کو یہ خبر ملی کہ بعض مسلمان مشرکین کی ذریت کو تہ تیغ کر رہے ہیں فرمایا:

''ما بال اقوام ذهب بهم القتل حتى بلغ الذرية الا لا نقتل الذرية''

ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے اب وہ بچوں تک کو قتل کر رہے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہم بچوں کو قتل نہیں کرتے ہیں۔ اسید بن حضیر نے عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ! کیا یہ مشرکین کی اولاد نہیں ہیں؟ فرمایا:

''اوليس خياركم اولاد المشركين ، كل نسمة تولد علىٰ الفطرة حتى يعرب عنها لسانها و ابواها يهودانها او ينصرانها''۔[۲]

کیا تمہارے بہترین افراد مشرکین کی اولاد نہیں ہیں؟ ہر انسان فطرت -اسلام- پر پیدا ہوتا ہے اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔

مسلمانوں کے فوجی دستے دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے طائف تک پہنچ گئے اور تقریباً پچیس دین تک ان کا محاصرہ کئے رہے، وہ بھی دیواروں کے پیچھے سے مسلمانوں پر تیر بارانی کرتے تھے اس کے بعد رسولؐ بہت سی وجوہ کی بنا پر طائف سے لوٹ آئے۔

جب جعرانہ -جہاں اسیروں اور مال غنیمت کو جمع کیا گیا تھا- پہنچے تو قبیلۂ ہوازن کے بعض لوگوں نے خدمت رسولؐ میں معافی کے لئے التماس کی، کہنے لگے: اے اللہ کے رسولؐ! ان اسیروں میں بعض آپؐ کی پھوپھیاں اور بعض خالائیں ہیں جنہوں نے آپؐ کو گود کھلایا ہے -ایک روایت کے مطابق رسولؐ کو رضاعت کے لئے قبیلہ بنی سعد کے سپرد کیا گیا تھا جو کہ ہوازن کی شاخ تھی- اگر ہم حارث بن ابی شمر یا نعمان بن المنذر سے اتنا اصرار کرتے تو ہمیں ان کے عفو و مہربانی کی امید ہوتی۔ آپؐ سے تو ان سے زیادہ امید ہے۔ اس گفتگو کے بعد رسولؐ نے ان سے یہ فرمایا: ایک چیز اختیار کریں۔ یا مال واپس لے لیں یا قیدیوں کو چھڑا لیں۔ انہوں نے قیدیوں کو آزاد کرا لیا۔ پھر رسولؐ نے فرمایا: ''اما ما کان لی ولبنی عبد المطلب فھو لکم'' جو میرا اور بنی عبد المطلب کا حصہ ہے وہ تمہارا ہے جب مسلمانوں نے رسولؐ کا عفو و کرم دیکھا تو انہوں نے بھی اپنا اپنا حصہ رسولؐ کے سپرد کر دیا۔[3]

رسولؐ نے اپنی حکمت بالغہ اور درایت سے تمام لوگوں کی ہدایت کے لئے نیز جنگ کی آگ کو خاموش کرنے کی خاطر سب کو معاف کر دیا یہاں تک کہ اس جنگ کو بھڑکانے والا مالک بن حارث بھی اگر مسلمان ہو کر آپ کے پاس آ جائے تو اسے بخش دیا جائیگا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

---

1 اس سلسلہ میں سورۂ توبہ کی کچھ آیتیں نازل ہوئی تھیں جو کہ خدا کی تائید و نصرت کی وضاحت کر رہی ہیں۔

2 امتاع الاسماع ج۱ ص۴۰۹۔

3 سید المرسلین ج۲ ص۵۳، مغازی ج۳ ص۹۴۹-۹۵۳۔

''اخبروا مالکاً انّہ ان اتانی مسلماً رددت علیہ اھلہ و مالہ واعطیتہ ماءۃ من الابل و سرعان ما اسلم مالک''۔[1]

مالک کو خبر کرو کہ اگر وہ مسلمان ہو کر میرے پاس آئیگا تو اس کے اہل و عیال اور مال و دولت اسے واپس مل جائیں گے اور مزید اسے سو اونٹ دیئے جائینگے۔اس کے نتیجہ میں مالک نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔

مال غنیمت کی تقسیم

مسلمان رسولؐ کی خدمت میں آئے اور مال غنیمت تقسیم کرنے کے لئے اصرار کرنے لگے،انہوں نے اس سلسلہ میں اتنی شدت اختیار کی کہ آپؐ کی ردا تک اچک لے گئے آپؐ نے فرمایا:

''ردوا علی ردائی فو اللّٰہ لو کان لکم بعدد شجر تھامۃ نعماً لقسمتہ علیکم، ثم ما الفیتمونی بخیلاً ولا جباناً ولا کذاباً''۔

میری ردا واپس کر دو، خدا کی قسم اگر تہامہ کے درختوں کے برابر بھی تمہارا مال ہوتا تو بھی میں اسے تقسیم کر دیتا پھر تم مجھ پر بخل، بزدلی اور جھوٹ کا الزام نہیں لگا سکتے تھے۔

اس کے بعد آپؐ اٹھے،اپنے اونٹ کے کوہان کے کچھ بال لئے اور اپنی انگلیوں میں لیکر بلند کیا اور فرمایا:

''ایھا النّاس و اللّٰہ مالی فی فیئکم ولا ھذہ الوبرۃ الا الخمس ، و الخمس مردود علیکم''۔

اے لوگو! اس مال غنیمت میں میرا حصہ اس اونٹ کے بال کے برابر بھی نہیں ہے سوائے خمس کے اور وہ پانچواں حصہ بھی تمہیں دے دیا گیا ہے۔ پھر آپؐ نے یہ حکم دیا کہ جو چیز بھی غنیمت میں ہاتھ آئی ہے اسے واپس لوٹایا جائے تاکہ انصاف کے ساتھ تقسیم ہو سکے۔

رسولؐ نے مولفۃالقلوب،ابوسفیان، معاویہ بن ابوسفیان، حکیم بن حزام، حارث بن حارث، سہیل بن عمرو، حویطب بن عبد العزی اور صفوان بن امیہ وغیرہ سے شروع کیا، یہ کفر و شرک کے وہ سرغنہ تھے جو آپؐ کے سخت ترین دشمن اور کل تک آپؐ سے جنگ کرتے تھے۔اس کے بعد اپنا حق خمس بھی انہیں میں تقسیم کر دیا رسولؐ کے اس عمل سے بعض مسلمانوں کے دل میں غصہ و حمیت بھڑک اٹھی کیونکہ وہ رسولؐ کے مقاصد اور اسلام کی مصلحتوں سے واقف نہیں تھے، یہ غصہ میں اتنے آپے سے باہر ہوئے کہ ان میں سے ایک نے تو یہ تک کہہ دیا کہ میں آپؐ کو عادل نہیں پاتا ہوں۔اس پر رسولؐ نے فرمایا:

''ویحک اذا لم یکن العدل عندی فعند من یکون''

وائے ہو تمہارے اوپر اگر میں عدل نہیں کرونگا تو کون عدل کرے گا؟ عمر بن خطاب چاہتے تھے کہ اسے قتل کر دیں لیکن رسولؐ نے انہیں اجازت نہیں دی فرمایا:

---

1 مغازی ج۳ص ۹۵۴ و ص ۹۵۵۔

"دعوه فانه سیکون له شیعة یتعمقون فی الدین حتی یخرجوا منه کما یخرج السهم من رمیته"۔ [1]

جانے دو عنقریب اس کے پیرو ہونگے جو دین کے بارے میں بہت بحث کیا کریں گے اور دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح کمان سے تیر نکل جاتا ہے۔

انصار کا اعتراض

سعد بن عبادہ نے یہ مناسب سمجھا کہ رسولؐ کو انصار کی یہ بات "کہ رسولؐ اپنی قوم سے مل گئے اور اپنے اصحاب کو بھول گئے" بتادی جائے جو ان کے درمیان گشت کر رہی ہے۔ سعد نے انصار کو جمع کیا رسولؐ کریم تشریف لائے تاکہ ان سے گفتگو کریں، پس آپؐ نے خدا کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

"یا معشر الانصار ما مقالة بلغتنی عنکم و جِدَةً وجد تموھا في انفسکم؟! الم آتکم ضُلّالاً فھداکم اللّٰه و عالة فاغناکم اللّٰه و اعداءً فالّف اللّٰه بین قلوبکم؟ قالوا: بلیٰ اللّٰه و رسوله أمَنٌّ و افضل ، ثم قال: الا تجیبون یا معشر الانصار؟ قالوا و ماذا نجیبک یا رسول اللّٰه؟ قال: اما و اللّٰه لو شئتم قلتم فصدقتم: اتیتنا مکذباً فصدقناک و مخذولاً فنصرناک و طریداً فآویناک و عائلاً فآسیناک۔ وجدتم في انفسکم یا معشر الانصار ان یذھب النّاس بالشاة و البعیر و ترجعوا برسول اللّٰه الیٰ رحالکم؟ و الذی نفس محمد بیده لولا الھجرة لکنت امر ئاً من الانصار ولو سلک النّاس شعباً و سلکت الانصار شعباً لسلکت شعب الانصار"۔

اے گروہ انصار! مجھ تک تمہاری وہ بات پہنچی ہے جو تم اپنے دلوں میں محسوس کر رہے ہو۔ کیا تم پہلے گمراہ نہیں تھے، خدا نے تمہیں۔ہمارے ذریعہ۔ ہدایت دی، تم نادار و مفلس تھے خدا نے تمہیں ہماری بدولت مالا مال کیا۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے خدا نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ڈالی۔ کیا ایسا نہیں ہے؟ انصار نے کہا: خدا اور رسولؐ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔ پھر فرمایا: اے گروہ انصار کیا تم مجھے جواب نہیں دوگے؟ انہوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ! ہم آپؐ کو کس طرح جواب دیں؟ آپؐ نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر تم اس طرح کہتے تو سچ ہوتا کہ لوگوں نے آپؐ کو جھٹلایا اور ہم نے آپؐ کی تصدیق کی، لوگوں نے آپؐ کو چھوڑ دیا تو ہم نے آپؐ کی مدد کی لوگوں نے آپؐ کو وطن سے نکال دیا تو ہم نے آپؐ کو پناہ دی، آپ مفلس تھے ہم نے آپؐ کی مال سے مدد کی اے گروہِ انصار! تم اپنے دلوں میں دنیا کی جس چیز کی محبت محسوس کرتے ہو اس کے ذریعہ میں نے کچھ لوگوں کی تالیف قلب کی ہے تاکہ وہ مسلمان ہو جائیں اور تمہیں تمہارے اسلام کے سپرد کر دیا ہے اے گروہ انصار کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ لوگ اونٹ اور بکریوں کے ساتھ اپنے گھر جائیں اور تم اللہ کے رسولؐ کے ساتھ اپنے گھر جاؤ؟ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی میں سے ہوتا اگر لوگ کسی قبیلہ کا انتخاب کرتے اور انصار بھی کسی قبیلہ کا انتخاب کرتے تو میں انصار کے قبیلہ کو اختیار کرتا۔

ان جملوں نے ان کے دلوں میں جذبات و شعور کو بیدار کر دیا اور وہ یہ سمجھ گئے کہ رسولؐ کے بارے میں ان کا خیال صحیح نہیں تھا یہ سوچ کر وہ رونے لگے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسولؐ ہم اسی تقسیم پر راضی ہیں۔

---

1 سیرت نبویہ ج۲ ص۴۹۶، مغازی ج۳ ص۹۴۸۔

ماہِ ذی الحجہ میں رسولؐ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جعرانہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے، عمرہ بجالائے احرام کھولا، عتاب بن اسید اور ان کے ساتھ معاذ بن جبل کو مکہ میں اپنا نمائندہ مقرر کیا جو مہاجرین وانصار آپؐ کے ساتھ تھے ان کے ہمراہ آپؐ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔[1]

۴۔ جنگ تبوک [2]

اسلامی حکومت ایک مستقل نظام کی صورت میں سامنے آئی اس کے سامنے بہت سے چیلنج تھے اس کی سرحدوں اور زمینوں کی حفاظت کرنا مسلمانوں کا فریضہ تھا تاکہ زمین کے گوشہ گوشہ میں اسلام کا پیغام پہنچ جائے۔

رسولؐ نے مملکتِ اسلامیہ کے تمام مسلمانوں سے یہ فرمایا کہ روم سے جنگ کے لئے تیاری کرو، کیونکہ روم کے بارے میں مسلسل یہ خبریں مل رہی تھیں کہ وہ جزیرہ نمائے عرب پر حملہ کرکے دین اسلام اور اس کی حکومت کو نیست ونابود کرنے کے لئے تیاری کر رہا ہے۔ اتفاق سے اس سال بارش نہیں ہوئی، جس کے نتیجہ میں پیداوار کم ہوئی اور شدید گرمی پڑی، اس صورت میں دشمن کی اس فوج سے مقابلہ کے لئے نکلنا بہت دشوار تھا جو تجربہ کار قوی اور کثیر تھی چنانچہ جن لوگوں میں روحانیت کم تھی اور جن کے نفس کمزور تھے وہ پیچھے ہٹ گئے اور ایک بار پھر نفاق کھل کر سامنے آگیا تاکہ ارادوں میں ضعف آجائے اور اسلام کو چھوڑ دیا جائے۔

بعض تو اس لئے لشکر اسلام میں شامل نہیں ہوئے کیونکہ وہ دنیا کو بہت دوست رکھتے تھے، بعض شدید گرمی کو بہانہ بناکر پیچھے ہٹ گئے کچھ اپنے ضعف اور رسولؐ کے کم وسائل کی وجہ سے آپؐ کے ساتھ نہیں گئے، حالانکہ راہ خدا میں جہاد کے لئے سچے مومنین نے اپنا مال بھی خرچ کیا تھا۔ رسولؐ کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ منافقین ایک یہودی کے گھر میں جمع ہوتے ہیں اور لوگوں کو جنگ میں شریک ہونے سے روکتے ہیں، انہیں ڈراتے ہیں، رسولؐ نے دوراندیشی اور سختی کے ساتھ اس معاملہ کو بھی حل کیا۔ ان کے پاس ایسے شخص کو بھیجا جس نے انہیں اسی گھر میں جلا دیا تاکہ دوسروں کے لئے عبرت ہو جائے۔

خدا نے کچھ آیتیں نازل کی ہیں جو منافقین کی گھناونی سازشوں کو آشکار کرتی ہیں اور جنگ سے جی چرانے والوں کو جھنجھوڑتی ہیں اور کمزور لوگوں کو معذور قرار دیتی ہیں مسلمانوں کی فوج میں کم سے کم تیس ہزار سپاہی تھے۔ روانگی سے قبل رسولؐ نے مدینہ میں حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا کیونکہ آپؐ جانتے تھے کہ علیؑ تجربہ کار بہترین تدبیر کرنے والے اور پختہ یقین کے حامل ہیں۔ رسولؐ کو یہ خوف تھا کہ منافقین مدینہ میں تخریب کاریاں کریں گے اس لئے فرمایا:

"یا علیؑ ان المدینة لا تصلح الا بی او بک"۔[۳]

اے علیؑ! مدینہ کی اصلاح میرے یا تمہارے بغیر نہیں ہو سکتی۔

---

1 سیرت نبویہ ج۲ ص۴۹۸، مغازی ج۳ ص۹۵۷۔

2 جنگ تبوک ماہ رجب ۹ھ میں ہوئی۔

3 ارشاد مفید ج۱ ص۱۱۵، انساب الاشراف ج۱ ص۹۴ و ۹۵، کنزالعمال ج۱۱ باب فضائل علی۔

نبیؐ کی نظر میں علیؑ کی منزلت

جب منافقین اور دل کے کھوٹے لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ علی بن ابی طالبؑ مدینہ میں ہی رہیں گے تو انہوں نے بہت سی افواہیں پھیلائیں کہنے لگے رسولؐ انہیں اپنے لئے دردسر سمجھتے ہیں اس لئے یہاں چھوڑ گئے ہیں، اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ مدینہ خالی ہو جائے تا کہ پھر وہ حسب منشا جو چاہیں سو کریں ان کی یہ باتیں سن کر حضرت علیؑ نے رسولؐ سے ملحق ہونے کے لئے جلدی کی چنانچہ مدینہ کے قریب ہی آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچ گئے اور عرض کی:

اے اللہ کے رسولؐ منافقین کا یہ گمان ہے کہ آپؐ مجھے اپنے لئے وبال جان سمجھتے ہیں اسی لئے مجھے آپؐ نے مدینہ میں چھوڑا ہے۔

فرمایا:

"کذبوا ولکننی خلفتک لما ترکت وراءي فاخلفنی فی اہلی و اھلک افلا ترضیٰ یا علی ان تکون منی بمنزلة ھارون من موسیٰ الّا انّه لا نبی بعدی۔"[1]

وہ جھوٹے ہیں، میں نے تمہیں اپنا جانشین بنایا ہے تا کہ تم اپنے اور میرے اہل خانہ میں میرے جانشین رہو، اے علیؑ! کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم میرے لئے ویسے ہی ہو جیسے موسیٰ کے لئے ہارون تھے بس میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

مسلمانوں کی فوج دشوار و طویل راستہ طے کرتی چلی جا رہی تھی اس جنگ میں رسولؐ نے گذشتہ جنگوں کے برخلاف مقصد وہدف کی وضاحت فرما دی تھی، جو لوگ مدینہ سے آپؐ کے ساتھ چلے تھے ان کی ایک جماعت نے راستہ کے بارے میں آپؐ سے اختلاف کیا تو آپؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

"دعوه فان یکن بہ خیر سیلحقہ اللہ بکم وان یکن غیر ذالک فقد اراحکم اللہ منہ"

انہیں جانے دو اگر ان کا ارادہ نیک ہے تو خدا انہیں تم سے ملحق کر دے گا اور اگر کوئی دوسرا ارادہ ہے تو خدا نے تمہیں ان سے نجات دیدی۔

رسولؐ تیزی سے منزل مقصود کی طرف بڑھ رہے تھے جب آپؐ حضرت صالح کی قوم کے ٹیلوں کے پاس سے گذرے تو اپنے اصحاب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"لا تدخلوا بیوت الذین ظلموا اِلّا و انتم باکون خوفاً ان یصیبکم ما اصابھم"

ظلم کرنے والوں کے گھروں میں داخل نہ ہونا مگر روتے ہوئے اور اس خوف کے ساتھ (داخل ہونا) کہ جو افتاد ان پر پڑی تھی وہ تم پر نہ پڑے" اور انہیں اس علاقہ کا پانی استعمال کرنے سے منع کیا اور انہیں سخت موسم سے آگاہ کیا نیز اس جنگ میں کھانے پانی اور دیگر اشیاء کی قلت سے متنبہ کیا، اسی لئے اس لشکر کو "جیش العسرة" کہتے ہیں۔

مسلمانوں کو روم کی فوج نہیں ملی کیونکہ وہ پراگندہ ہو چکی تھی۔ اس موقعہ پر رسولؐ نے اصحاب سے یہ مشورہ کیا کہ دشمن کا تعاقب کیا جائے یا مدینہ واپس چلا جائے اصحاب نے عرض کی: اگر آپ کو چلنے کا حکم دیا گیا ہے تو چلئے رسولؐ نے فرمایا:

---

1 امتاع الاسماع ج ۱ ص ۴۴۹، صحیح بخاری ج ۳ ص ۱۳۵۴، حدیث ۳۵۰۳، صحیح مسلم ج ۵ ص ۲۳، حدیث ۴۴۰۴، سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۴۲، حدیث ۱۱۵، مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۴، حدیث ۱۵۰۸۔

"لو امرت به ما استشرتكم فيه"

اگر مجھے حکم دیا گیا ہوتا تو میں تم سے مشورہ نہ کرتا[1] پھر آپؐ نے مدینہ لوٹنے کا فیصلہ کیا۔

رسولؐ جزیرہ عرب کے شمالی علاقہ کے سرداروں کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے یہ معاہدہ کیا کہ طرفین میں سے کوئی بھی کسی پر حملہ وزیادتی نہیں کرے گا۔اس کے بعد رسولؐ نے خالد بن ولید کو دومۃ الجندل کی طرف بھیجا کیونکہ وہاں کے سرداروں سے یہ خوف تھا کہ وہ دوسرے حملہ میں کہیں روم کا ساتھ نہ دیں مختصر یہ کہ مسلمانوں نے وہاں کے حاکم کو گرفتار کر لیا اور بہت سامان غنیمت ساتھ لائے۔[2]

رسولؐ کے قتل کی کوشش

مقام تبوک میں دس بارہ روز گزارنے کے بعد رسولؐ اور مسلمان مدینہ کی طرف واپس لوٹے جن لوگوں کا خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہیں تھا ان کے دلوں میں شیطان نے وسوسہ کیا اور انہوں نے رسولؐ کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا اور یہ منصوبہ بنایا کہ جب آپؐ کا ناقہ ان کے پاس سے گذرے گا تو اسے بھڑکا دیں گے تاکہ آپؐ کو گھاٹی میں گرا دے۔

جب یہ لشکر۔مدینہ و شام کے درمیان۔مقام عقبہ پر پہنچا تو رسولؐ نے یہ فرمایا: "من شاء منکم ان یاخذ بطن الوادی فانہ اوسع لکم" جو تم میں سے وادی کے بیچ سے جانا چاہتا ہے وہاں سے چلا جائے کہ وہ تمہارے لئے زیادہ کشادہ ہے۔چنانچہ لوگوں نے وادی کا راستہ اختیار کیا اور آپؐ عقبہ والے راستہ پر چلتے رہے،حذیفہ بن یمان آپؐ کے ناقہ کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور عمار یاسر اسے پیچھے سے ہانک رہے تھے،رسولؐ نے چاند کی روشنی میں کچھ سواروں کو دیکھا جو اپنا منہ چھپائے ہوئے تھے اور پیچھے سے آہستہ آہستہ ناقہ کی طرف بڑھ رہے تھے،یہ دیکھ کر رسولؐ کو غیظ آ گیا آپؐ نے انہیں پھٹکارا اور حذیفہ سے فرمایا:ان کی سواریوں کے منہ پر مارو!اس سے ان پر رعب طاری ہو گیا اور وہ یہ سمجھ گئے کہ رسولؐ کو ہمارے دل کی حالت کا علم ہو گیا اور ہماری سازش بے نقاب ہو گئی لہذا وہ دیکھتے ہی دیکھتے عقبہ سے بھاگ گئے تاکہ لوگوں میں گم ہو جائیں اور ان کی شناخت نہ ہو سکے۔

حذیفہ نے رسولؐ سے درخواست کی کہ کسی کو ان کے تعاقب میں بھیج کر انہیں قتل کرا دیجئے کیونکہ انہوں نے ان کی سواریوں کو پہچان لیا تھا لیکن رسولؐ رحمت نے انہیں معاف کر دیا اور ان کے معاملہ کو خدا پر چھوڑ دیا۔[3]

جنگ تبوک کے نتائج

ا۔مسلمان ایک بڑی منظم طاقت بن کر ابھرے،ایسی قوت جو مضبوط عقیدہ کے حامل کو ملتی ہے،اس سے مضافات کی حکومتوں اور دیگر ادیان کو خوف لاحق ہوا یقیناً اسلامی شہروں سے باہر،اور ان کے اندر کی طاقتوں کے لئے یہ حقیقی خطرہ تھا جس سے بچنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو نہ

---

1 المغازی ج۳ص۱۰۱۹۔

2 طبقات الکبریٰ ج۲ص۱۶۶،بحارالانوار ج۲۱ص۲۴۶۔

3 مغازی ج۳ص۱۰۴۲،مجمع البیان ج۳ص۴۶،بحار الانوار ج۲۱ص۲۴۷۔

چھیڑیں۔

۲۔ مسلمانوں نے شمال کے علاقے کے سرداروں سے معاہدہ کرکے اس علاقہ کو محفوظ بنالیا تھا۔

۳۔ اسلحہ وتعداد کے لحاظ سے بڑی فوج تیار کرکے مسلمانوں نے اپنی طاقت سے استفادہ کیا، تنظیم وآمادگی کے بارے میں ان کی معلومات میں اضافہ ہوا، تبوک کی طرف یہ سفر میدان مبارزہ کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کے مرادف تھا تاکہ آئندہ اس سے استفادہ کریں۔

۴۔ غزوہ تبوک مسلمانوں کی روحانیت ومعنویت کا امتحان اور منافقین کو مسلمانوں سے جدا کرنے کے لئے تھا۔

۵۔ مسجد ضرار

یقینا رسولؐ آسان شریعت اور دینِ توحید لائے تھے، خدائی دستورات کے مطابق صالح اور صحیح سالم معاشرہ وجود میں لانے کے لئے، سرفروشانہ طریقہ سے کوشاں تھے، انسان کو شرک کی نجاست، شیطانی وسوسوں، نفسیاتی بیماریوں سے نجات دلانے کے لئے، آپؐ نے بہت رنج وغم اٹھائے اور آپ کو متعدد جنگیں لڑنا پڑیں۔

بعض منافقین کے دل میں بغض وحسد کی چنگاری بھڑک اٹھی اور انہوں نے مسجد ''قبا'' کے مقابلہ میں ایک مسجد بناڈالی اور یہ ظاہر کیا کہ اس میں، ضرورت مند بارش وغیرہ کی راتوں میں نماز پڑھا کریں گے وہ رسولؐ کی خدمت میں آئے اور یہ درخواست کی کہ اس مسجد میں نماز پڑھئے اس سے ان کا مقصد اپنے عمل پر شریعت کی مہر لگوانا تھا، چونکہ رسولؐ تبوک کی طرف روانگی کیلئے، تیاری کررہے تھے اس لئے ان کی درخواست منظور کرنے میں آپؐ نے تاخیر کی، جب تبوک سے واپس تشریف لائے تو خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ اس مسجد میں نماز نہ پڑھئے گا، کیونکہ اس سے مسلمان میں تفرقہ پڑ جائیگا اور امت کو نقصان پہنچے گا کتنا فرق ہے ان دو مسجدوں کے درمیان جن میں سے ایک کی بنیاد تقوے پر رکھی گئی ہے اور دوسری مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے بنائی گئی ہے اسی بنا پر رسولؐ نے اسے منہدم کرنے کا حکم دیدیا۔[1]

۶۔ وفود کا سال

جزیرہ نمائے عرب پر اسلام کا اقتدار مسلم ہوگیا، رسولؐ قوت اور جنگ کا سہارا مجبوری میں ڈرانے کے بعد لیتے تھے مسلمانوں کی اکثر جنگیں دفاعی تھیں، شرک کی طاقتیں حق کو نہیں سمجھتی تھیں وہ طاقت کے استعمال اور ڈرانے دھمکانے سے ہی راہ راست پہ آئی تھیں۔

جب مسلمان اپنی حکومت کے پائے تخت-مدینہ منورہ-واپس لوٹ آئے تو رسولؐ نے کچھ دستے روانہ کئے تاکہ وہ شہروں کو شرک وبت پرستی کے مرکزوں سے پاک کریں۔

---

1 سیرت نبویہ ج۲ ص۵۳۰، بحار الانوار ج۲۰ ص۲۵۳۔

مسلمانوں کی طاقت اوران کی پے در پے فتح سے جزیرہ نما عرب کے سردار اسلام کی ندا کھلے کانوں سن رہے تھے اور اس کے مقاصد وہدایت کو بخوبی سمجھ رہے تھے لہذا ان کے وفود مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ رسولؐ کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان کریں، اس لئے اس سال کو "عام الوفود" کہتے ہیں۔ [1]

رسولؐ ان کا استقبال کرتے تھے ان کے ساتھ نیکی کرتے تھے اور ان کے پاس ایسے شخص کو بھیجتے تھے جو انہیں قرآن اور شریعت اسلام کے فرائض کی تعلیم دیتا تھا۔

قبیلۂ ثقیف کا اسلام لانا

خدائی فتح ونصرت نے ہر شخص پر یہ فرض کر دیا کہ وہ اپنے امور کے بارے میں غور کرے اور اسلام کے سلسلہ میں اپنی عقل کو حاکم بنائے۔ یہ رسولؐ کی حکمتِ بالغہ تھی کہ جب طائف والوں نے اپنے شہر میں داخل نہیں ہونے دیا تھا تو رسولؐ نے فتح طائف کے لئے مہلت دیدی تھی اور آج وہ خود اپنے وفود بھیج رہے ہیں تاکہ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کریں جبکہ پہلے انہوں نے شدید دشمنی اور مخالفت کی تھی اور اپنے سردار، عروہ بن مسعود ثقفی کو اس جرم میں قتل کر دیا تھا کہ وہ خود اسلام قبول کر کے ان کے پاس گیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔

رسولؐ نے ثقفی وفد کو خوش آمدید کہا، مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں ان کے لئے ایک خیمہ نصب کر دیا اور ان کی میزبانی کے فرائض خالد بن سعید کے سپرد کئے۔ اس کے بعد انہوں نے رسولؐ سے چند شرطوں کے ساتھ اسلام قبول کرنے کے سلسلہ میں گفتگو کی وہ شرطیں یہ تھیں: کچھ زمانہ تک ان کے قبیلے کا بت نہ توڑا جائے، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خالص توحید کے علاوہ اور کوئی چیز قبول نہیں ہے ان لوگوں نے رفتہ رفتہ اپنی شرطیں ختم کر دیں بعد میں انہوں نے یہ کہا: ہم اسلام قبول کر لیں گے لیکن ہمیں اس بات سے معاف رکھا جائے کہ اپنے بت خود توڑیں اسی طرح یہ شرط بھی رکھی کہ ہمیں نماز سے معاف رکھا جائے رسولؐ نے فرمایا: "لا خیر فی دین لا صلوٰۃ فیہ" اس دین کا کیا فائدہ جس میں نماز نہیں۔ مختصر یہ کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ وفد ایک مدت تک رسولؐ کے ساتھ رہا اور احکام دین کی تعلیم حاصل کرتا رہا۔ اس کے بعد رسولؐ نے طائف کے بت توڑنے کیلئے، ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا۔ [2]

۷۔ فرزندِ رسولؐ، حضرت ابراہیم کی وفات

اسلام کی کامیابی اور پیغامِ رسالت کی توسیع سے رسولؐ بہت خوش تھے، لوگ دین خدا میں گروہ در گروہ داخل ہو رہے تھے لیکن جب آپؐ کے فرزند جناب ابراہیم دوسرے سال میں داخل ہوئے تو وہ بیمار ہو گئے ان کی والدہ جناب ماریہ نے دیکھا کہ وہ مریض ہیں اور کسی بھی چیز سے انہیں افاقہ نہیں ہو رہا ہے تو رسولؐ کو خبر دی گئی کہ بیٹا احتضار کی حالت میں ہے، آپؐ تشریف لائے دیکھا کہ ابراہیم اپنی ماں کی آغوش میں جاں بلب ہیں، رسولؐ نے انہیں لے لیا اور فرمایا:

---

1 سیرت نبویہ، ابن ہشام: ہجرت کے نویں سال میں اس کا ذکر کیا ہے اور اسے سنۃ الوفود کے نام سے یاد کیا ہے۔

2 سیرت نبویہ ج ۲ ص ۵۳۷، سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۲۱۶۔

''یا ابراہیم انا لن نغنی عنک من اللّٰہ شیئاً انا بک لمحزونون تبکی العین و یحزن القلب ولا نقول ما یسخط الرب ولولا انه وعد صادق و موعود جامع فان الآخر منا یتبع الاول لوجدنا علیک یا ابراھیم وجداً شدیداً ما وجدناہ''۔[1]

اے ابراہیم ہم تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتے، تمہارے غم میں ہماری آنکھیں اشکبار اور دل غم زدہ ہیں لیکن ہم ایسی بات ہر گز نہیں کہتے جو خدا کے غضب کا سبب ہوا گر خدا کا سچا وعدہ نہ ہوتا تو اے ابراہیم ہم تیرے فراق میں اس سے زیادہ گریہ کرتے اور بہت زیادہ غمگین ہوتے،اور ہم بھی تمہارے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔

رسولؐ کے چہرہ اقدس پر غم والم کے آثار ظاہر ہوگئے، تو بعض لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! کیا آپؐ نے ہمیں ایسی باتوں سے نہیں روکا ہے تو آپ نے فرمایا:

''ما عن الحزن نہیت و لکنی نہیت عن خمش الوجوہ و شق الجیوب ورنة الشیطان''۔[2]

میں نے تمہیں عزیزوں کا غم منانے سے نہیں روکا ہے ہاں چہرے پر طمانچے مارنے، گریبان چاک کرنے اور شیطان کی طرح چیخنے چلانے سے منع کیا ہے۔

ایک روایت یہ ہے کہ آپؐ نے یہ فرمایا:

''انما ھذا رحمة و من لا یرحم لا یرحم''[3]

یہ تو بس رحمت ہے اور جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

خدا کی نظر میں نبیؐ کی بڑی منزلت ہے اور آپؐ نے کتنے ہی معجزات دکھائے ہیں جن کے سبب لوگ آپؐ پر ایمان لائے ہیں لیکن جب آپؐ کے فرزند جناب ابراہیم کی وفات کے روز سورج کو گہن لگا تو بعض مسلمانوں نے خیال کیا کہ ان کی موت کے باعث سورج کو گہن لگا ہے۔

رسولؐ نے اس گمان کی نفی فرمائی اور اس خوف سے کہ کہیں یہ سنت نہ بن جائے اور جاہل اس کے معتقد نہ ہو جائیں فوراً فرمایا:

''ایھا النّاس ان الشمس و القمر آیتان من آیات اللّٰہ لا یکسفان لموت احد ولا لحیاته''۔[4]

اے لوگو! چاند سورج خدا کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ان کو کسی کی موت وحیات پر گہن نہیں لگتا ہے۔

---

1 سیرت حلبیہ ج۳ص۳۱۱، بحار الانوار ج۲۲ص۱۵۷۔

2 سیرت حلبیہ ج۳ص۳۱۱۔

3 بحار الانوار ج۲۲ص۱۵۱۔

4 تاریخ یعقوبی ج۲ص۱۸۷۔

تیسری فصل

جزیرہ نماعرب سے بت پرستی کا صفایا

ا۔ مشرکین سے اعلانِ برائت

جب جزیرہ نماعرب میں اسلامی عقیدے اور شریعتِ سہلہ کا فروغ ہو گیا اور بہت سے لوگوں نے اسے قبول کر لیا تو وہاں شرک وبت پرستی پر چند ہی لوگ قائم رہے وہاں صریح طور پر ایہ اعلان کرنا ضروری تھا کہ عبادی و سیاسی مناسک میں شرک و بت پرستی کا مظاہرہ نہیں کرنے دیا جائے گا۔ اب وقت آگیا تھا کہ اسلامی حکومت ہر جگہ اپنے نعروں اور شعار کا اعلان کرے، نرمی اور تالیف قلوب کا زمانہ ختم ہو چکا تھا گذشتہ دور اس بات کا متقضی تھا کہ اب اس کی ضرورت نہیں تھی۔

اس اعلان کے لئے رسولؐ نے زمانہ کے لحاظ سے قربانی کا دن اور جگہ کے اعتبار سے منیٰ [1] کو منتخب کیا اور ابو بکر کو سورۂ توبہ [2] کی ابتدائی آیتیں پڑھنے کے لئے مقرر کیا گیا۔ یہ آیتیں اسی سلسلہ میں نازل ہوئی تھیں ان کے ضمن میں تمام مشرکین سے صریح طور پر برائت کا اعلان تھا، برائت کی شقیں درج ذیل ہیں:

ا۔ کافر جنت میں نہیں جائیگا۔

۲۔ برہنہ حالت میں کسی کو خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرنے دیا جائیگا۔(یہ جاہلیت کی رسم تھی)

۳۔ اس سال کے بعد کسی مشرک کو حج نہیں کرنے دیا جائے گا۔

۴۔ جس کا رسولؐ سے معاہدہ ہے وہ اپنی مدت پر ختم ہو جائیگا لیکن جس کا کوئی معاہدہ نہیں ہے اس کے لئے چار ماہ کی مہلت ہے اس کے بعد دارالاسلام میں اگر مشرک پایا جائیگا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔

---

1 دس ذی الحجہ ۹ھ۔

2 سورۂ توبہ ا۔۱۳۔

اسی اثنا میں رسولؐ پر وحی نازل ہوئی: ”انّہٗ لایؤدِّی عنک الاانت اور جل منک“ اس پیغام کو آپؐ یا وہ شخص پہنچا سکتا ہے جو آپؐ سے ہو۔ پس آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو طلب کیا اور فرمایا: عضباء ناقہ پر سوار ہو کر ابو بکر کے پاس جاؤ اور ان سے وہ پیغام لے لو اور اسے تم لوگوں تک پہنچاؤ۔[1]

علیؑ بن ابی طالبؑ حاجیوں کے مجمع میں کھڑے ہوئے اور ہمت و جرأت کے ساتھ خدا کے بیان (پیغام) کو پڑھا ہر چیز کو واضح طور سے بیان کیا، لوگوں نے اسے کھڑے ہو کر بہت توجہ اور خاموشی کے ساتھ سنا مشرکین پر اس اعلان کا یہ اثر ہوا کہ وہ فرمانبردار ہو کر رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

۲۔ نصارائے نجران سے مباہلہ

نصارائے نجران کو رسولؐ نے خط لکھ کر اسلام کی طرف دعوت دی، ان کے سردار اور صاحبان حل و عقد اس خط کے بارے میں غور و فکر کرنے کے لئے جمع ہوئے لیکن کسی خاص و قطعی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے کیونکہ ان کے پاس ایسی تعلیمات کا علم تھا جو جناب عیسیٰؑ کے بعد ایک نبیؐ کی آمد کی تاکید کرتے تھے اور محمدؐ کے معجزات و افعال اس بات پر دلالت کرتے تھے کہ آپ نبیؐ ہیں۔ اس لئے انہوں نے یہ طے کیا کہ نبیؐ کے پاس ایک وفد بھیجا جائے جو ان سے گفتگو کرے۔

یہ وفد رسولؐ کے پاس پہنچا لیکن رسولؐ نے ان کے ظاہر کو دیکھ کر انہیں کوئی اہمیت نہ دی یہ بھی بت پرستوں کی وضع قطع میں تھے۔ حریر و دیبا کی ردا ڈالے ہوئے، سونا پہنے ہوئے اور گردنوں میں صلیب لٹکائے ہوئے تھے، دوسرے دن انہوں نے اپنی وضع قطع بدلی اور پھر حاضرِ خدمت ہوئے تو رسولؐ نے انہیں خوش آمدید کہا، ان کا احترام کیا اور انہیں ان کے مذہبی امور بجالانے کی سہولت فراہم کی۔[2]

اس کے بعد ان کے سامنے اسلام پیش کیا، قرآن مجید کی کچھ آیتوں کی تلاوت کی لیکن انہوں نے قبول نہ کیا بہت زیادہ بحث و مباحثہ ہوا آخر کار رسولؐ نے فرمایا کہ اب میں تم سے مباہلہ کرونگا یہ بات آپؐ نے حکم خدا سے کہی تھی اگلے روز مباہلہ کرنے پر اتفاق ہو گیا۔

حکم خدا کی اطاعت میں ان سے مباہلہ کے لئے رسولؐ اس طرح برآمد ہوئے کہ حسینؑ کو (گود میں) اٹھائے اور حسنؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے آپؐ کے پیچھے آپؐ کی بیٹی فاطمہؑ اور ان کے بعد آپؐ کے ابن عم علیؑ بن ابی طالبؑ تھے اس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے :

(فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابنائنا وابنائکم ونسائنا ونسائکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین)[3]

جب تمہارے پاس علم آچکا تو اگر کوئی شخص اس سلسلہ میں تم سے حجّت کرے تو تم ان سے یہ کہدو کہ تم اپنے بیٹوں کو لاؤ ہم اپنے بیٹوں کو لائیں تم اپنی عورتوں کو لاؤ ہم اپنی عورتوں کو لائیں تم اپنے مردوں کو لاؤ ہم اپنے مردوں کو لائیں پھر مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دیں۔

ان کے علاوہ رسولؐ نے مسلمانوں میں سے کسی ایک کو اپنے ساتھ نہیں لیا۔ یہ مباہلہ آپؐ نے اس لئے کیا تھا تاکہ آپؐ کی نبوت و رسالت کی صداقت سب پر ثابت ہو جائے۔ اس موقعہ پر نجران کے اسقف نے کہا: اے قوم نصاریٰ! میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ خدا سے یہ دعا کریں کہ پہاڑ اپنی جگہ

---

1 الکافی ۱/۳۲۶، الارشاد ۳۷، الواقدی ۳/۱۰۷۷، خصائص النسائی ۲۰، صحیح ترمذی ۲/۱۸۳، مسند احمد ۳/۳۸۳، فضائل الخمسہ من الصحاح الستۃ ۲/۳۴۳۔

2 سیرت حلبیہ ج۳ ص ۲۱۱، سیرتِ نبویہ ج ۱ ص ۵۷۴۔

3 آل عمران: ۶۱۔

سے ٹل جائے تو خدا اسے اس کی جگہ سے ہٹادے گا۔ پس ان سے مباہلہ مت کرو، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہیں بچے گا۔
جب نصارای نجران نے رسولؐ اور آپؐ کے اہل بیتؑ (ان پر خدا کا درود ہو) سے مباہلہ کرنے سے انکار کیا تو آپؐ نے فرمایا:

''اما اذا ابیتم المباہلة فاسلموا یکن لکم ما للمسلمین و علیکم ما علیٰ المسلمین''۔

جب تم نے مباہلہ سے انکار کر دیا ہے تو اسلام قبول کرو اس طرح تم نفع و ضرر میں مسلمانوں کے شریک ہو جاؤ گے، لیکن انہوں نے یہ بات بھی قبول نہ کی تو رسولؐ نے فرمایا: ''انی انا جزکم القتال'' میں تم سے جنگ کرونگا، انہوں نے کہا: ہم عرب سے جنگ نہیں کر سکتے ہاں ہم آپؐ سے اس بات پر صلح کرتے ہیں کہ اگر آپؐ ہم سے جنگ نہیں کریں گے اور ہمیں ہمارے دین سے نہیں پلٹائیں گے تو ہم ہر سال آپؐ کو دو ہزار حلے ایک ہزار ماہ صفر میں اور ایک ہزار ماہ رجب میں دیا کریں گے اور لوہے کی تیس زرہیں دیا کریں گے۔ رسولؐ نے اس پر ان سے صلح کر لی۔

''و الّذی نفسی بیدہ ان الھلاک قد تدلی علیٰ اھل نجران، ولولاعنوا لمسخوا قردة و خنازیر ولا ضطرم علیہم الوادی ناراً، ولاُ ستاصِلَ نجران و اھلہ حتی الطیر علیٰ رؤوس الشجر، ولما حال الحول علیٰ النصاری کلھم حتی یھلکوا۔ فرجعوا الیٰ بلادھم دون ان یسلموا۔''[1]

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، ہلاکت اہل نجران سے قریب آچکی تھی (عذاب ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا) اگر وہ لعنت کرتے تو وہ بندر اور سور کی صورت میں مسخ ہو جاتے اور پوری وادی آگ برساتی اور اہل نجران مع اہل یہاں تک کہ درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندے بھی ہلاک ہو جاتے، ایک سال کے اندر سارے نصاریٰ ہلاک ہو جاتے، وہ اسلام لائے بغیر اپنے شہروں کو لوٹ گئے۔

روایت ہے کہ نصاریٰ کے سرداروں میں سے سید اور عاقب اپنے اسلام کا اعلان کرنے کے لئے تھوڑی ہی دیر بعد رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔[2]

۳۔ حجۃ الوداع

رسولؐ ساری انسانیت کے لئے بہترین نمونہ تھے، آپؐ خدا کی آیتوں کو اس طرح پہنچاتے تھے کہ ان کی تفسیر اور ان کے احکام واضح طور سے بیان کرتے تھے سارے مسلمان آپؐ کے قول و فعل کی اقتدا کرتے تھے۔ ہجرت کے دسویں سال ماہ ذی القعدہ میں رسولؐ نے فریضہ حج کی ادائیگی کا قصد کیا۔ اس سے قبل آپؐ نے حج نہیں کیا تھا، اس حج کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ مسلمان حج کے احکام سے آگاہ ہو جائیں چنانچہ ہزاروں مسلمان مدینہ آگئے اور نبیؐ کے ساتھ حج پر جانے کی تیاری کرنے لگے۔ ان مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ ہو گئی، ان میں اہل مدینہ، بادیہ نشین اور دیگر قبائل کے لوگ شامل تھے۔ یہ لوگ کل تک ایک دوسرے کی جان کے دشمن، جاہل اور کافر تھے لیکن آج انہیں سچی محبت، اسلامی اخوت نے رسولؐ کی آواز پر لبیک کہنے کے لئے ایک جگہ جمع کر دیا ہے، اس سفر میں رسولؐ نے اپنی تمام ازواج اور اپنی بیٹی فاطمہ زہراؑ کو ساتھ لیا، فاطمہؑ کے شوہر علی بن ابی طالبؑ کو رسولؐ نے ایک مہم سر کرنے کے لئے بھیجا تھا، وہ اس سفر میں آپؐ کے ساتھ نہیں تھے، ابو دجانہ انصاری کو مدینہ کا عامل مقرر کیا۔

مقام ذوالحلیفہ پر آپؐ نے احرام باندھا دو سفید کپڑے پہنے، احرام کے وقت تلبیہ کہی

---

1 تفسیر کبیر ''رازی'' ج۸ ص۸۵۔

2 طبقات الکبریٰ ج۱ ص۳۵۷۔

''لبیک اللّھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد و النعمة لک و الملک ، لبیک لا شریک لک لبیک''۔

چوتھی ذی الحجہ کو رسولؐ مکہ پہنچے، تلبیہ کہنا بند کر دیا خدا کی حمد و ثنا اور شکر بجالائے، حجراسود کو چوما، سات مرتبہ طواف کیا۔ مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کی اور حاجیوں کو اس طرح مخاطب کیا:

''من لم یسق منکم ھدیا فلیحل و لیجعلھا عمرہ و من ساق منکم ھدیا فلیقم علیٰ احرامہ''

تم میں سے جس شخص نے قربانی کا جانور نہیں بھیجا ہے اسے احرام کھول دینا چاہئے اور اسے عمرہ قرار دنیا چاہئے اور جس نے قربانی کا جانور بھیجا ہے اسے اپنے احرام پر باقی رہنا چاہئے۔

بعض مسلمانوں نے رسولؐ کے اس فرمان پر عمل نہیں کیا انہوں نے یہ خیال کیا کہ ہمیں وہی کام انجام دینا چاہئے جو رسولؐ نے انجام دیا ہے اور آپؐ نے احرام نہیں کھولا۔ ان کی اس حرکت پر رسولؐ ناراض ہوئے۔ اور فرمایا:

''لو کنت استقبلت من امری ما استدبرت لفعلت کما امرتکم''[1]

اگر ماضی کی طرح مستقبل مجھ پر روشن ہوتا تو میں بھی وہی کام کرتا جس کا تم کو حکم دیا ہے۔

حضرت علیؑ بن ابی طالب یمن سے واپسی پر مکہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ وہاں خدمت رسولؐ میں حاضر ہو جائیں آپؐ نے قربانی کے لئے ۳۴ جانور ساتھ لئے، مکہ کے قریب پہنچے تو آپؐ نے شہر میں داخل ہونے کے لئے اپنے دستہ پر کسی کو اپنا جانشین مقرر کیا اور خدمت نبیؐ میں پہنچے، یمن میں آپؑ کی عظیم کامیابی کی خبر سن کر اور آپؑ کو دیکھ کر رسولؐ بہت مسرور ہوئے اور فرمایا:

جائیے طواف کیجئے اور اپنے ساتھیوں کی طرح مکہ میں داخل ہو جائیے، آپؑ نے عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ! جس نیت سے آپؐ نے احرام باندھا ہے میں نے بھی اسی نیت سے باندھا ہے۔ نیز عرض کی: میں نے احرام باندھتے وقت یہ کہا تھا اے اللہ میں اس نیت کے ساتھ احرام باندھتا ہوں جس نیت سے تیرے بندے، تیرے نبیؐ اور تیرے رسول محمدؐ نے احرام باندھا ہے، اس کے بعد رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: اپنے دستہ میں واپس جائیے اور ان لوگوں کے ساتھ مکہ آیئے۔ جب آپؑ کے ساتھی خدمت رسولؐ میں پہنچے تو انہوں نے آنحضرتؐ سے آپؑ کی شکایت کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے حضرت علیؑ کی عدم موجودگی میں بیت المال میں غلط طریقہ سے جو تصرف کیا تھا اسے آپؑ نے قبول نہیں کیا تھا۔ ان کی شکایت کا آنحضرتؐ نے یہ جواب دیا:

''ایھا النّاس لا تشکوا علیاً فو اللّہ انہ لا خشن فی ذات اللّہ من ان یشتکی''۔[2]

اے لوگو! علیؑ کی شکایت نہ کرو کیونکہ وہ حکمِ خدا نافذ کرنے میں کسی کی شکایت کی پروا نہیں کرتے ہیں۔

---

1 بحار الانوار ج۲۱ ص۳۱۹۔

2 سیرۃ نبویہ ج۲ ص۶۰۳، بحار الانوار ج۲۱ ص۳۵۸۔

۹؍ذی الحجہ کو رسولؐ مسلمانوں کے ساتھ عرفات کی طرف روانہ ہوئے اور غروب آفتاب تک وہیں رہے۔ تاریکی چھا جانے کے بعد اپنے ناقہ پر سوار ہوئے اور مزدلفہ پہنچے وہاں رات کا ایک حصہ گذرا اور طلوع فجر تک مشعر الحرام میں رہے، دسویں ذی الحجہ کو منیٰ کا رخ کیا۔ وہاں کنکریاں ماریں قربانی کی اور سر منڈوایا اس کے بعد حج کے باقی اعمال بجالانے کے لئے مکہ چلے گئے۔

اس حج کو حجۃ الوداع اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں رسولؐ نے مسلمانوں کو وداع کیا، اسی میں آپؐ نے یہ خبر دی کہ آپؐ کی وفات کا زمانہ قریب ہے، اس حج کو ''حجۃ البلاغ'' بھی کہتے ہیں کیونکہ اس حج میں آپؐ نے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کے سلسلہ میں خدا کی طرف سے نازل ہونے والے حکم کی بھی تبلیغ کی تھی، اس کو حجۃ الاسلام بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ رسولؐ کا پہلا حج تھا کہ جس میں آپؐ نے حج کے اعمال سے متعلق اسلام کے دائمی احکام بیان فرمائے تھے۔

حجۃ الوداع میں رسولؐ کا خطبہ

روایت ہے کہ رسولؐ نے ایک جامع خطبہ دیا خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

''یا ایها النّاس اسمعوا منی ابین لکم فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی هذا فی موقفی هذا۔ ایها النّاس ان دمائکم و اموالکم علیکم حرام الیٰ ان تلقوا ربکم کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا فی بلد کم هذا۔ الاهل بلغت؟

الّلهم اشهد فمن کانت عنده امانة فلیؤدها الیٰ الذی ائتمنه و ان ربا الجاهلیة موضوع، و ان اول رباً ابدأ به ربا عمي العباس بن عبد المطلب ان مآثر الجاهلیة موضوعة غیر السدانة و السقایة، و العمد قود و شبه العمد ما قتل بالعصا و الحجر ففیه ماءة بعیر فمن زاد فهو من اهل الجهالیة۔

ایها النّاس ان الشیطان قد یئس ان یعبد فی ارضکم هذه و لکنه رضي ان یطاع فیما سویٰ ذلک مما تحتقرون من اعمالکم۔

ایها النّاس انما النسيء زیادة في الکفر یضل به الذین کفروا یحلونه عاماً و یحرمونه عاماً لیواطؤا عدة ما حرم اللّٰه۔ و ان الزمان استدار کهیئته یوم خلق اللّٰه السموات و الارض و ان عدة الشهور عند اللّٰه اثنا عشر شهراً في کتاب اللّٰه یوم خلق السماوات والارض، منها اربعة حرم، ثلاثة متوالیات و واحد فرد:

ذو القعدة و ذو الحجة و المحرم و رجب الذي بین جمادی و شعبان۔ الا هل بلغت؟ الّلهم اشهد۔

ایها النّاس ان لنسائکم علیکم حقاً و ان لکم علیهن حقاً۔ لکم علیهن ان لا یوطئن فرشکم غیر کم ولا یدخلن احداً تکرهونه بیوتکم الا باذنکم ولا یأتین بفاحشة، فان فعلن فان اللّٰه قد اذن لکم ان تعضلوهن و تهجروهن في المضاجع و تضربوهن ضرباً غیر مبرح، فان انتهین و اطعنکم فعلیکم رزقهن

و كسوتهن بالمعروف، و انما النساء عندكم عوار لا يملكن لانفسهن شيئاً، اخذتموهن بامانة اللّٰه و استحللتم فروجهن بكلمة اللّٰه فاتقوا اللّٰه في النساء و استوصوا بهن خيراً۔

ايها النّاس انما المؤمنون اخوة فلا يحل لا مرءٍ مال اخيه الا عن طيب نفس۔ الا هل بلغت؟ الّلهم اشهد۔ فلا ترجعوا بعدي كفاراً يضرب بعضكم رقاب بعض؛ فاني قد تركت فيكم ما ان اخذتم به لن تضلوا كتاب اللّٰه و عترتي اهل بيتي الا هل بلغت ؟ اللهم اشهد۔

ايها النّاس ان ربكم واحد، و ان اباكم واحد، كلكم لآدم، و آدم من تراب، اكرمكم عند اللّٰه اتقاكم، ليس لعربي على عجمي فضل الا بالتقوى، الا هل بلغت؟ قالوا نعم۔قالؐ: فليبلغ الشاهد منكم الغائب۔[1]

ايها النّاس ان اللّٰه قد قسم لكل وارث نصيبه من الميراث ولا يجوز لوارث وصية في اكثر من الثلث، و الولد للفراش و للعاهر الحجر، من ادعي الیٰ غير ابيه او تولى غير مواليه فعليه لعنة اللّٰه و الملائكة و النّاس اجمعين ، لا يقبل اللّٰه منه صرفاً ولا عدلاً... و السلام عليكم و رحمة اللّٰه۔[2]

اے لوگو! میری بات سنوتا کہ تمہارے سامنے یہ واضح کر دوں مجھے لگتا ہے کہ اس سال کے بعد اس جگہ تم لوگوں سے شاید میری ملاقات نہ ہو۔اے لوگو! تمہارا خون اور تمہاری عزت تمہارے لئے مرتے دم تک اسی طرح محترم ہے جیسے تمہارے اس شہر میں آج کا دن محترم ہے۔ کیا میں نے بخوبی تم تک الٰہی پیغام پہنچا دیا؟ اے اللہ! گواہ رہنا۔ پس اگر کسی کے پاس کوئی امانت ہو تو اسے اس شخص کے پاس پہنچا دے جس نے امانت رکھی تھی، زمانہ جاہلیت کا ہر سود باطل ہے سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کے سود کو لغو قرار دیتا ہوں اور جو خون زمانہ جاہلیت میں بہایا گیا تھا اس کا انتقام وقصاص وغیرہ بھی باطل ہے اور سب سے پہلے میں عامر بن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کی سزا کو لغو قرار دیتا ہوں اور خانہ کعبہ کی دربانی وکلید برداری اور حاجیوں کو سیراب کرنے کے علاوہ کوئی کام باعثِ افتخار نہیں ہے جان بوجھ کر قتل کرنے اور عمداً شبہ کی وجہ سے لاٹھی یا پتھر سے مار ڈالنے کی دیت سو اونٹ ہیں اس سے زیادہ کا تعلق اہل جاہلیت سے ہے۔

اے لوگو! شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا کہ تمہاری اس سرزمین پر اس کی پوجا ہو گی لیکن وہ اس بات سے خوش ہے کہ تم بعض اعمال کو اہمیت نہیں دیتے ہو۔

اے لوگو! نسی یعنی مہینوں کو آگے پیچھے کرنا- کفر میں اضافہ کا سبب ہے ان کے ذریعہ کافر گمراہ ہوتے ہیں، کسی سال وہ اس ماہ کو حرمت کا مہینہ قرار دیدیتے ہیں اور کسی سال اسی ماہ میں جنگ وخونریزی کو حلال سمجھ لیتے ہیں اس سے ان کا مقصد ان مہینوں کے حساب کو برابر کرنا ہوتا ہے۔ حالانکہ ان کو خدانے حرام کیا ہے، بیشک زمانہ گردش کرتا ہے اسی روز سے جس دن خدانے زمین وآسمانوں کو پیدا کیا تھا اور جیسا کہ خدا کی کتاب میں لکھا ہے زمین وآسمان کی

1 بحار الانوار ج ۲۱، ص ۴۰۵۔

2 العقد الفرید ج ۴ ص ۵۷، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۸۴، الخصال: ص ۴۸۷، بحار الانوار ص ۲۱ ص ۴۰۵، تاریخ کی دوسری کتابوں میں بھی کچھ اختلاف کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

پیدائش کے دن ہی سے خدا کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے، ان میں سے چار، ذی القعدہ، ذی الحجہ اور، محرم، تین پے درپے حرمت کے ہیں رجب کا ایک مہینہ جدا ہے جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔ کیا میں نے پیغام پہنچادیا؟ اے اللہ گواہ رہنا۔

اے لوگو! بیشک تمہاری عورتوں پر تمہارا حق ہے اور اسی طرح تمہاری عورتوں کا تم پر بھی حق ہے، ان کے اوپر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو نہ آنے دیں اور تمہارے گھروں میں تمہاری اجازت کے بغیر ان لوگوں کو داخل نہ ہونے دیں جن کو تم پسند نہیں کرتے اور ناشائستہ حرکت (زنا) نہ کریں پس اگر وہ ایسا کریں تو خدا نے تمہیں حق دیا ہے کہ ان پر سختی کرو اور ان کے پاس سونا ترک کردو (اور اگر پھر بھی نہ مانیں تو) انہیں مارو! لیکن گہری چوٹ نہ آنے پائے، پھر اگر وہ باز آجائیں اور تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو تمہارے اوپر فرض ہے کہ انہیں معمول کے مطابق روٹی کپڑا دو۔ عورتیں تمہارے پاس امانت ہیں وہ اپنے اوپر اختیار نہیں رکھتی ہیں تم نے انہیں خدائی امانت کے عنوان سے اپنے اختیار میں لیا ہے اور کتاب خدا کے مطابق انہیں اپنے لئے حلال کیا ہے۔ پس ان کے بارے میں خدا سے ڈرو! اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔

اے لوگو! مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں لہذا کسی شخص پر اس کے بھائی کا مال حلال نہیں ہے مگر یہ کہ وہ خوش ہو، کیا میں نے پیغام پہنچادیا؟ اے اللہ گواہ رہنا۔ دیکھو میرے بعد کفر کی طرف نہ پلٹ جانا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو، کیونکہ میں نے تمہارے درمیان جو چیز چھوڑی ہے اگر تم اس سے وابستہ رہوگے تو ہر گز گمراہ نہ ہوگے، وہ ہے کتاب خدا اور میری عترت وہی میرے اہل بیت ہیں کیا میں نے پیغام پہنچادیا؟ اے اللہ گواہ رہنا۔

اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، اور تمہارا باپ ایک ہے، تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے ہیں اور خدا کے نزدیک تم میں سے وہی زیادہ مکرم ہے جو زیادہ پرہیزگار و متقی ہے، عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوے کے ساتھ، کیا میں نے پیغام پہنچادیا؟ سب نے کہا: ہاں، پھر فرمایا: جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان لوگوں تک یہ پیغام پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔

اے لوگو! میراث میں اللہ نے ہر وارث کے حصہ کو معین کردیا ہے اور کوئی شخص ایک تہائی مال سے زیادہ کے بارے میں وصیت نہیں کرسکتا اور بچہ اس کا ہے جس کی بیوی ہے، زناکار کے لئے پتھر ہے جو شخص خود کو اپنے والد کے علاوہ غیر کی طرف منسوب کرے؛ اور غلام خود کو مولا کے علاوہ کسی دوسرے سے وابستہ کرے تو اس پر خدا اور اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، خدا ایسے لوگوں کی توبہ اور فدیہ قبول نہیں کرتا ہے۔ سلام اور خدا کی رحمت ہو تم پر۔

۴۔ وصی کا تعین[1]

مسلمانوں نے اپنا حج اکبر مکمل کیا وہ پروانہ کی طرح نبیؐ کے ساتھ ساتھ تھے۔ اپنے مناسک آپؐ سے سیکھ رہے تھے، رسولؐ نے مدینہ کی طرف لوٹنے کا فیصلہ کیا، جب حاجیوں کا عظیم قافلہ غدیر خم کے قریب مقام "رابغ" میں پہنچا تو امر خدا کی تبلیغ کے لئے وحی نازل ہوئی، واضح رہے کہ حاجیوں کے قافلے یہیں سے متفرق ہو کر اپنے اپنے شہروں کی طرف روانہ ہوتے تھے۔

---

1 مزید معلومات کے لئے علامہ امینیؒ کی "الغدیر" جلد اول کا مطالعہ فرمائیں۔

(یا ایّها الرّسول بلّغ ما انزل الیک من ربّک و ان لم تفعل فما بلّغت رسالته و اللّه یعصمک من النّاس)[1]

اے رسول! اس پیغام کو پہنچادیجئے جو آپؐ پر نازل کیا جاچکا ہے اور اگر اس پیغام کو نہ پہنچایا تو گویا آپؐ نے رسالت کی تبلیغ ہی نہیں کی خدا آپؐ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

یقیناًیہ خدائی خطاب و پیغام ایک اہم چیز کا حامل تھا اور اس سے زیادہ اہم کون سی تبلیغ ہوگی کہ جس کے بارے میں رسولؐ سے یہ کہا گیا ہے کہ اسے انجام دیں، جس کو ابھی تک انجام نہیں دیا ہے؟ جبکہ خدا کا رسولؐ تقریباً تیئس سال سے لوگوں کو دین خدا کی طرف دعوت دے رہا تھا اور خدا کی آیتوں کی تبلیغ کر رہا تھا اور اس کے احکام کی تعلیم دے رہا تھا اور اس سال میں آپؐ نے جو تکلیف اور زحمت برداشت کی ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے کہ یہ کہا جائے:

(فما بلّغت رسالته)

اس موقعہ پر رسولؐ نے یہ احکام صادر فرمائے: قافلوں کو روک دیا جائے تاکہ پیچھے رہ جانے والے آجائیں، اس روز اتنی شدید گرمی تھی کہ لوگ سروں اور پیروں پر کپڑا لپیٹنے پر مجبور تھے، اس جگہ پر رسولؐ ان کے سامنے تبلیغ رسالت کو مکمل کرنا اور آسمانی پیغام کی تلقین کرنا چاہتے تھے۔ خدا کی حکمت کا یہی تقاضا تھا ایسے سخت موسم اور ایسے تپتے صحرا میں تبلیغ کی تکمیل ہو، تاکہ امت کو ہمیشہ یاد رہے مرورِ زمانہ کے ساتھ ان کے ذہنوں میں اس واقعہ کی یاد تازہ رہے۔ امت مسلمہ اس کو یاد رکھے۔

اسباب سفر کو جمع کیا گیا، اس سے منبر بنایا گیا اور مسلمانوں کو نماز پڑھانے کے بعد رسولؐ منبر پر تشریف لے گئے، خداوند عالم کی حمد و ثنا کی، پھر اتنی بلند آواز میں، کہ جس کو سب سن لیں، فرمایا:

''یا ایّها النّاس یوشک ان ادعی فاجیب و انی مسؤول و انتم مسؤولون فما انتم قائلون؟ قالوا: نشهد انّک بلّغت و نصحت و جاهدت فجزاک اللّه خیراً۔ قالؐ الستم تشهدون ان لا الٰه الا اللّه و ان محمّداً، عبده و رسوله و ان جنته حق و ان الساعة آتیة لا ریب فیها و ان اللّه یبعث من فی القبور؟ قالوا: بلیٰ نشهد بذالک قالؐ اللّهمّ اشهد ثم قالؐ فانّی فرطکم علیٰ الحوض و انتم واردون عليّ الحوض و ان عرضه ما بین صنعاء و بصریٰ فیه اقداح عدد النجوم من فضة فانظروا کیف تخلّفونی فی الثقلین۔

فنادیٰ مناد وما الثقلان یا رسول اللّه؟ قالؐ: الثقل الاکبر کتاب اللّه طرف بید اللّه عزّ و جلّ و طرف بایدیکم فتمسکوا به لا تضلّوا ۔والآخر الاصغر عترتي۔ و انّ اللّطیف الخبیر نبّأني انّهما لن یفترقا حتی یردا عليّ الحوض فسألت ذلک لهما ربي فلا تقدموهما فتهلکوا و لا تقصروا عنهما فتهلکوا۔''

اے لوگو! عنقریب مجھے دعوت دی جائے گی اور میں اسے قبول کرونگا دیکھو مجھ سے بھی سوال کیا جائیگا اور تم سے بھی بازپرس ہوگی بتاؤ کہ تم کیا جواب دوگے؟ انہوں نے کہا: ہم یہ گواہی دیں گے کہ آپؐ نے تبلیغ کی، نصیحت کی اور جہاد کیا خدا آپؐ کو جزائے خیر عطا کرے، پھر آپؐ نے فرمایا: کیا تم یہ گواہی

1 سورۂ مائدہ ۶۷۔

نہیں دیتے ہو کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ اس کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں، اور جنت حق ہے، قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے اور خدا قبروں سے مردوں کو اٹھائے گا؟ سب نے کہا: ہاں! ہم اس کی گواہی دیتے ہیں اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: اے اللہ! گواہ رہنا۔ میں تم سے پہلے حوض کوثر پر پہونچونگا تمہارا حوض کوثر پر انتظار کرونگا اور تم میرے پاس حوض کوثر پر پہنچوگے وہ اتنا چوڑا ہے جتنا صنعاء و بصریٰ کے درمیان کا فاصلہ ہے، اس پر چاندی کے اتنے جام رکھے ہوئے ہیں جتنے آسمان کے ستارے ہیں۔ دیکھتا ہوں تم میرے بعد ثقلین سے کیسے پیش آتے ہو۔

کسی دریافت کرنے والے نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسولؐ! ثقلین کیا ہے؟ فرمایا: ثقل اکبر کتاب خدا ہے جس کا ایک سرا دستِ خدا میں ہے اور دوسرا تمہارے ہاتھوں میں ہے، اس سے وابستہ رہوگے تو گمراہ نہ ہوگے، اور ثقل اصغر میری عترت ہے اور لطیف و خبیر خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے یہاں تک کہ حوض (کوثر) پر میرے پاس وارد ہونگے اور میں نے خدا سے ان کے لئے ہی سوال کیا ہے۔ دیکھو! ان سے آگے نہ بڑھ جانا ورنہ ہلاک ہو جاؤگے اور ان سے پیچھے نہ رہ جانا ورنہ تباہ ہو جاؤگے۔

اس کے بعد آپؐ نے حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کا ہاتھ پکڑ کر اتنا بلند کیا کہ آپؐ کی بغل کی سفیدی نظر آنے لگی جب تمام لوگوں نے علیؑ کو دیکھ لیا تو فرمایا:

"ایّھا النّاس من اولیٰ النّاس بالمومنین من انفسھم؟ قالوا: اللّٰہ و رسولہ اعلم قالؐ انّ اللّٰہ مولای و انا مولیٰ المومنین و انا اولیٰ بھم من انفسھم فمن کنت مولاہ فعلی مولاہ یقولھا ثلاث مرات۔
ثم قالؐ اللّٰھم وال من والاہ و عاد من عاداہ و احب من احبہ و ابغض من ابغضہ و انصر من نصرہ و اخذل من خذلہ و ادر الحق معہ حیث ما دار، الا فلیبلغ الشاھد الغائب۔"

اے لوگو! مومنوں پر خود ان کے نفسوں سے زیادہ کون حق تصرف رکھتا ہے؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا: خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: خدا میرا مولا ہے اور میں مومنین کا مولا ہوں اور ان پر میں خود ان کے نفسوں سے زیادہ تصرف کا حق رکھتا ہوں، بس جس کا میں مولا ہوں اس کے علیؑ مولا ہیں، یہ جملہ آپؐ نے تین بار دہرایا۔

اسکے بعد فرمایا: اے اللہ جو اسے دوست رکھے تو اسے دوست رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے تو اس سے دشمنی رکھ، جو اس سے محبت رکھے تو اس سے محبت کر اور جو اس سے بغض رکھے تو اس سے دشمنی کر، اس کی نصرت کرنے والے کی نصرت فرما اور جو اس سے الگ ہو جائے اسے چھوڑ دے، اور جدھر یہ جائے حق کو بھی ادھر موڑ دے، جو لوگ حاضر ہیں ان کو چاہئے کہ یہ باتیں ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ حاضرین ابھی وہاں سے متفرق نہیں ہوئے تھے کہ جبریل امین وحی لیکر نازل ہوئے:

(الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلاماً دیناً)[1]

آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔

اس کے بعد رسولؐ نے، دین کی تکمیل، نعمت کے اتمام اپنی رسالت اور اپنے بعد علی کے ولی ہونے سے خدا کے راضی ہونے پر تکبیر کہی۔

1 مائدہ: ۳۔

"اللّٰہ اکبر علی اکمال الدین و اتمام النعمة و رضی الرب برسالتی و الولایة لعلی بعدی"۔
پھر آنحضرتؐ نے یہ حکم دیا کہ علیؑ کے لئے ایک خیمہ نصب کیا جائے اور مسلمان گروہ در گروہ اس خیمہ میں جائیں اور علیؑ کو امیر المومنینؑ کہہ کر سلام کریں چنانچہ سارے مسلمانوں نے ایسا ہی کیا۔اس کے بعد آپؐ نے اپنی ازواج اور دوسری عورتوں کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم دیا۔

حضرت علیؑ کو خلافت کی مبارک باد دینے میں ابو بکر و عمر پیش پیش تھے ان میں سے ہر ایک یہی کہتا تھا:

"بخٍ بخٍ لک یابن ابی طالب اصبحت و امسیت مولای و مولیٰ کل مومن و مومنة"۔[1]
اے ابو طالب کے فرزند مبارک ہو آپ نے اس حال میں صبح و شام کی ہے آپ ہمارے اور ہر مومن و مومنہ کے مولا ہو گئے ہیں۔

۵۔ نبوت کے جھوٹے دعویدار

غدیر خم کے مقام سے حاجیوں کا مجمع عراق، شام اور یمن کی طرف روانہ ہو گیا اور رسولؐ نے مدینہ کا رخ کیا۔ان کے ساتھ ساتھ رسولؐ کے بعد ان کی آغوش کے پلے ہوئے علی بن ابی طالبؑ کے خلیفہ و جانشین ہونے کی خبر تھی تاکہ نہج نبوی کے مطابق اسلامی تبلیغ و دعوت کا سلسلہ جاری رہے اور امت قائد اول کی رحلت کے بعد دشوار راستوں سے گزر جائے۔رسولؐ نے علیؑ کی خلافت کا اعلان غدیر کے تاریخی دن میں ہی نہیں کیا تھا بلکہ روز اول ہی سے آپؐ علیؑ کے بارے میں یہ فرماتے چلے آرہے تھے، وہ میرے خیر خواہ وزیر، غمگسار بھائی، میرے قوت بازو ہیں اور خلیفہ ہیں تمام لوگوں پر واجب ہے کہ نبیؐ کے بعد آپ کی اطاعت و اتباع کریں اور انہیں اپنا قائد و زعیم سمجھیں۔

جب دین کا اقتدار مسلم ہو گیا اور مدینہ میں اس کا مرکز بن گیا تو پھر بعض لوگوں کا دین سے خارج ہونا یا نبیؐ کی لائی ہوئی چیزوں سے بعض افراد کا مرتد ہونا یا مدینہ سے بہت دور ایسے افراد کا پایا جانا جو اپنی امیدوں اور بے جا خواہشات کو دین کے پیرایہ میں پورا کرنا چاہتے تھے، کوئی بہت اہم بات نہیں تھی۔

یہی وجہ تھی کہ مسیلمہ نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا اور اس نے رسولؐ کو خط کے ضمن میں یہ لکھا کہ اسے بھی مبعوث کیا گیا ہے اس نے آپؐ سے یہ درخواست بھی کی کہ زمین کی بادشاہت میں آپؐ اس کے شریک ہو جائیں، رسولؐ نے اس کے خط کا مضمون دیکھا اور خط لانے والوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

"لولا ان الرسل لا تقتل لضربت اعناقکما لا نکما اسلمتما من قبل و قبلتما برسالتی فلم اتبعتما ھذا الاحمق و ترکتما دینکما؟"
اگر یہ دستور نہ ہوتا کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جائے گا تو میں تم دونوں کی گردنیں مار دیتا کیونکہ تم دونوں پہلے اسلام لائے ہو اور میری رسالت کو قبول کیا ہے اس کے بعد تم دونوں نے اس احمق کا اتباع کیا اور اپنا دین چھوڑ دیا؟

پھر آپؐ نے ایک خط کے ذریعہ مسیلمہ کذاب کی، تردید کی اس خط میں یہ تحریر کیا:

---

1 تاریخ یعقوبی ج۳ص ۱۱۲، مسند احمد ج۴ص ۲۸۱، البدایہ والنہایہ ج۵ص، ۲۱۳، الغدیر ج۱ص ۴۳، ص ۱۹۶، ۱۶۵، ص ۲۱۵، ۲۳۰، ص ۲۳۸، ص ۲۷۶، ص ۲۸۳، ۲۸۵، ص ۲۹۷، ص ۲۷۹، ص ۳۹۳، ص ۴۰۲ جزء۱۱ص ۱۳۱۔

''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، من محمد رسول اللّٰہ الیٰ مسیلمۃ الکذاب، السلام علیٰ من اتبع الھدی اما بعد فان الارض للّٰہ یورثھا من یشاء من عبادہ و العاقبۃ للمتقین''۔[1]

شروع کرتا ہوں رحمان ورحیم خدا کے نام سے، یہ خط اللہ کے رسول محمدؐ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام ہے، سلام ہو ہدایت کا اتباع کرنے والے پر، پھر واضح ہو کہ زمین خدا کی ہے، اپنے بندوں میں سے وہ جس کو چاہے گا اس کو وارث بنائے گا اور عاقبت و انجام پرہیز گاروں کے لئے ہے۔ مختصر یہ کہ اسود عنسی، مسیلمہ اور طلحہ ایسے دجالوں کی چلائی ہوئی ارتداد کی تحریکوں کو کچلنے میں مسلمان کامیاب ہوگئے۔

۶۔روم سے جنگ کے لئے فوج کی عام بھرتی[2]

رسولؐ اسلامی حکومت کی شمالی سرحدوں کو بہت اہمیت دیتے تھے کیونکہ اس طرف روم کی منظم اور عظیم لشکر والی حکومت تھی۔اسلامی حکومت کو فارس کی حکومت سے کوئی اندیشہ نہیں تھا، کیونکہ اس کی تباہی کے آثار رونما ہو چکے تھے، پھر اس کا کوئی روحانی عقیدہ بھی نہیں تھا کہ جس کا وہ روم کے مسیحیوں کی طرح دفاع کرتے، لہذا نئے اسلامی نظام کے لئے روم ہی خطرہ تھا خاص طور سے ان لوگوں کی طرف سے خطرہ تھا جن کو اسلامی حکومت سے ان کی فتنہ پردازیوں اور نفاق پروری کی بناپر نکال دیا گیا تھا اور وہ شام چلے گئے تھے بعد میں کچھ اور لوگ ان سے ملحق ہوگئے تھے پھر وہاں نصارائے نجران کا وجود ایک سیاسی وسیلہ تھا جو روم کو ان کی مدد پر اکساتا تھا۔

اس کے باوجود حالات ایسے نہیں تھے کہ جن کی بناپر اتنا اہتمام کیا جاتا کہ جتنا رسولؐ نے ایک عظیم لشکر بنانے میں کیا ہے، اس میں آپؐ نے علیؑ اور ان کے بعض مخلصین کے علاوہ بڑے بڑے صحابیوں کو شامل کیا، اس سے رسولؐ کا مقصد سیاسی فضا کو ایسے عناصر سے پاک کرنا تھا جو علیؑ بن ابی طالبؑ کی طرف قیادت کی منتقلی میں حائل ہو سکتے تھے، تاکہ آپؐ کے بعد علیؑ خلیفہ بن جائیں اصل میں رسولؐ اپنے مشن کو جاری رکھنے کے لئے حضرت کی مرجعیت اور ان کی صلاحیتوں کو مسلسل بیان کرتے تھے آپؐ نے یہ محسوس کیا کہ علیؑ کی خلافت سے بعض صحابہ خوش نہیں ہیں، یہ بات غدیر میں حضرت علیؑ کی بیعت کے بعد آپؐ نے اچھی طرح محسوس کر لی تھی لہذا رسولؐ نے مدینہ کو سیاسی کشیدگی سے پاک کرنے کا عزم کیا تاکہ آپکےؐ بعد اسلامی حکومت کی زمام کسی بھی ٹکراؤ اور جھگڑے کے بغیر حضرت علیؑ کے ہاتھ میں پہنچ جائے چنانچہ رسولؐ نے پرچم بنایا اور اسامہ بن زید کے سپرد کر دیا۔یہ جوان سپہ سالار تھے جن کو رسولؐ نے منصوب کیا تھا اور مہاجرین وانصار کے بزرگوں کو ان کا تابع کیا اور اسامہ سے فرمایا:

''سر الیٰ موضع قتل ابیک فاوطءھم الخیل فقد ولیتک ھذا الجیش فاغز صباحاً علی اھل ابنی ''۔

اپنے باپ کی قتل گاہ کی طرف جاؤ، لشکر کو جمع کرو، میں نے تمہیں اس لشکر کا امیر مقرر کیا ہے اور صبح کے وقت اہل ابنی پر حملہ کرنا۔ لیکن جذبۂ تمرد و سرکشی، اقتدار کی ہوس اور نظم وضبط کی کمی کی وجہ سے بعض لوگوں نے نبیؐ کے حکم کو تسلیم نہیں کیا شاید انہیں رسولؐ کے مقاصد کا علم ہوگیا تھا اسی لئے انہوں نے ''الجرف'' چھاونی میں جمع فوج کی روانگی میں تاخیر کی ان کی تساہلی کی خبر رسولؐ تک پہنچی تو آپؐ غضبناک ہوئے اور گھر سے نکل آئے۔اس وقت آپ مخملی چادر اوڑھے ہوئے تھے اور بخار کی شدت کی وجہ سے آپؐ کی پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔مسجد میں پہنچ کر منبر پر تشریف لے گئے خدا کی حمد وثنا کی اور اس کے بعد فرمایا:

---

1 سیرت نبویہ ج۲ ص۶۰۰۔

2 رسولؐ نے اسامہ کو ماہ صفر ۱۱ھ میں علم دیا تھا۔

''ایّھا النّاس فما مقالة بلغتنی عن بعضکم فی تامیری اسامة، ولئن طعنتم فی امارتی اسامة لقد طعنتم فی امارتی اباہ من قبلہ و ایم اللّٰہ ان کان للامارة لخلیقا وان ابنہ من بعدہ لخلیق الامارة و ان کان لمن احب النّاس الیَّ و انّھما لمخیلان لکلِّ خیر و استوصوا بہ خیر فانہ من خیارکم ''۔[1]

اے لوگو! تم میں سے بعض کی طرف سے مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ میرا اسامہ کو سپہ سالار بنانا انہیں گراں گزرا ہے لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں ہے تم نے ان کے باپ زید کو سپہ سالار بنانے پر بھی تنقید کی تھی، خدا کی قسم وہ بھی اس منصب کا اہل تھا اور اس کا بیٹا بھی اس کی اہلیت رکھتا ہے، میں اس سے بہت محبت رکھتا ہوں یہ دونوں ہی ہر نیکی و بھلائی کے مستحق ہیں اس کے بارے میں دوسروں سے نیکی کی سفارش کرو کہ وہ تمہارے نیک و شریف افراد ہیں۔

رسولؐ کو شدید بخار تھا لیکن جیش اسامہ کو بھیجنے پر آپ کو اس کی پروا نہیں تھی فرماتے تھے: ''انفذوا جیش اسامة''[2] اسامہ کے لشکر کو روانہ کرو۔ آپؐ کے اصحاب میں سے جو بھی آپؐ کی عیادت کے لئے جاتا تھا اسی سے یہ فرماتے تھے:

''جھزوا جیش اسامة لعن اللّٰہ من تخلف عنہ''[3]

اسامہ کے لشکر کو روانہ کرو، لشکرِ اسامہ سے روگردانی کرنے والوں پر خدا کی لعنت ہو۔

کسی نے لشکر گاہ میں یہ خبر پہنچا دی کہ آنحضرتؐ کی طبیعت زیادہ ناساز ہے اس لئے اسامہ عیادت کے لئے خدمتِ رسولؐ میں آئے تو رسولؐ نے انہیں اس مقصد کی طرف روانہ ہونے کی تاکید کی جس کی منصوبہ بندی آپؐ نے پہلے ہی کر دی تھی۔

اسامہ فوراً اپنے لشکر میں واپس آ گئے اور لشکر والوں کو روانہ ہونے پر ابھارنے لگے لیکن خلافت کی ہوس رکھنے والے اور پس و پیش سے کام لینے والوں نے یہ کہہ کر کہ نبیؐ حالت احتضار میں ہیں لشکر کو روانہ نہیں ہونے دیا باوجودیکہ رسولؐ نے لشکر کو روانہ کرنے کی تاکید فرمائی تھی اور اس بات پر زور دیا تھا کہ لشکر اسامہ کی جو ذمہ داری ہے اس میں کسی قسم کے تردد سے کام نہ لیا جائے۔

---

1 طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۰، طبع دار الفکر۔

2 ایضاً۔

3 الملل والنحل ج ۱ ص ۲۳۔

چوتھی فصل

رسولؐ کی زندگی کے آخری ایام

۱۔ وصیت لکھنے میں حائل ہونا

شدید بخار اور نہایت ہی تکلیف کے باوجود، رسولؐ، علیؑ اور فضل بن عباس کا سہارا لیکر لوگوں کو نماز پڑھانے کے لئے گھر سے مسجد میں آئے تاکہ ان مفاد پرستوں کے منصوبوں کو ناکام بنا سکیں جنھوں نے خلافت و قیادت کو غصب کرنے کے لئے سازش کی تھی، اس مقصد میں کامیابی ہی کے لئے ان لوگوں نے بھی نہایت ہی ہوشیاری سے رسولؐ کے حکم سے روگردانی کی تھی جب رسولؐ نے انہیں لشکرِ اسامہ کے ساتھ جانے کا حکم دیا تھا۔ نماز پڑھانے کے بعد رسولؐ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"ایّها النّاس سعرت النّار و اقبلت الفتن کقطع اللّیل المظلم، و انّی و اللّٰه ما تمسکون علی بشیء انی لم احل الا ما احل اللّٰه ولم احرم الا ما حرم اللّٰه"[1]

اے لوگو! فتنہ کی آگ بھڑک اٹھی ہے اور وہ کالی رات کے ٹکڑوں کی طرح بڑھے چلے آرہے ہیں۔

میں نے اسی چیز کو حلال قرار دیا ہے جس کو خدا نے حلال کیا ہے اور میں نے اسی چیز کو حرام قرار دیا ہے جس کو خدا نے حرام قرار دیا ہے۔

یہ آپؐ کی طرف سے ایک اور تنبیہ تھی کہ یہ لوگ آپؐ کے حکم کی نافرمانی نہ کریں اگرچہ ان کی نیتوں سے یہ بات آشکار تھی کہ یہ لوگ امت اسلامیہ کو مصائب میں مبتلا کریں گے خصوصاً جب جاہل افراد اس کے سربراہ و خلیفہ بن جائیں گے۔

رسولؐ کے مرض میں شدت پیدا ہوگئی، صحابہ بھی آپؐ کے گھر میں جمع ہوگئے انہیں لوگوں میں وہ اشخاص بھی شامل ہوگئے جنھوں نے لشکر اسامہ سے روگردانی کی تھی۔ آنحضرتؐ نے انہیں لعنت و ملامت کی تو انہوں نے کھوکھلے قسم کے عذر بیان کئے، اس موقعہ پر رسولؐ نے امت کو ہلاکت و تباہی سے بچانے کے لئے دوسرے طریقہ سے کوشش کی فرمایا:

"ایتونی بدواة وصحیفة اکتب لکم کتاباً لا تضلون بعده"۔

---

1 سیرت نبویہ ج ۲ ص ۶۵۴، طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۱۵۔

مجھے کاغذ و دوات دیدو تاکہ میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھ دوں جس سے تم گمراہ نہ ہو۔

عمر بن خطاب نے کہا: رسولؐ پر مرض کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن مجید ہے، ہمارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے۔[1] اس طرح اختلاف و جھگڑا ہو گیا، پردہ کے پیچھے سے رسولؐ کی ازواج نے کہا: اللہ کا رسولؐ جو مانگ رہا ہے وہ انہیں دیدو، اس پر عمر نے کہا: چپ ہو جاؤ تمہاری مثال حضرت یوسف کی بیویوں کی سی ہے جب وہ بیمار ہوتے ہیں تو تم آنسو بہاتی ہوں اور جب صحت یاب ہو جاتے تو تم ان کے سر چڑھ جاتی ہو۔ رسولؐ نے فرمایا: وہ تم سے بہتر ہیں۔[2]

پھر فرمایا:

''قوموا عنی لا ینبغی عندی التنازع''

میرے پاس سے اٹھ جاؤ میرے سامنے جھگڑا کرنا مناسب نہیں ہے۔

رسولؐ کے اس نوشتہ کی امت کو شدید ضرورت تھی چنانچہ جب ابن عباس اس واقعہ کو یاد کر لیتے تھے تو افسوس کے ساتھ کہتے تھے: سب سے بڑا المیہ اور مصیبت یہ ہے کہ اللہ کے رسولؐ کو نوشتہ نہیں لکھنے دیا گیا۔[3]

جب آپ کے پاس صحابہ میں اختلاف ہو گیا تو آپؐ نے نوشتہ لکھنے پر اصرار نہیں کیا، پھر یہ بھی خوف تھا کہ اس کے بعد ان کی سرکشی اور بڑھ جائیگی اور اس کا نتیجہ اس سے زیادہ خطرناک ہوگا۔ رسولؐ نے ان کی نیتوں کو سمجھ لیا تھا چنانچہ جب صحابہ نے قلم و دوات کی بات دہرائی تو آپؐ نے فرمایا:

''ابعد الذی قلتم''

کیا تمہاری گستاخی کے بعد بھی؟[4]

پھر آپ نے انہیں تین وصیتیں فرمائیں لیکن تاریخ کی کتابوں میں ان میں سے دو ہی نقل ہوئی ہیں وہ یہ ہیں کہ مشرکین کو جزیرہ نما عرب سے نکال دیا جائے اور وفود بھیجے جائیں جیسا کہ آپ بھیجتے تھے۔

علامہ سید محسن امین عاملی نے اس پر اس طرح حاشیہ لگایا ہے: جو شخص بھی غور کرے گا وہ اس بات کو بخوبی سمجھ لے گا کہ محدثین نے اسے جان بوجھ کر بیان نہیں کیا ہے، فراموشی کی وجہ سے نہیں چھوڑا ہے۔ سیاست نے انہیں مجبور کیا کہ وہ اسے بیان نہ کریں وہ وصیت یہ تھی کہ رسولؐ نے ان سے دوات و کاغذ طلب کیا تھا تاکہ ان کے لئے ایک نوشتہ لکھ دیں۔[5]

---

1 صحیح بخاری کتاب العلم باب کتابۃ العلم و کتاب الجہاد، باب جوائز الوفد۔

2 طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۴۴، کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۸۔

3 صحیح بخاری کتاب العلم ج ۱ ص ۲۲ و ج ۲ ص ۱۴، الملل والنحل ج ۲ ص ۲۲، طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۴۴۔

4 بحار الانوار ص ۴۶۹ ج ۲۲۔

5 اعیان الشیعۃ ج ۱ ص ۲۹۴، صحیح بخاری باب مرض النبیؐ۔

۲۔فاطمہ زہراؑ باپ کی خدمت میں

رنجیدہ اور غم سے نڈھال فاطمہ زہراؑ آئیں، اپنے والد کو حسرت سے دیکھنے لگیں کہ وہ عنقریب اپنے رب سے جاملیں گے، دل شکستہ حال میں باپ کے پاس بیٹھ گئیں، آنکھیں اشکبار ہیں اور زبان پر یہ شعر ہے :

و ابیض یستسقی الغمام بوجہہ ثمال الیتامیٰ عصمة الارامل

نورانی چہرہ جس کے وسیلہ سے بارش طلب کی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کی پناہ گاہ اور بیوہ عورتوں کا نگہبان ہے۔

اسی وقت رسولؐ نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور آہستہ سے فرمایا: بیٹی یہ تمہارے چچا ابو طالب کا شعر ہے، اس وقت یہ نہ پڑھو بلکہ یہ آیت پڑھو:

(وما محمّد الّا رسولؐ قد خلت من قبلہ الرّسل افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم و من ینقلب علیٰ عقبیہ فلن یضر اللّٰہ شیئا و سیجزی اللّٰہ الشاکرین)۔[1]

اور محمدؐ تو بس رسولؐ ہیں ان سے پہلے بہت سے رسولؐ گزر چکے ہیں پھر اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم الٹے پیروں پلٹ جاؤ گے؟ یاد رکھو جو بھی ایسا کرے گا تو وہ خدا کو نقصان نہیں پہنچائے گا اور خدا شکر گذاروں کو عنقریب جزا دے گا۔

اس طرح رسولؐ اپنی بیٹی فاطمہؑ کو ان افسوسناک حوادث کے لئے تیار کرنا چاہتے تھے جو عنقریب رونما ہونے والے تھے یقیناً یہ چیز حضرت ابو طالبؓ کے قول سے زیادہ بہتر تھی۔

اس کے بعد نبیؐ کریم نے اپنی بیٹی کو قریب آنے کا اشارہ کیا تاکہ آپؐ سے کچھ گفتگو کریں، فاطمہؑ زہرا جھک کر سننے لگیں، آنحضرتؐ نے ان کے کان میں کچھ کہا تو وہ رونے لگیں، پھر آپؐ نے ان کے کان میں کچھ کہا تو وہ مسکرانے لگیں، صورت حال سے بعض حاضرین کے اندر تجسس پیدا ہو گیا، انہوں نے فاطمہ زہراؑ سے دریافت کیا آپؐ کے رونے اور پھر مسکرانے کا کیا راز ہے؟ آپؐ نے فرمایا؛ میں رسولؐ کے راز کو افشا نہیں کروں گی۔

لیکن جب رسولؐ کی وفات کے بعد آپؑ سے دریافت کیا گیا تو فرمایا:

”اخبرنی رسول اللّٰہؐ انّہ قد حضر اجلہ و انہ یقبض فی وجعہ ھذا فبکیت ثم اخبرنی انّی اوّل اھلہ لحوقاً بہ فضحکت“۔[2]

مجھے رسولؐ نے یہ خبر دی تھی کہ ان کی وفات کا وقت قریب ہے اور اسی مرض میں آپؐ دنیا سے اٹھ جائیں گے تو یہ سن کر میں رونے لگی پھر مجھے یہ خبر دی کہ ان کے اہل بیت میں سب سے پہلے میں ان سے ملحق ہوں گی تو میں مسکرائی۔

---

1 آل عمران:۱۴۴۔

2 طبقات الکبریٰ ج۲ ص۲۴۷، تاریخ کامل ج۲ ص۲۱۹۔

۳۔ رسولؐ کے آخری لمحاتِ حیات

علیؑ رسولؐ کے ساتھ ایسے ہی رہتے تھے جیسے ایک انسان کے ساتھ سایہ رہتا ہے، زندگی کے آخری لمحات میں بھی آپؑ ان کے ساتھ ہی تھے آنحضرتؐ انہیں تعلیم دیتے اپنا راز بتاتے اور وصیت کرتے تھے۔ آخری وقت میں رسولؐ نے فرمایا: میرے بھائی کو میرے پاس بلاؤ، علیؑ کو رسولؐ نے کہیں کام سے بھیجا تھا، بعض مسلمان آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن رسولؐ نے انہیں کوئی اہمیت نہیں دی کچھ دیر بعد علیؑ بھی آ گئے تو رسولؐ نے فرمایا: مجھ سے قریب ہو جاؤ، علیؑ آپؐ سے قریب ہو گئے آنحضرتؐ علیؑ کے سہارے بیٹھ گئے اور ان سے باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ آپؐ پر احتضار کے آثار ظاہر ہو گئے اور رسولؐ نے حضرت علیؑ کی گود میں وفات پائی، اس بات کو خود حضرت علیؑ نے اپنے ایک مشہور خطبہ میں بیان فرمایا ہے۔[1]

۴۔ وفات و دفن رسولؐ

آخری وقت میں رسولؐ کے پاس علیؑ ابن ابیطالبؑ، بنی ہاشم اور ازواج کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا، آپؐ کے فراق میں آپؐ کے گھر سے بلند ہونے والی آہ و بکا کی آواز سے آپؐ کی وفات کی خبر سب کو ہو گئی تھی، سرور کائناتؐ کے غم میں دل پاش پاش تھے، دیکھتے ہی دیکھتے مدینہ بھر میں آپؐ کی وفات کی خبر پھیل گئی۔ سبھی پر غم والم کی کیفیت طاری تھی اگرچہ رسولؐ نے اس حادثہ کے لئے انہیں آمادہ کر دیا تھا اور متعدد بار اپنے انتقال کی خبر دے چکے تھے اور امت کو یہ وصیت کر چکے تھے کہ وہ آپؐ کے بعد آپؐ کے خلیفہ علیؑ بن ابی طالبؑ کی اطاعت کرے۔ یقیناً آپؐ کی وفات ایک بہت بڑا سانحہ تھا جس سے مسلمانوں کے دل دہل گئے تھے مدینہ پر ایک اضطرابی کیفیت طاری تھی، رسولؐ کے گھر کے اطراف میں جمع افراد عمر بن خطاب کی بات سے حیرت زدہ تھے وہ تلوار سے لوگوں کو ڈراتے ہوئے کہہ رہے تھے: منافقین میں سے بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ اللہ کا رسولؐ مر گیا۔ خدا کی قسم! وہ مرے نہیں ہیں ہاں وہ موسیٰ بن عمران کی طرح اپنے رب کے پاس چلے گئے ہیں۔[2]

اگرچہ موسیٰؑ کی غیبت اور محمدؐ کی وفات میں کوئی مماثلت نہیں ہے لیکن اس مماثلت و مشابہت پر عمر کے اصرار سے خود ان کے کردار سے پردہ ہٹتا ہے۔

عمر آرام سے نہیں بیٹھے یہاں تک کہ ابو بکر آئے اور رسولؐ کے گھر میں داخل ہوئے اور رسولؐ کے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور تیزی سے باہر نکلے اور کہنے لگے: اے لوگو! سنو جو محمدؐ کی پرستش کرتا ہے وہ جان لے کہ محمدؐ مر گئے اور جو خدا کی عبادت کرتا ہے وہ جان لے کہ اللہ زندہ ہے اسے موت نہیں آئیگی۔

پھر یہ آیت پڑھی:

(وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل)

اس سے عمر کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ گویا وہ اس طرف متوجہ ہی نہیں تھے کہ قرآن مجید میں ایسی کوئی آیت ہے؟[3]

---

1 نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۷۔

2 تاریخ کامل ج ۲ ص ۳۲۳، طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۶۶، سیرت نبویہ، زینی دحلان، ج ۲ ص ۳۰۶۔

3 طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۵۳ و ۵۶۔

اس کے بعد ابو بکر اور عمر بن خطاب اپنے ہم خیال لوگوں کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ گئے انہیں یہ خبر ملی تھی کہ سقیفہ میں ایک ہنگامی جلسہ ہو رہا ہے جس میں رسولؐ کی وفات کے بعد خلافت کا مسئلہ حل کیا جائیگا۔ یہ لوگ حضرت علی بن ابی طالبؑ کا منصوب ہونا بھول گئے اور یہ بھی بھول گئے کہ انہوں نے خلیفہ کے عنوان سے علیؑ کی بیعت کی تھی، ان لوگوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ ان کے اس عمل کو رسولؐ کے جنازہ کی بے حرمتی تصور کیا جائے گا۔

علیؑ بن ابی طالبؑ اور آپؐ کے اہل بیت رسولؐ کے جنازہ کی تجہیز و تدفین کے امور میں مشغول تھے، علیؑ نے آپؐ کی قمیص اتارے بغیر غسل دیا، عباس بن عبد المطلب اور ان کے بیٹے فضل نے مدد کی، غسل دیتے وقت علیؑ فرماتے تھے:

''بابی انت و امی ما اطیبک حیاً و میتاً''[1]

میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ زندگی میں بھی پاکیزہ تھے اور مرنے کے بعد بھی طیب و طاہر ہیں۔

پھر آپؐ کے جسد اقدس کو ایک تخت پر لٹا دیا۔ علیؑ نے فرمایا:

'' ان رسول اللّٰہؐ امامنا حیاً و میتاً فلید خل علیه فوج بعد فوج فیصلون علیه بغیر امام و ینصرفون''۔

بے شک اللہ کا رسولؐ زندگی میں بھی ہمارا امام ہے اور مرنے کے بعد بھی لہٰذا دستہ دستہ بغیر امام کے نماز جناہ پڑھیں اور لوٹ جائیں، چنانچہ سب سے پہلے آپؐ کی نماز جنازہ حضرت علیؑ اور بنی ہاشم نے پڑھی اور ان کے بعد انصار نے پڑھی۔[2]

اس کے بعد علیؑ رسولؐ کے پاس کھڑے ہوئے اور کہا:

''سلام علیک ایها النبی و رحمة اللّٰه و برکاته، اللّٰهم انّا نشهد ان قد بلغ ما انزل الیه و نصح لامته و جاہد فی سبیل اللّٰه حتّی اعز اللّٰه دینه و تمت کلمته اللّٰهم فاجعلنا ممن یتبع ما انزل اللّٰه الیه و ثبتنا بعده و اجمع بیننا و بینه''۔

سلام اور خدا کی رحمت و برکات ہوں آپؐ پر اے نبیؐ، اے اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے ہر اس چیز کی تبلیغ کی جو تو نے ان پر نازل کی، اپنی امت کو نصیحت کی اور راہِ خدا میں جہاد کیا یہاں تک کہ خدا نے اپنے دین کو عزت بخشی اور اس کی بات پوری ہوگئی۔ اے اللہ ہمیں ان لوگوں میں قرار دے جو ان چیزوں کا اتباع کرتے ہیں جو تو نے انؐ پر نازل کی ہیں اور ان کے بعد ہمیں ثابت قدم رکھ ہمیں اور انہیں یکجا کر دے۔ اس پر لوگوں نے آمین کہا۔ پھر دوسرے مردوں نے ان کے بعد عورتوں نے اور سب کے بعد لڑکوں نے آپؐ کے جنازہ پر نماز پڑھی۔[3]

آپؐ کی قبر اسی حجرہ میں تیار کی گئی جس میں آپؐ نے وفات پائی تھی۔ جب حضرت علیؑ نے آپؐ کو قبر میں اتارنا چاہا تو دیوار کے پیچھے سے انصار نے ندا دی۔

اے علیؑ! ہم آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں رسولؐ کے بارے میں ہمارا جو حق ہے آج وہ حق ہاتھ سے جا رہا ہے اس کام میں ہم میں سے بھی کسی کو شریک کر لیجئے تا کہ رسولؐ کے امور دفن میں ہم بھی شریک ہو جائیں حضرت علیؑ نے فرمایا: اوس بن خولی شریک ہو جائیں یہ بنی عوف سے تھے اور بدری تھے۔

---

1 سیرت نبویہ، ابن کثیر ج۴ ص۵۱۸۔

2 ارشاد ج۱ ص۱۸۷، اعیان الشیعۃ ج۱ ص۲۹۵۔

3 طبقات الکبریٰ ج۲ ص۲۹۱۔

علیؑ قبر میں اترے، رسولؐ کے چہرہ کو کھولا، آپکےؐ رخسار کو خاک پر رکھااور قبر کو بند کر دیا۔ رسولؐ کے دفن اور نمازِ جنازہ میں وہ صحابہ شریک نہیں ہوئے جو سقیفہ چلے گئے تھے۔

اے اللہ کے رسولؐ! آپ پر سلام ہو جس دن آپؐ پیدا ہوئے، جس دن وفات پائی اور جس دن زندہ اٹھائے جائیں گے۔

پانچویں فصل

اسلامی رسالت کے بعض نقوش

رسولؐ کس چیز کے ساتھ مبعوث کئے گئے؟ [1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد مصطفیؐ کو خاتم الانبیاء اور ان سے پہلے والے مرسلین کی شریعت کو منسوخ کرنے والا بنا کر اس وقت مبعوث کیا جب رسولوں کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا اس وقت مشرق سے مغرب تک خرافات واحمقانہ باتوں کا رواج تھا۔ بدعتیں، برائیاں اور بت پرستی کا دور تھا۔ اس وقت آپؐ کو تمام کالے، گورے عرب وعجم کے تمام لوگوں کی طرف نبیؐ بنا کر بھیجا۔

رسولؐ دنیا کے سامنے آئے دنیا والوں کو اس ایک خدا پر ایمان لانے کی دعوت دی جو خالق، رازق اور ہر امر کا مختار ہے، نفع وضرر اسی کے ہاتھ میں ہے، اور ملک میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے اور نہ ہی کمزوری کی بنا پر کوئی اس کا سرپرست ہے اور نہ کوئی اس کی بیوی ہے، نہ اس کی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے، کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں ہے۔

خدا نے آپؐ کو اس لئے بھیجا تاکہ آپؐ لوگوں کو اس خدا کی عبادت کا حکم دیں جو ایک ہے اور وحدہٗ لاشریک ہے اور بتوں کی پوجا کو باطل قرار دیں کہ جو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ فائدہ، نہ کچھ سمجھتے ہیں نہ کچھ سنتے ہیں، نہ اپنا دفاع کر سکتے ہیں نہ اپنے غیر کا، مکارم اخلاق کی تکمیل اور صفات حسنہ پر ابھارنے کے لئے بھیجا، آپ ہر نیکی کا حکم دینے والے اور ہر برائی سے روکنے والے تھے۔

شریعت اسلامی کی عظمت وآسانی

بعض لوگ ''لاالٰہ الااللہ، محمد رسول اللہ'' کہنے، نماز پڑھنے، زکات دینے، ماہ رمضان کا روزہ رکھنے، خانۂ کعبہ کا حج کرنے اور اسلام کے احکام کی پابندی کو کافی سمجھتے ہیں۔ اور سوچتے ہیں کہ مسلمانوں کے نفع وضرر میں شامل ہونے کے لئے ان دو کلموں ''لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ'' کا کہنا کافی ہے۔

اسلامی قوانین کا امتیاز

آپ کو اس لئے مبعوث کیا گیا تاکہ آپؐ تمام مخلوقات کے درمیان مساوی طور پر حقوق تقسیم کریں اور یہ بتائیں کہ کوئی کسی سے بہتر نہیں ہے مگر یہ کہ پرہیزگار ہو، آپؐ کو مومنین کے درمیان اخوت قائم کرنے اور انہیں ایک دوسرے کے برابر قرار دینے کے لئے بھیجا گیا، ان سب کا خون برابر ہے اور اگر ان میں سے کسی چھوٹے نے کسی کو پناہ دیدی تو سب کا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کریں اور اسلام میں داخل ہونے والے کے لئے عام معافی ہے۔

---

1 یہ بحث سید محسن الامین عاملی نے اپنی کتاب اعیان الشیعۃ میں سیرت نبیؐ کے ذیل میں کی ہے۔

آپ نے واضح اور روشن شریعت، عدل پر مبنی قانون جو آپ کو خدا کی طرف سے ملا تھا، دنیا کے سامنے پیش کیا، یہ قانون ان کے عبادی اور تجارتی ومعاملات سے متعلق احکام کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے بلکہ دنیا و آخرت میں انسان کو جس چیز کی بھی ضرورت ہو سکتی ہے وہ سب اس میں موجود ہے ۔ یہ عبادی، اجتماعی، سیاسی اور اخلاقی قانون ہے ، اس نے ایسی کسی چیز کو نظرانداز نہیں کیا ہے جو بشر کی زندگی میں رونما ہو سکتی ہے یا جس کی انسان کو ضرورت ہو سکتی ہے ، پس جو واقعہ وقوع پذیر ہوتا ہے یا جو حادثہ رونما ہوتا ہے مسلمانوں کے پاس شریعت اسلامیہ میں اس کا ایک قانون و حکم موجود ہوتا ہے، جس سے رجوع کیا جاتا ہے۔

دین اسلام کی عبادتیں محض عبادت ہی نہیں ہے بلکہ ان کے جسمانی، اجتماعی اور سیاسی فوائد بھی ہیں، مثلاً طہارت سے پاکیزگی کا فائدہ ملتا ہے ،اور نماز ایک روحانی ومعنوی جسمانی ورزش ہے ، نماز جماعت اور حج میں اجتماعی اور سیاسی فوائد ہیں، روزہ میں صحت و تندرستی کے ایسے فوائد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مختصر یہ کہ اسلامی احکام کے ظاہری فوائد کو بھی شمار کرنا دشوار ہے چہ جائیکہ اس کے مخفی فوائد کو بیان کیا جائے۔

اس دین کی بہت سی خوبیاں ہیں، اس کے احکام عقل کے مطابق ہیں، یہ آسان ہے ، اس میں تنگی و سختی نہیں ہے اور چونکہ یہ اظہار شہادتین کو کافی سمجھتا ہے اور اس میں بلندی دوراندیشی اور جدوجہد کی تعلیم ہے اس لئے لوگ گروہ در گروہ اس میں داخل ہوتے ہیں اور دنیا کے اکثر ممالک پر اس کے ماننے والوں کی حکومت ہے اس کا نور مشرق و مغرب میں چمک رہا ہے روئے زمین پر بسنے والے اکثر ممتاز ممالک اس کے پرچم کے نیچے آگئے ہیں اور اکثر قومیں لسانی اور نسلی اختلاف کے باوجود اس کے قریب آگئی ہیں۔

زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ وہ شخص جو مکہ سے خفیہ طور پر نکلا، جس کے اصحاب کو سزا دی جاتی تھی، جنہیں ذلیل سمجھا جاتا تھا، جنہیں ان کے دین سے روکا جاتا تھا نتیجہ میں کبھی وہ مخفی طریقہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرتے اور کبھی چپکے سے مدینہ چلے جاتے تھے ، وہی اپنے انہیں اصحاب کے ساتھ عمرہ قضا یعنی مکہ میں علیٰ الاعلان داخل ہوتا ہے اور قریش نہ اسے پیچھے ڈھکیل سکتے ہیں اور نہ داخل ہونے سے روک سکتے ہیں پھر تھوڑے ہی دن بعد اہل مکہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوتا ہے اور بغیر کسی خونریزی کے اہل مکہ پر تسلط پاتا ہے، اس کے بعد وہ طوعاً و کرہاً، اسلام میں داخل ہوتے ہیں اور عرب کے سردار اپنی زمام اطاعت آپؐ کے اختیار میں دینے کے لئے آپؐ کی خدمت میں وفد بھیجتے ہیں حالانکہ اس فتح سے پہلے اتنی طاقت ہو گئی تھی کہ آپؐ نے دنیا کے بادشاہوں، قیصر و کسریٰ وغیرہ کے پاس اپنے سفیر روانہ کئے تھے اور انہیں اسلام کی دعوت دی تھی خصوصاً ملک قیصر کو جو کہ بہت دور تھا۔ الغرض تمام ادیان پر ان کا دین غالب آ گیا جیسا کہ ان کے رب نے وعدہ کیا تھا جس کا ذکر سورۂ نصر اور فتح وغیرہ میں موجود ہے اور تاریخ کی کتابوں سے بھی ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے۔

تلوار اور طاقت سے یہ دین نہیں پھیلا ہے جیسا کہ بعض دشمنوں کا خیال ہے بلکہ حکم خدا، (ادعُ الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن)۔[1] حکمت اور بہترین نصیحتوں کے ذریعہ انہیں اپنے رب کے راستہ کی طرف بلایئے اور ان سے شائستہ طریقہ سے بحث کیجئے۔

اہل مکہ اور تمام اعراب سے آپؐ نے جنگ نہیں کی بلکہ انہوں نے آپؐ سے جنگ کی تھی انہوں نے آپؐ کے قتل اور آپؐ کو وطن سے نکالنے کا منصوبہ بنایا تھا حالانکہ آپؐ نے اہل کتاب کو ان کے دین ہی پر باقی رکھا اور اسلام قبول کرنے کے لئے ان پر جبر نہیں کیا۔

---

1 النحل:۱۲۵۔

قرآن مجید

جس وقت خدانے آپؐ کو نبوت سے سرفراز کیا اسی وقت آپؐ پر قرآن نازل کیا جو واضح ہے اور عربی میں ہے باطل اس میں کسی بھی طرف سے داخل نہیں ہو سکتا، اسی کے ذریعہ رسولؐ نے (عرب کے) بڑے بڑے فصحاء اور بلغاء کو عاجز کیا اور اسی کے ذریعہ انہیں چیلنج کیا لیکن وہ اس کا جواب نہیں لا سکے جبکہ وہ عرب کے سب سے بڑے فصیح تھے بلکہ فصاحت و بلاغت انہیں پر منتہی ہوتی تھی اس کتابِ عزیز میں، جو کہ حکمت اور علم والے (خدا) کی طرف سے نازل ہوئی ہے، دین کے احکام، گذشتہ لوگوں کے حالات، تہذیب واخلاق، عدل کا حکم، ظلم سے ممانعت اور ہر چیز کا واضح بیان ہے۔ اور جو چیز اسے دوسری آسمانی کتابوں سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر دور اور ہر زمانہ میں اس کی تلاوت ہوتی رہے گی اور اس کی تازگی اپنی جگہ باقی رہے گی۔ اپنے بیان سے یہ لوگوں کو حیرت زدہ کرتی رہے گی اس کی تلاوت سے طبیعتیں نہیں تھکیں گی خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو اور اس کا زمانہ پرانا اور فرسودہ نہیں ہو گا۔

یقیناً قرآن معجزہ ہے، اس کے ذریعہ آپؐ نے جاہلوں کی جاہلیت کے گھپ اندھرے میں علمی و ثقافتی انقلاب پیدا کیا اور اپنی تحریک کی بنیاد مضبوط علمی پایوں پر استوار کی، لوگوں کو علم حاصل کرنے پر اکسایا اور اسے، انسان کے شایان شان کمال کی طرف بڑھنے کا اوّلین سبب قرار دیا۔ انسان کو غور و فکر اور تجربہ کے حصول پر ابھارا، طبیعت کے ظواہر کی تحقیق اور اس میں غور کرنے کی ترغیب دی تاکہ وہ اس کے قوانین اور اس کی سنتوں کو کشف کر سکے اور انسان کے لئے ہر اس علم کا حاصل کرنا واجب قرار دیا کہ جس پر انسان کی اجتماعی زندگی کا دار مدار ہو، نظری علوم، کلام، فلسفہ، تاریخ اور فقہ واخلاق، کو اہمیت دی، تقلید اور ظن و گمان کی پیروی سے روکا اور دلیل و برہان سے تمسک کرنے کا حکم دیا۔

اسی طرح قرآن مجید نے کوشش، جدوجہد اور نیک کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت کرنے کی ترغیب دی، سستی اور کاہلی سے روکا، اتحاد کی دعوت دی اختلاف، قومی فخر و مباحات اور خاندانی تعصب سے منع کیا۔

خلق، تکوین و تشریع، ذمہ داری و زمام داری اور جزاء و سزا میں اسلام نے عدل کو بنیاد قرار دیا ہے اور سب سے پہلے اسلام نے یہ آواز بلند کی کہ خدا کے قانون اور اس کی شریعت کے سامنے سارے انسان مساوی ہیں۔ طبقہ بندی اور نسلی امتیاز کو لغو قرار دیا اور معنوی چیز تقوے اور نیکی میں سبقت کرنے کو خدا کے نزدیک فضیلت کا معیار مقرر کیا جبکہ انسانی معاشرہ میں اس فضیلت کو بھی طبقات کے امتیاز کا سبب نہیں گردانا۔

امن وامان قائم رکھنے، جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے اسلام نے بہت زور دیا ہے اور عدل وامان کے لئے زمین ہموار کرنے کے بعد اگر کوئی امن شکنی کرے گا تو اس کیلئے، سخت سزا مقرر کی ہے، اس اجتماعی مرض کے علاج کے لئے سزا کو آخری دوا قرار دیا ہے وہ بھی ایسی سزا جو انسان کی حریت سے ہم آہنگ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کے قضا و فیصلہ کا دار مدار عدل و امن اور جائز حقوق کے اثبات پر ہے اور اس کے لئے پوری ضمانت لی ہے۔

اسلام نے بدن و نفس کی صحت کو محفوظ رکھنے پر بہت زور دیا ہے اور اپنے تمام قوانین کو اس اصل کے مطابق رکھا ہے کیونکہ حیات میں یہ اہمیت کی حامل ہے۔

شریعت اسلامیہ میں واجب اور حرام

شریعت اسلامیہ میں واجب و حرام فطری بنیاد اور ایسے امور پر مرتکز ہے جو انسان کو جاہلیت کی تاریکی سے نکالنے اور اسے کمال و حق کے نور کی ہدایت کرنے کے لئے آیا ہے، انسانیت کو اگر کسی ایسی چیز کی ضرورت ہے کہ جس پر بشری کمال موقوف ہو تو شریعت اسلامیہ میں اس چیز کو انسان پر واجب قرار دیا گیا ہے اور اس تک پہنچنے کے لئے راستے بتائے گئے ہیں اور ہر اس چیز کو حرام کیا گیا ہے جو انسان کو حقیقی سعادت سے دور کرتی ہے اور بد بختی کے غار میں گرانے والے ہر راستے کو بند کر دیا گیا ہے۔

اور جن چیزوں سے شریعت کے اصولوں میں رخنہ نہیں پڑتا ہے اور جو چیزیں بشری کمال کی راہ میں مانع نہیں ہیں اور دنیوی زندگی کی لذتوں اور زینتوں کا باعث ہیں انہیں مباح کیا گیا ہے۔ اور جو چیز انسان کے لئے مضر ہوتی ہے اسے حرام کر دیا جاتا ہے جس کا امتثال انسان کے لئے ضروری ہوتا ہے اسے اس پر واجب کر دیا جاتا ہے ان تمام باتوں کے باوجود شریعت نے مکارم اخلاق کو بنیادی مقاصد سمجھا ہے جن کا ایک پاکیزہ سلسلہ ہے اور عقلمند انسان کے لئے اس دنیا کی زندگی میں جن کو حاصل کرنا بہت ضروری ہے تاکہ وہ اس دنیا میں سعادت اور نیک بختی تک پہنچ جائیں اور انہیں کے ذریعہ انسان آخرت کی ابدی، دنیا میں زندہ رہے۔

عورت کا اسلام نے خاص خیال رکھا ہے اسے خاندان کا بنیادی رکن اور ازدواجی زندگی میں سعادت و نیک بختی کا سبب قرار دیا ہے اور اس کے لئے ایسے حقوق اور فرائض معین کئے ہیں جو اس کی عزت و کرامت اور اس کے بچوں کی کامیابی اور انسانی معاشرہ کی سعادت کی ضامن ہیں۔ مختصر یہ کہ اسلام نے ایسی کسی بھی چیز کو بیان کئے بغیر نہیں چھوڑا ہے کہ جو انسانی معاشرہ کی ترقی میں کام آسکتی تھی۔

چھٹی فصل

میراث خاتم المرسلینؐ

خداوند عالم فرماتا ہے :

(هو الذی بعث فی الامیین رسولاً منهم یتلوا علیهم آیاته و یزکّیهم و یعلّمهم الکتاب و الحکمة و ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین)[1]

خداوہ ہے جس نے امّیوں میں خود انہیں میں سے ایک رسولؐ بھیجا جوان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اوران کو پاک کرتا ہے اورانہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتاہے اگرچہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

یقیناًخاتم الانبیاء حضرت محمدؐ کی بعثت کے عظیم فوائد تاریخ اسلام کے ذریعہ آشکار ہو چکے ہیں آپؐ کی نبوت سے یہ درج ذیل امور روشن ہوئے ہیں :

۱۔آپؐ کی خدائی رسالت عام تھی آپؐ نے بشریت تک اسے پہنچایا۔

۲۔امت مسلمہ تمام قوموں کے لئے مشعل رسالت اٹھائے ہوئے ہے۔

۳۔اسلامی حکومت ایک منفرد الٰہی نظام اور خود مختار سیاست والا نظام ہے۔

۴۔معصوم قائد ورہبر رسولؐ کے خلیفہ ہیں اور بہترین طریقہ سے آپؐ کی نمائندگی کرتے ہیں۔

جب ہم بطورِ خاص رسولؐ کی اس میراث کو دیکھتے ہیں جو کہ سنی ہوئی، لکھی ہوئی اور تدوین شدہ ہے تو ہمارے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ اس کے دو حصے کریں کیونکہ ہم نے رسولؐ کی میراث کی تعریف اس طرح کی ہے: ہر وہ چیز جو رسولؐ نے امت اسلامیہ اور بشریت کے سامنے پیش کی ہے خواہ وہ پڑھی جانے والی ہو یا سنی جانے والی ہو،اسے میراث رسولؐ کہتے ہیں اس لحاظ سے اس کی دو قسمیں ہیں :

۱۔قرآن مجید

۲۔حدیث شریف-سنت

---

1 سورۂ جمعہ:۲۔

یہ دونوں نعمتیں آسمانی فیض ہیں جو رسولؐ کے واسطہ سے انسان تک پہنچی ہیں، خدانے وحی کے ذریعہ ان دونوں کو قلبِ محمدؐ پر اتارا جو کہ اپنی خواہش سے کچھ بولتے ہی نہیں ہیں۔

قرآن مجید اول تو اس لحاظ سے بھی ممتاز ہے کہ اس کا اصل کلام اور اس کا مضمون دونوں ہی خدا کی طرف سے ہے پس یہ الٰہی کلام معجزہ ہے اور اسی طرح اس کا مضمون بھی معجزہ ہے، اس کی جمع آوری اور تدوین- جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہو چکا ہے- رسولؐ ہی کے زمانہ میں مکمل ہو چکی تھا اور یہ کلام تواتر کے ساتھ بغیر کسی تحریف کے ہم تک پہنچا ہے۔

ایسے تاریخی ثبوت کی کمی نہیں ہے کہ جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ نصِ قرآنی کی تدوین عہد رسولؐ ہی میں ہو چکی تھی۔ ہم یہاں قرآنی اور غیر قرآنی ثبوت پیش کرتے ہیں۔

۱۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

(و قالوا اساطير الاولين اكتتبها فهى تملى عليه بكرة و اصيلًا) [1]

وہ کہتے ہیں کہ یہ تو اگلے لوگوں کے افسانے ہیں جن کو لکھوالیا ہے، صبح و شام یہی ان کے سامنے پڑھے جاتے ہیں۔

۲۔ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ فرماتے ہیں:

''ما نزلت علىٰ رسول اللّٰهؐ آية من القرآن الا اقرانيها و املاها عليّ فكتبتها بخطى و علّمنى تاويلها و تفسيرها ناسخها و منسوخها و محكمها و متشابهها و خاصها و عامها و دعا اللّٰه ان يعطينى فهمها و حفظها، فما نسيت من كتاب اللّٰه و علماً املا ه عليّ و كتبته منذ دعا لى بمادعا۔'' [2]

رسولؐ پر قرآن کی جو آیت بھی نازل ہوتی تھی آپؐ اسے مجھے پڑھاتے اور اس کا املا کراتے تھے اور میں اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا آپ مجھے اس کی تاویل، تفسیر، ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، خاص و عام کی تعلیم دیتے تھے اور آپ نے خدا سے یہ دعا کی کہ خدا مجھے اسے سمجھنے اور حفظ کرنے کی صلاحیت مرحمت کرے چنانچہ جب سے رسولؐ نے خدا سے میرے لئے دعا کی ہے اس وقت سے میں قرآن کی آیت اور ان کے لکھوائے ہوئے علم کو نہیں بھولا ہوں۔

مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسولؐ نے پورے قرآن کی تبلیغ کی ہے- پورا قرآن پہنچایا ہے- آج مسلمانوں کے پاس جو قرآن ہے یہ وہی قرآن ہے جو رسولؐ کے عہد میں متداول تھا اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوئی ہے۔

رہی سنت اور حدیث نبیؐ تو وہ کلام بشری ہے اور اس کا مضمون خدا کا ہے اپنی کامل فصاحت کے سبب یہ ممتاز ہے۔ اس میں رسولؐ کی عظمت، عصمت اور آپؐ کا کمال جلوہ گر ہے۔

یہیں سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید اس قانون کا پہلا مصدر اور اولین سرچشمہ ہے کہ بشر کو زندگی میں جس کی ضرورت پیش آسکتی ہے خداوند عالم فرماتا ہے:

---

1 فرقان:۵۔

2 کافی ج ۱ ص ۶۲ و ۶۳، کتاب فضل العلم باب اختلاف الحدیث۔

(قل ان ھدی اللّٰہ ھو الھدیٰ و لئن اتبعت اھواءھم بعد الّذی جائک من العلم مالک من اللّٰہ من ولی ولا نصیر)[1]

کہہ دیجئے کہ ہدایت تو بس پروردگار ہی کی ہدایت ہے اور اگر آپؐ علم آنے کے بعد ان کی خواہشوں کی پیروی کریں گے تو پھر خدا کی طرف سے بچانے کے لئے نہ کوئی سرپرست ہوگا اور نہ مددگار۔

قرآن مجید، حدیث و سنت نبیؐ کو خدائی قوانین کے لئے دوسرا سرچشمہ قرار دیتا ہے، یعنی سنت نبیؐ قرآن کے بعد اس اعتبار سے قانون خدا کا سرچشمہ ہے کہ رسولؐ قرآن کے مفسر ہیں، اسوۂ حسنہ ہیں جس کی اقتداء کی جاتی ہے لوگوں کو چاہئے کہ آپؐ کے احکام پر عمل کریں اور جس چیز سے روکیں اس سے باز رہیں۔[2]

مگر افسوس عہد رسولؐ کے بعد اور اوائل کے خلفاء کے زمانہ میں سنت نبی بہت سخت حالات سے گذری ہے ابو بکر و عمر نے حدیث رسولؐ کی تدوین پر پابندی لگادی تھی اور جو حدیثیں بعض صحابہ نے جمع کرلی تھیں انہیں ان دونوں نے یہ کہہ کر نذرِ آتش کردیا تھا کہ تدوین حدیث اور اس کے اہتمام سے لوگ رفتہ رفتہ قرآن سے غافل ہوجائیں گے، یا حدیث و قرآن میں التباس کی وجہ سے قرآن ضائع ہوجائیگا۔

لیکن اہل بیتؑ، ان کے شیعوں اور بہت سے مسلمانوں نے قرآن مجید سے درس لیتے ہوئے حدیث کا ویسا ہی احترام کیا جیسا کہ اس کا حق تھا چنانچہ انہوں نے اسے حفظ کرنے زبانی بیان کرنے اور حکومت کی طرف سے تدوین پر پابندی کے باوجود اس کی تدوین کا اہتمام کیا، حدیث کی تدوین پر پابندی کا سبب جو بیان کیا جاتا ہے حقیقت میں وہ اصل سبب نہیں ہے کیونکہ بعد والے علماء اور خلفاء نے اس پر پابندی کی مخالفت کی اور تدوین حدیث کی ترغیب دلائی۔ سب سے پہلے جس نے تدوینِ حدیث کا کام شروع کیا اور اسے اہمیت دی وہ رسولؐ کی آغوش کے پروردہ آپؐ کے وصی، علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں جو خود فرماتے ہیں:

''و قد کنت ادخل علیٰ رسول اللّٰہ کل یوم دخلۃ فیخلینی فیھا ادور معہ حیثما دار۔ وقد علم اصحاب رسول اللّٰہؐ انہ لم یصنع ذلک باحد من النّاس غیری...و کنت اذا سألتہ اجابنی و اذا سکتّ وفنیت مسائلی ابدأنی، فما نزلت علیٰ رسول اللّٰہ آیۃ من القرآن الا اقرانیھا و املاھا علیّ فکتبتھا بخطی و علّمنی تاویلھا و تفسیرھا... و ما ترک شیئاً علّمہ اللّٰہ من حلال ولا حرام ولا امر ولا نھی کان او یکون منزلاً علیٰ احد قبلہ من طاعۃ او معصیۃ الا علمنیھا و حفظتہ فلم انس حرفاً واحداً...''[3]

میں ہر روز ایک مرتبہ رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اس وقت آپؐ صرف مجھے اپنے پاس رکھتے تھے، چنانچہ جہاں وہ جاتے میں بھی وہیں جاتا تھا، رسولؐ کے اصحاب اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ رسولؐ نے میرے علاوہ کسی اور کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا...جب میں آپؐ سے سوال کرتا تھا تو آپؐ مجھے جواب دیتے تھے اور جب میرا سوال ختم ہو جاتا تھا اور میں خاموش ہو جاتا تھا تو آپؐ اپنی طرف سے سلسلہ کا آغاز کرتے تھے، رسولؐ پر جو آیت نازل ہوتی تھی اس کی تعلیم آپؐ مجھے دیتے تھے اور مجھے اس کا املا کراتے تھے اور میں اسے اپنے ہاتھ سے لکھ لیتا تھا اور مجھے اس کی تاویل و تفسیر کی تعلیم

---

1 بقرہ:۱۲۰۔

2 نحل:۴۴، احزاب:۲۱، حشر:۷۔

3 بصائر الدرجات:۱۹۸، کافی ج ۱ ص ۶۲ و ۶۳۔

دیتے تھے... حلال و حرام امر و نہی اور جو ہو چکا ہے یا ہو گا یا آپؐ سے پہلے کسی پر اطاعت و معصیت کے بارے میں نازل ہونے والی چیز کا جو علم خدا نے آپ کو عطا کیا تھا وہ سب آپؐ نے مجھے سکھایا اور میں نے اسے یاد کر لیا اور اس میں سے میں ایک حرف بھی نہیں بھولا ہوں۔

حضرت علیؑ نے رسولؐ کے املا کو ایک کتاب میں جمع کیا ہے جس کا نام جامعہ یا صحیفہ ہے۔

ابو عباس نجاشی، متوفی-۴۵۰ھ-کہتے ہیں: ہمیں محمد بن جعفر-نحوی تمیمی نے جو نجاشی کے شیخ تھے-عذافر صیرفی کے حوالے سے خبر دی ہے کہ انہوں نے کہا: میں حکم بن عتیبہ کے ساتھ ابو جعفر-امام محمد باقرؑ-کی خدمت میں حاضر تھا اس نے ابو جعفرؑ سے سوال کیا وہ ان کی بہت تعظیم و عزت کرتا تھا لیکن کسی چیز کے بارے میں دونوں میں اختلاف ہو گیا تو ابو جعفرؑ نے فرمایا: بیٹا! ذرا میرے جد حضرت علیؑ کی کتاب نکالو! انہوں نے کتاب نکالی وہ عظیم کتاب لپٹی ہوئی تھی، ابو جعفرؑ اسے لیکر دیکھنے لگے یہاں تک کہ اس مسئلہ کو نکال لیا اور فرمایا: یہ حضرت علیؑ کی تحریر اور رسولؐ کا املا ہے پھر حکم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا؛ اے ابو محمد، سلمہ اور ابو المقدام تم ادھر ادھر جہاں چاہو چلے جاؤ خدا کی قسم تمہیں کسی قوم کے پاس اس سے بہتر علم نہیں ملے گا ان پر جبریلؑ نازل ہوتے تھے۔[1]

ابراہیم بن ہاشم نے امام محمد باقرؑ کی طرف نسبت دیتے ہوئے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: " فی کتاب علی کل شیء یحتاج الیہ حتی ارش الخدش "۔[2]

حضرت علیؑ کی کتاب میں ہر وہ چیز موجود ہے جس کی ضرورت پڑ سکتی ہے یہاں تک خراش کا جرمانہ بھی لکھا ہوا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے علیؑ کا جامعہ یا صحیفہ آپؐ کی دوسری تدوین ہے جو کھال پر لکھا ہوا ہے، اس کا طول ستر ہاتھ ہے۔

ابو بصیر سے روایت ہے کہ انہوں نے امام جعفر صادقؑ سے کچھ دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا:

"ان عندنا الجامعة ، صحیفة طولها سبعون ذراعاً بذراع رسول اللّٰه و املائه فلق فیه و خط علی، بیمینه فیها کل حلال و حرام و کل شیء یحتاج الیه النّاس حتی الارش فی الخدش"۔[۳]

ہمارے پاس جامعہ ہے، یہ ایک صحیفہ ہے جس کا طول، رسولؐ کے ہاتھ کے لحاظ سے، ستّر ہاتھ ہے، یہ رسول نے املا لکھوایا ہے اور علیؑ نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ اس میں حلال و حرام کی تفصیل اور ہر اس چیز کا حکم و بیان ہے جس کی لوگوں کو ضرورت پڑ سکتی ہے یہاں تک کہ اس میں ایک معمولی خراش کی دیت بھی لکھی ہوئی ہے۔ یہ ہے سنت کے سلسلہ میں اہل بیتؑ کا موقف۔

لیکن شیخین کے عہدِ خلافت میں حکومت کے موقف سے بہت ہی منفی آثار مترتب ہوئے کیونکہ سو سال تک تدوین سنت سے متعلق کوئی کام نہیں ہو سکا اس موقف کی وجہ سے بہت سی حدیثیں ضائع ہو گئیں اور مسلمانوں کے ثقافتی اسناد و مصادر میں اسرائیلیات داخل ہو گئے اور قیاس و استحسان کا دروازہ پوری طرح کھل گیا اور وہ بھی تشریع و قانون کے مصدروں میں سے ایک مصدر شمار ہونے لگا بلکہ بعض لوگوں نے تو اسے سنت نبوی پر مقدم کیا ہے

1 تاریخ التشریع الاسلامی ص ۳۱۔

2 ایضاً ص ۳۲۔

3 ایضاً ص ۳۳۔

کیونکہ بہت سے نصوص علمی تنقید کی روسے صحیح نہیں معلوم ہوتے تھے لیکن اس سے اہل سنت کے نزدیک رسولؐ کی صحیح حدیثیں بھی مخدوش ہو گئیں چنانچہ وہ حدیثیں زمانۂ مستقبل میں اس چیز کو بھی پورا نہیں کر سکیں جس کی امت کو احتیاج تھی۔

لیکن اہل بیتؑ نے اس تباہ کن رجحان کا مقابلہ پوری طاقت سے کیا اور سنت نبویؐ کو مومنین کے نزدیک ضائع نہیں ہونے دیا انہوں نے اپنی امامت و خلافت کے اقتضاء کے مطابق اس کی توجیہ کی کیونکہ زمام دار منصوص امام و خلیفہ ہی ہوتا ہے اور وہی شریعت اور اس کی نصوص کو ضائع ہونے سے بچاتا ہے۔

سنت نبوی کی تحقیق کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ سنت کے ان مصادر کا مطالعہ کرے جو اہل بیتؑ اور ان کا اتباع کرنے والوں کے پاس ہیں کیونکہ گھر کی بات گھر والے ہی بہتر جانتے ہیں۔

اہل بیتؑ کے پاس جو سنت ہے وہ عقیدے، فقہ اور اخلاق و تربیت کے تمام ابواب پر حاوی ہے اس میں ہر وہ چیز موجود ہے جس کی ضرورت بشریت کو زندگی میں پڑ سکتی ہے۔

اس حقیقت کی تصریح رسولؐ کے نواسہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے اس طرح کی ہے:

”ما من شیء الا و فیه کتاب او سنة“۔[1]

کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے کہ جس کے بارے میں قرآن و حدیث میں حکم موجود نہ ہو۔

سید المرسلینؐ کی علمی میراث کے چند نمونے

۱۔ عقل و علم

۱۔ رسولؐ نے عقل کو بہت زیادہ اہمت دی ہے، آپؐ نے اس کو پہچنوایا اور زندگی میں اس کے اثر و کردار کو بھی بیان کیا ہے یعنی ذمہ داری و فرائض، کام اور اس کی جزاء کی وضاحت کی ہے اسی طرح ان اسباب کو بھی بیان کیا ہے جن سے عقل میں رشد و تکامل پیدا ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

1 الکافی ج ا ص ۴۸۔

"ان العقل عقال من الجهل،و النفس مثل اخبث الدواب، فان لم يعقل حارت، فالعقل عقال من الجهل، و ان اللّٰه خلق العقل، فقال له: اقبل فاقبل، و قال له: ادبر فادبر، فقال له اللّٰه تبارک و تعالیٰ: و عزتی و جلالی ما خلقت خلقاً اعظم منک ولا اطوع منک، بک ابدی و اعید، لک الثواب و علیک العقاب"

فتشعب من العقل الحلم و من الحلم العلم، و من العلم الرشد، و من الرشد العفاف، و من العفاف الصیانة، و من الصیانة الحیاء، ومن الحیاء الرزانة و من الرزانة المداومة علیٰ الخیر، و کراهیة الشر، و من کراهیة الشر طاعة الناصح۔

فهذه عشرة اصناف من انواع الخیر، و لکل واحد من هذه العشرة الاصناف عشرة انواع..."۔[1]

عقل جہالت ونادانی کے لئے زنجیر ہے اور نفس پلید ترین جانور کے مانند ہے اگر اسے باندھا نہیں جائے گا تو وہ بے قابو ہو جائے گا، لہذا عقل نادانی کے لئے زنجیر ہے۔ بیشک خدا نے عقل کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: آگے بڑھ تو وہ آگے بڑھی، کہا: پیچھے ہٹ وہ پیچھے ہٹ گئی تو خداوند عالم نے فرمایا: میں اپنی عزت وجلال کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے تجھ سے عظیم اور تجھ سے زیادہ اطاعت گذار کوئی مخلوق پیدا نہیں کی ہے۔ تجھ سے ابتدا کی ہے اور تیرے ہی ذریعہ لوٹاؤں گا۔ تیرے لئے ثواب دیا ہے اور تیری مخالفت کی وجہ سے عذاب کیا جائے گا۔

پھر عقل سے بردباری وجود میں آئی اور بردباری سے علم پیدا ہوا اور علم سے رشد وہدایت وحق جوئی نے جنم لیا اور رشد سے پاک دامنی پیدا ہوئی اور عفت وپاکدامنی سے صیانت -بچاؤ اور تحفظ کا جذبہ ابھرا، صیانت سے حیا پیدا ہوئی اور حیاء سے سنجیدگی اور وقار نے وجود پایا، سنجیدگی سے نیک کام پر مداومت کرنے اور شر سے نفرت کرنے کا حوصلہ پیدا ہوا اور شر سے کراہت کرنے سے ناصح کی اطاعت کا شوق پیدا ہوا۔

چنانچہ خیر ونیکی کی یہ دس قسمیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی دس قسمیں اور دس صنفیں ہیں...

۲۔رسولؐ نے زندگی میں علم کی ضرورت کو بیان کرتے ہوئے اس کی اہمیت بتائی ہے اور تمام کمالات کے مقابلہ میں اس کی قدر وقیمت پر زور دیا ہے :

"طلب العلم فریضه علیٰ کل مسلم، فاطلبوا العلم من مظانه، و اقتبسوه من اهله ، فان تعلیمه للّٰه حسنة، و طلبه عبادة، و المذاکرة به تسبیح، و العمل به جهاد، و تعلیمه من لا یعلمه صدقة، و بذله لاهله قربة الیٰ اللّٰه تعالیٰ؛ لانه معالم الحلال و الحرام، و منار سبل الجنة، و المؤنس فی الوحشة، و الصاحب فی الغربة و الوحدة، و المحدث فی الخلوة، و الدلیل علی السراء و الضراء، و السلاح علیٰ الاعداء ، و الزین عند الاخلاء۔ یرفع اللّٰه به اقواماً، فیجعلهم فی الخیر قادة، تقتبس آثار هم، و یهتدی بفعالهم، و ینتهی الیٰ رایهم، و ترغب الملائکة فی خلتهم۔ باجنحتها تمسحهم، و فی صلاتها تبارک علیهم۔ یستغفر لهم کل رطب و یابس، حتی حیتان البحر و هوامه، و سباع البر و انعامه۔ ان العلم

1 تحف العقول باب مواعظ النبی وحکمہ۔

حياة القلوب من الجهل، و ضياء الابصار من الظلمة، و قوة الابدان من الضعف۔ يبلغ بالعبد منازل الاخيار، و مجالس الابرار، والدرجات العلى فى الدنيا والآخرة۔ الذكر فيه يعدل بالصيام، و مدارسته بالقيام۔ به يطاع الرب ، و به توصل الارحام، و به يعرف الحلال و الحرام۔ العلم امام العمل و العمل تابعه۔ يلهمه السعداء ، و يحرمه الاشقياء، فطوبى لمن لم يحرمه اللّٰه منه حظه

و صفة العاقل ان يحلم عمّن جهل عليه، و يتجاوز عمّن ظلمه، و يتواضع لمن هو دونه، و يسابق من فوقه في طلب البر۔ و اذا اراد ان يتكلم تدبّر، فان كان خيراً تكلم فغنم، و ان كان شرّاً سكت فسلم، و اذا عرضت له فتنة استعصم باللّٰه، و امسک يده و لسانه، و اذا رأى فضيلة انتهز بها۔ لا يفارقه الحياء، و لا يبدو منه الحرص، فتلک عشر خصال يعرف بها العاقل۔

و صفة الجاهل ان يظلم من خالطه و يتعدى علىٰ من هو دونه، و يتطاول علىٰ من هو فوقه۔ كلامه بغير تدبر، ان تكلم اثم، و ان سکت سها، و ان عرضت له فتنة سارع اليها فاردته، و ان راىء فضيلة اعرض عنها و ابطأ عنها۔ لا يخاف ذنوبه القديمة، ولا يرتدع فيما بقي من عمره من الذنوب۔ يتوانى عن البرّ و يبطئ عنه، غير مكترث لما فاته من ذلک او ضيّعه ، فتلک عشر خصال من صفة الجاهل الذي حُرم العقل۔"[1]

علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے پس علم کو اس کی جگہ سے حاصل کرو اور صاحب علم ہی سے علم حاصل کرو، کیونکہ خدا کے لئے تعلیم دینا نیکی ہے اور اس کا طلب کرنا عبادت ہے۔ علمی بحث و مباحثہ تسبیح ہے اور اس پر عمل کرنا جہاد ہے اور نہ جاننے والے کو علم سکھانا صدقہ ہے اور اہل کے لئے اس سے خرچ کرنا تقرب خدا کا باعث ہے، کیونکہ اس سے حلال و حرام کی پہچان ہوتی ہے۔ یہ جنت کے راستہ کا منارہ ہے، وحشت میں مونس و مددگار ہے، غربت و سفر میں رفیق و ساتھی ہے اور تنہائی میں دل بہلانے والا ہے، خوشحالی و مصیبت میں رہنما ہے، دشمن کے خلاف ہتھیار ہے، دوستوں کی نظر میں زینت ہے، اس کے ذریعہ خدا نے قوموں کو بلند کیا ہے انہیں نیکی کا راہنما قرار دیا ہے ان کے آثار کو جمع کیا جاتا ہے اور افعال سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے ان کی رایوں سے آگے نہیں بڑھا جاتا، ملائکہ ان سے دوستی کا اشتیاق رکھتے ہیں اور اپنے پروں سے انہیں مس کرتے ہیں اور اپنی نماز میں ان کے لئے برکت کی دعا کرتے ہیں، ہر خشک و تر ان کے لئے استغفار کرتا ہے یہاں تک کہ دریا کی مچھلیاں اور اس کے جانور اور خشکی کے درندے اور چوپائے بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ علم دلوں کی زندگی، آنکھوں کا نور اور بدن کی قوت ہے علم بندے کو اخیار کی منزلوں، ابرار کی مجالس اور دنیا و آخرت کے بلند درجات پر پہنچا دیتا ہے۔ اس میں ذکر، روزہ کے برابر ہے اور ایک دوسرے کو پڑھکر سنانا قیام کے مانند ہے، اس کے ذریعہ خدا کی اطاعت کی جاتی ہے صلۂ رحمی کی جاتی ہے، اس کے وسیلہ سے حلال و حرام کی معرفت ہوتی ہے، علم عمل کا امام ہے اور وہ اس کا تابع ہے، اس سے نیک بخت لوگوں کو نوازا جاتا ہے، بدبختوں کو اس سے محروم کیا جاتا ہے، پس خوش نصیب ہے وہ شخص کہ جس کو خدا نے اس سے محروم نہیں کیا۔

---

1 بحار الانوار ج ا ص ا ۷ ا طبع موسسۃ الوفاء، تحف العقول: ۲۸ طبع موسسہ النشر الاسلامی۔

عاقل کی صفت یہ ہے کہ وہ جہالت سے پیش آنے والے کے ساتھ بردباری سے پیش آتاہے اور جو اس پر ظلم کرتاہے وہ اس سے در گزر کرتاہے، اپنے سے چھوٹے کے ساتھ انکساری سے پیش آتاہے اور نیکی کرنے میں اپنے سے بڑے پر سبقت لے جاتاہے۔ جب لب کشائی کرناچاہتاہے تو سوچ لیتاہے اگر اس میں بھلائی ہوتی ہے تو بولتاہے اور فائدہ اٹھاتاہے اور اگر بولنے میں کوئی برائی محسوس کرتاہے تو خاموش رہتاہے اور غلطیوں سے محفوظ رہتاہے جب اس کے سامنے کوئی امتحانی منزل آتی ہے تو وہ خدا سے لو لگاتاہے اپنی زبان اور اپنے ہاتھوں پر قابو رکھتاہے، کوئی فضیلت دیکھتاہے تو اسے سمیٹ لیتاہے، حیا سے دست کش نہیں ہوتا، حرص اس میں دیکھنے میں نہیں آتی پس یہ دس خصلتیں ہیں جن کے ذریعہ عاقل پہچانا جاتاہے۔

جاہل کی صفت یہ ہے کہ جو اس سے گھل مل جاتاہے یہ اس پر ظلم کرتاہے، اپنے سے چھوٹے پر زیادتی کرتاہے، اپنے بڑے کی نافرمانی کرتاہے، اس کے ساتھ گستاخی سے پیش آتاہے، اسکی بات بے تکی ہوتی ہے، بولتاہے تو گناہ کرتاہے اور چپ رہتاہے تو غافل ہو جاتاہے۔ اگر فتنہ کے روبرو ہوتاہے تو اس کی طرف دوڑ پڑتاہے اور اسی وجہ سے ہلاک ہو جاتاہے، اگر کہیں کوئی فضیلت نظر آتی ہے تو اس سے روگردانی کرتاہے۔ اس کی طرف بڑھنے میں سستی کرتا ہے، وہ اپنے پہلے گناہوں سے نہیں ڈرتاہے اور باقی ماندہ عمر میں گناہ ترک نہیں کرتا نیک کام کی انجام دہی میں سستی کرتاہے اور جو نیکی اس سے چھوٹ گئی یا ضائع ہو گئی ہے اس کی پروا نہیں کرتا۔ یہ صفت اس جاہل کی ہے جو عقل سے محروم ہے۔

۲۔ تشریع کے مصادر

۳۔ یقیناً اللہ کے رسولؐ نے تمام لوگوں کے لئے حقیقی سعادت و کامیابی کے راستہ کی نشاندہی کی ہے سعادت کے حصول کی ضمانت لی ہے بشرطیکہ وہ ان تعلیمات پر عمل کریں جو آپؐ نے ان کے سامنے بیان کی ہیں۔ رسولؐ کی نظر میں سعادت و کامیابی کا راستہ یہ ہے کہ انسان دو بنیادی اصولوں سے تمسک کرے اور یہ اصول ایک دوسرے کے بغیر کسی کو بے نیاز نہیں کریں گے یہ ثقلین ہیں۔ رسولؐ کا ارشاد ہے:

ایها النّاس ! انی فرطکم، و انتم واردون علیّ الحوض، الا و انّی سائلکم عن الثقلین، فانظروا: کیف تخلفونی فیهما؟ فان اللطیف الخبیر نبأنی: انهما لن یفترقا حتی یلقیانی، و سالت ربی ذلک فاعطانیه، الا و انی قد ترکتهما فیکم: کتاب اللّٰه و عترتی اهل بیتی، لا تسبقوهم فتفرقوا ولا تقصروا عنهم فتهلکوا، ولا تعلموهم، فانهم اعلم منکم۔

ایهالناس! لا الفینکم بعدی کفاراً!، یضرب بعضکم رقاب بعض، فتلقونی فی کتیبة عمجریٰ السیل الجرار۔

الا و ان علی بن ابی طالب اخی و وصیی، یقاتل بعدی علی تاویل القرآن ، کما قاتلت علی تنزیله''۔

اے لوگو! میں تم سے پہلے جانے والا ہوں اور تم میرے پاس حوض (کوثر) پر پہنچو گے اور میں تم سے ثقلین کے بارے میں سوال کرونگا کہ میرے بعد تم نے ان دونوں کے ساتھ کیا سلوک کیاہے ؟ مجھے لطیف وخبیر نے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے یہاں تک کہ مجھ سے ملاقات کریں گے، میں نے اپنے رب سے اس کا سوال کیا تو اس نے مجھے عطا کر دیا، دیکھو: ان دونوں کو میں تمہارے درمیان چھوڑے جارہاہوں (وہ ہیں)

کتاب خدااور میرے اہل بیتؑ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا تم میں تفرقہ پڑ جائیگااوران سے پیچھے نہ رہ جانااور نہ ہلاک ہو جاوگے اور انہیں سکھانے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ وہ تم سے زیادہ جانتے ہیں۔

اے لوگو! دیکھو! میرے بعد کافر نہ ہو جانااس طرح سے کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگوتم مجھے ایک بڑے لشکر میں پاؤگے۔

آگاہ ہو جاؤ! علیؑ بن ابی طالبؑ میرے بھائی اور میرے وصی ہیں، وہ میرے بعد تاویل قرآن کے لئے ویسے ہی جنگ کریں گے جیسے میں نے اس کے نازل ہونے کے سلسلہ میں جنگ کی تھی۔

قرآن اوراس کا ممتاز کردار

۴۔رسولؐ نے زندگی میں قرآن کے کرداراوراس سے مکمل تمسک کرنے کی قیمت کو واضح کرتے ہوئے اس کی عظمت کو بیان کیاہے اور پوری بشریت کو مخاطب کرکے فرمایاہے :

"ایھا النّاس : انکم فی دار ھدنة و انتم علیٰ ظھر سفر، و السیر بکم سریع، فقد رأیتم اللیل و النھار، و الشمس و القمر، یبلیان کل جدید، و یقربان کل بعید، و یاتیان بکل وعد و وعید ، فاعدوا الجھاز لبعد المجاز۔ انھا دار بلاء و ابتلاء، و انقطاع و فناء ، فاذا التبست علیکم الامور کقطع اللیل المظلم، فعلیکم بالقرآن، فانه شافع مشفع، و ماحل مصدق۔ من جعله امامه قاده الیٰ الجنة، و من جعله خلفه ساقه الیٰ النار، و من جعله الدلیل یدله علیٰ السبیل۔ و ھو کتاب فیه تفصیل، وبیان و تحصیل۔ ھو الفصل لیس بالھزل، و له ظھر و بطن، فظاھره حکم اللّٰه، و باطنه علم اللّٰه تعالیٰ، فظاھره انیق، و باطنه عمیق،له تخوم، و علیٰ تخومه تخوم، لا تحصی عجائبه ، ولا تبلی غرائبه ، مصابیح الھدی، و منار الحکمة، و دلیل علیٰ المعرفة لمن عرف الصفة، فلیجل جالٍ بصره، و لیبلغ الصفة نظره، ینج من عطب، و یتخلص من نشب; فان التفکر حیاة قلب البصیر، کما یمشی المستنیر فی الظلمات بالنور، فعلیکم بحسن التخلص، و قلة التربص۔"[1]

اے لوگو! تم ابھی راحت کے گھر میں ہو،ابھی تم سفر میں ہو، تم کو تیزی سے لے جایاجارہاہے، تم نے رات، دن اور چاند، سورج کو دیکھاہے یہ ہرنئے کو پرانا کررہے ہیں اور ہر دور کو نزدیک کررہے ہیں اور جس چیز کا وعدہ کیاجاچکاتھااسے سامنے لارہے ہیں، تم اپنااسباب تیار رکھو یہ منزل فناہے،اس کا سلسلہ منقطع ہو جائیگاجب تم پر کالی رات کے ٹکڑوں کی طرح امور مشتبہ ہو جائیں گے اس وقت تم قرآن سے تمسک کرنا کیونکہ وہ شفاعت کرنے والاہے اوراس کی شفاعت قبول کی جائیگی اوراس کی شکایت بھی قبول کی جائے گی جواسے اپنے آگے رکھتاہے وہ اسے جنت کی طرف لے جاتاہے اور جواسے پس پشت قرار دیتاہے وہ اسے جہنم میں پہنچادیتاہے اور جواسے راہنمابناتاہے تو وہ اسے سیدھے راستہ کی ہدایت کرتاہے۔یہ ایسی کتاب ہے کہ جس میں تفصیل ہے

1 تفسیر العیاشی ج ۱ص ۲۔۳،کنزالعمال ج ۲ص ۲۸۸،الحدیث ۴۰۲۷۔

واضح بیان اور علوم و معارف کا حصول ہے یہ قول فیصل ہے کوئی مذاق نہیں ہے۔ اس کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے، اس کا ظاہر تو حکمِ خدا ہے اور اس کا باطن علم خدا ہے، اس کا ظاہر عمدہ وخوبصورت ہے اور اس کا باطن عمیق ہے، اس میں رموز ہیں بلکہ رموز در رموز ہیں اس کے عجائب کو شمار نہیں کیا جاسکتا ہے اور اس کے غرائب کہنہ وفرسودہ نہیں ہوسکتے ہیں اس کی ہدایت کے چراغ اور حکمت کے منارے ہیں اور جو اس کے صفات کی معرفت رکھتا ہے اس کے لئے دلیلِ معرفت ہے، راہرو کو چاہئے کہ اپنی آنکھ کو اس سے منور کرے اور اس کے اوصاف تک اپنی نظر پہنچائے تاکہ ہلاکت سے نجات اور جہالت سے رہائی پائے، بیشک فکر و نظر دل کی بصارت ہے جیسا کہ روشنی کا طالب تاریکی میں روشنی لیکر چلتا ہے، تمہارے لئے ضروری ہے کہ ہر پستی سے نجات حاصل کرو اور توقعات کو کم رکھو۔

اہل بیتؑ دین کے ارکان ہیں

۵۔ رسولؐ نے ثقل کبیر، اہل بیتؑ رسولؐ۔ علیؑ اور ان کے بارہ فرزندوں کو۔ مختلف طریقوں سے پہچنوایا، اپنے آخری خطبہ میں فرمایا:

”یا معشر المهاجرین و الانصار! و من حضرنی فی یومی هذا ، و فی ساعتی هذه، من الجن و الانس فلیبلغ شاهدکم الغائب: الا قد خلفت فیکم کتاب اللّٰه ۔ فیه النور، وا لهدی، و البیان، ما فرّط اللّٰه فیه من شیء ، حجة اللّٰه لی علیکم۔ و خلفت فیکم العلم الاکبر، علم الدین ، و نور الهدی، وصیی: علی بن ابی طالب، الا و هو حبل اللّٰه، فاعتصموا به جمیعاً ، ولا تفرقوا عنه، (و اذکروا نعمت اللّٰه علیکم اذ کنتم اعداءً فالّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا)[1]

ایها النّاس ! هذا علی بن ابی طالبؑ ، کنز اللّٰه، الیوم وما بعد الیوم، من احبه و تولاه الیوم و ما بعد الیوم ، فقد اوفی بما عاہد علیه، و ادی ما وجب علیه، و من عاداه الیوم وما بعد الیوم ، جاء یوم القیامة اعمی و اصم، لا حجة له عند اللّٰه۔

ایها الناس! لا تاتونی غداً بالدنیا، تزفونها زفاً، و یأ تی اهل بیتی شعثاء غبراء، مقهورین مظلومین ، تسیل دماؤهم امامکم، و بیعات الضلالة و الشوری للجهالة فی رقابکم۔

الا و ان هذا الامر له اصحاب و آیات، قد سمّا هم اللّٰه فی کتابه، و عرفتکم ، و بلغتکم ما ارسلت به الیکم، ولکنی اراکم قوماً تجهلون۔ لا ترجعن بعدی کفاراً مرتدین،

متاولین للکتاب علیٰ غیر معرفة، و تبتدعون السنة بالهوی; لان کل سنّة وحدیث و کلام خالف القرآن فهو ردّ و باطل۔

---

1 آل عمران: ۱۰۳۔

القرآن امام ھدی، و له قائد یھدی الیه، و یدعو الیه بالحکمة و الموعظة الحسنة۔ و ھو ولیّ الامر بعدی، ووارث علمی و حکمتی ، و سری و علانیتی، و ما ورثه النبیون من قبلی، وانا وارث و مورث، فلا یکذّبنّکم انفسکم۔

ایّھا النّاس! اللّه اللّه فی اھل بیتی; فانھم ارکان الدین ، و مصابیح الظلم ، و معدن العلم; علی اخی، و وارثی، و وزیری، و امینی، و القائم بامری، و الموفی بعھدی علیٰ سنتی۔ اول النّاس بی ایماناً، و آخرھم عھداً عند الموت، و اوسطھم لی لقاءً یوم القیامة، فلیبلّغ شاھدکم غائبکم الا و من امّ قوماً و من ام قوماً امامة عمیاء ، و فی الامة من ھو اعلم فقد کفر۔

ایّھا النّاس! و من کانت له قبلی تبعة فیما انا، و من کانت له عدة، فلیات فیھا علی بن ابی طالب، فانه ضامن لذلک کلّه، حتی لا یبقی لاحد علیّ تباعة''۔[1]

اے گروہِ مہاجرین وانصار جو بھی آج اس وقت میرے سامنے موجود ہے، مجھے دیکھ رہاہے اسے چاہئے غائب لوگوں تک یہ پیغام پہنچادے۔ آگاہ ہو جاؤ میں نے تمہارے درمیان خدا کی کتاب چھوڑی ہے، جس میں نور، ہدایت اور بیان ہے، اس میں خدانے کسی چیز کو بیان کئے بغیر نہیں چھوڑا ہے۔ یہ تمہارے اوپر خدا کی حجّت ہے اور میں نے تمہارے درمیان علمِ اکبر، علم دین، نورِ ہدایت اور اپنا وصی، علی بن ابی طالب ؑ کو چھوڑا ہے، اچھی طرح سمجھ لو کہ وہ حبل اللہ یعنی خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں سب مل کر ان کا دامن تھام لو انہیں چھوڑ کر پراگندہ نہ ہو جانا۔ تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جس سے اس نے تمہیں نوازا ہے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ڈال دی تو اس کی نعمت کے سبب تم ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔

اے لوگو! یہ علی بن ابی طالب ؑ آج اور بعد کے لئے خدا کا ذخیرہ ہیں جو شخص آج اور بعد میں ان سے محبت کرے گا اور ان کی پیروی کرے گا تو وہ اپنے کئے ہوئے عہد کو پورا کرے گا اور اپنے فرض کو انجام دے گا اور جس شخص نے آج اور آج کے بعد ان سے عداوت رکھی وہ قیامت کے دن اندھا اور بہرہ اٹھے گا اور خدا پر اس کی کوئی حجّت نہیں ہو گی اور وہ خدا کے سامنے کوئی عذر نہیں پیش کر سکے گا۔

اے لوگو! تم کل -روز قیامت- میرے پاس اس طرح نہ آنا کہ تم مال دنیا سے لدے ہوئے ہو اور میرے اہل بیت ؑ کی غربت کی وجہ سے یہ حالت ہو کہ ان کے بال گرد سے اٹے ہوئے ہوں، مظلوم و ستم دیدہ ہوں اور تمہارے ہاتھوں سے ان کا خون ٹپک رہا ہو۔ یاد رکھو کہ گمراہی و ضلالت کی بیعت اور جاہلوں کی شوریٰ کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ اس خلافت کے اہل موجود ہیں وہی خدا کی نشانیاں ہیں خدا نے اپنی کتاب میں ان کی پہچان بتادی ہے اور میں نے ان کا تعارف کرادیا ہے میں نے تم تک وہ پیغام پہنچادیا ہے جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا تھا، اس کے باوجود میں تمہیں جاہل و نادان ہی دیکھ رہا ہوں۔ خبردار میرے

---

1 بحار الانوار ج ۲۲ ص ۴۸۴، ۴۸۷۔

بعد تم کافر و مرتد نہ ہو جانا اور علم و معرفت کے بغیر قرآن کی تاویل نہ کرنا اور میری سنت کو اپنی خواہش کے مطابق نہ ڈھال لینا کیونکہ ہر بدعت اور ہر وہ کام جو قرآن کے خلاف ہوتا ہے وہ باطل ہے۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن ہدایت کا امام ہے لیکن اس کے لئے ایک قائد ناطق کی ضرورت ہے جو اس کی طرف ہدایت کرے اور حکمت و بہترین نصیحت کے ساتھ اس کی طرف بلائے اور وہ ہے میرے بعد ولیِ امر، وہی میرے علم و حکمت کا حقدار اور میرے اسرار کا وارث اور انبیاء کی میراث کا حامل ہے دیکھو! میں بھی وارث ہوں اور میرے بھی وارث ہیں، تمہارے نفس کہیں تمہیں دھوکا نہ دیں۔

اے لوگو! میرے اہل بیتؑ کے بارے میں خدا سے ڈرو! خدا سے ڈرو! دیکھو یہ دین کے ارکان و ستون، تاریکی کے چراغ اور علم کا سر چشمہ ہیں، علی میرے بھائی، میرے وارث، میرے وزیر، میرے امین اور میرے امور کو انجام دینے والے اور میری سنت کے مطابق میرے وعدہ کو پورا کرنے والے ہیں سب سے پہلے اپنے اسلام و ایمان کا اظہار کرنے والے ہیں، یہ دم آخر تک میرے ساتھ رہیں گے اور روز قیامت مجھ سے ملاقات کرنے والوں میں اوسط ہیں۔

تم میں سے جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہئے کہ میرا یہ پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیں جو اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں یاد رکھو کہ اگر کسی نے اندھے پن میں کسی کو اپنا امام بنالیا اور وہ جانتا تھا کہ قوم میں اس سے بہتر آدمی موجود ہے تو وہ کافر ہو گیا۔

اے لوگو! اگر کسی کے پاس میری دستاویز ہے کہ جس میں، میں ضامن ہوں یا کسی سے میرا وعدہ ہے تو وہ علی بن ابی طالب کے پاس جائے وہ میرے تمام امور کے ضامن ہیں وہ میرے ذمہ کسی کا کچھ باقی نہیں رہنے دیں گے۔

۳۔اسلامی عقیدے کے اصول

خالق کی توصیف نہیں کی جاسکتی، بیشک خالق کی توصیف اسی چیز کے ذریعہ کی جاسکتی ہے جس سے اس نے خود کو متصف کیا ہے اور اس خالق کی توصیف کیسے کی جاسکتی ہے جس نے حواس کو عاجز کر رکھا ہے کہ وہ اس کا ادراک کریں اور وہم و خیال اسے پاسکیں اور خیالات اس کو محدود کر سکیں اور آنکھیں اسے دیکھ سکیں؟ وہ اس چیز سے بلند تر ہے کہ جس سے توصیف کرنے والے اس کی توصیف کرتے ہیں، وہ قریب ہوتے ہوئے دور ہے اور دور ہوتے ہوئے قریب ہے وہ کیفیت کا خالق ہے پس یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کیفیت رکھتا ہے، وہ اَینَ (کہاں) کو وجود میں لانے والا ہے پس یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے لئے اَینَ ہے وہ کیفیت و اَینیت سے بلند ہے وہ ایک ہے، بے نیاز ہے جیسا کہ اس نے خود کو اس سے متصف کیا ہے۔ توصیف کرنے والے اس کے اوصاف تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس کی کوئی اولاد نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی کی اولاد ہے اور کوئی بھی اس کا کفو و ہمسر نہیں ہے۔

توحید کے شرائط

بندہ ''لاالٰہ الااللہ'' کہتاہے تواسے چاہئے کہ دل سے اس کی تصدیق کرے اس کی عظمت کااعتراف کرے،اس عقیدہ سے لذت محسوس کرے اس کی حرمت کاخیال رکھے اگر ''لاالٰہ الااللہ'' اوراس کی عظمت کااعتراف نہیں کرے گاتوبدعتی ہےاوراگراس عقیدہ میں لذت نہیں محسوس کرے گاتوریاکار ہےاوراگراس کی حرمت کاخیال نہیں رکھے گاتوفاسق ہے۔[1]

رحمتِ خدا

بنی اسرائیل میں دوآدمی تھے ایک بڑاعبادت گزاراور دوسراگناہگار۔ایک روزعبادت گزارنے گناہگار سے کہا: کم گناہ کیا کرو۔اس نے کہا: یہ میرااور میرے رب کا معاملہ ہے، یہاں تک کہ ایک روزعابدنے اسے گناہ کرتے ہوئے دیکھ لیااس بناپراسے بڑاافسوس ہوا،اور کہنے لگا: بس کرو! اس نے جواب دیا: یہ میرااور میرے رب کا معاملہ ہے۔ کیاتم کومیرانگراں بناکر بھیجاگیاہے؟ عابدنے کہا: خداکی قسم خداتمہیں معاف نہیں کرے گااور نہ تمہیں جنت میں داخل کرے گا۔ خدانے دونوں کی طرف ایک فرشتہ بھیجااس نے دونوں کی روحوں کو قبض کیادونوں خداکی بارگاہ میں پہنچ گئے گناہگار سے کہا گیاتم جنت میں چلے جاؤ،اور عابدسے ارشادہوا کیاتم میرے بندے کومیری رحمت سے محروم کرسکتے ہو؟ عرض کیا: نہیں؛ارشادہوا: اسے جہنم میں لے جاؤ۔

نہ جبر نہ اختیار

جبراًخداکی اطاعت نہیں کی جاتی،اوراگراس کی معصیت کی جاتی ہے تواس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ مغلوب ہوگیاہےاوراپنی مملکت کے لوگوں کواس نے بیکار نہیں چھوڑاہے۔ وہ اس چیز پر قادرہے جس پر بندوں کو قدرت دی ہے اوراس چیز کامالک ہے جس کاانہیں مالک بنایاہے پھراگر بندے اس کی اطاعت کریں تواس میں کوئی مانع نہیں ہےاور نہ اس سے انہیں کوئی روک سکتاہےاوراگرلوگ اس کی معصیت کریں تووہ انہیں معصیت سے روک سکتا ہے لیکن اور کوئی شخص ایسانہیں ہے کہ جوخدااوراس کے فعل کے درمیان حائل ہوجائےاوروہ اس کام کوانجام دے جس کووہ چاہتاتھااوروہ اس کے فعل پر مجبور جائے۔[2]

خاتمیت

بیشک خداکی اطاعت زبردستی نہیں کی جاتی اور نافرمانی سے وہ مغلوب نہیں ہوتاہےاور بندوں کی سرپرستی سے دست بردار نہیں ہوتاہے، خداان تمام چیزوں پر قدرت رکھتاہے جن چیزوں پر بندوں کو قدرت دی ہےاور جو چیزان کی ملکیت میں دیدی تھی وہ اس کامالک ہے۔ اگر سارے بندے مسلسل

---

1 بحارالانوارج ۲ص ۹۴،الکفایۃ،ابوالمفضل شیبانی نے احمدبن مطرق بن سوار سے انہوں نے مغیرہ بن محمدبن مہلب سے انہوں نے عبدالغفاربن کثیر سے انہوں نے ابراہیم بن حمید سے انہوں نے ابوہاشم سے انہوں نے مجاہدسے انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہاایک یہودی رسولؐ کی خدمت میں حاضرہواجس کانام نعثل تھااس نے کہا: اے محمد! میں آپ سے چندچیزوں کے بارے میں سوال کرونگااس کی وجہ سے میں ایک زمانہ سے پریشان ہوں اگرآپ نے ان کاجواب دیدیاتومیں اسلام قبول کرلوں گا۔ آپؐ نے فرمایا: اے ابوعمار جوچاہوپوچھ لواس نے کہا: آپ اپنے رب کاتعارف کرائیں توآپؐ نے بہترین اندازمیں توصیف الٰہی بیان کی مگروہ ایمان نہ لایا۔

2 بحارالانوارج ۷۷ص ۱۴۰۔

اس کی عبادت کرتے رہیں تو اس میں کوئی مانع نہیں ہوگا اور اگر اس کی نافرمانی کریں گے تو وہ انہیں نافرمانی سے باز رکھ سکتا ہے اور انہیں اس کی انجام دہی سے روک سکتا ہے لیکن کوئی ایسا نہیں ہے جو اس کے اور اس کے کام کے درمیان حائل ہو جائے اور اسے کام انجام نہ دینے دے بلکہ خود اسے انجام دے۔

چھ چیزوں میں مجھے انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے، مجھے جوامع الکلم عطا ہوئے ہیں۔ رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی ہے، غنائم کو میرے لئے حلال کیا گیا ہے اور زمین کو میرے لئے جائے سجدہ اور طہارت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے اور مجھ پر انبیاء کے سلسلہ کو ختم کیا گیا ہے۔[1]

خدا نے مجھے برگزیدہ کیا ہے

خداوند عالم نے اولاد ابراہیم میں سے جناب اسماعیل کو منتخب کیا اور اولادِ اسماعیل میں سے بنی کنانہ کو چنا اور بنی کنانہ میں سے قریش کا انتخاب کیا اور قریش میں بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم میں سے مجھے برگزیدہ کیا۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

(لقد جائکم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤوف الرحیم)[۲]

یقیناً تمہارے پاس وہ رسولؐ آیا ہے جو تمہیں میں سے ہے اس پر تمہاری ہر مصیبت شاق ہے وہ تمہاری ہدایت کی حرص رکھتا ہے اور مومنوں پر مہربان و رحیم ہے۔

میری مثال بادل کی سی ہے، میرے رب نے مجھے ویسے ہی مبعوث کیا ہے جیسے کسی سرزمین پر برسنے والا بادل کہ اس زمین کا پاک و صاف حصہ پانی کو جذب کر لیتا ہے جس کے نتیجہ میں ہریالی اگ آتی ہے اور اس کا ایک حصہ ایسا ہوتا ہے کہ جس میں روئیدگی نہیں ہوتی وہ پانی روک لیتا ہے اس کے ذریعہ خدا لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ اس سے پانی پیتے ہیں اور کھیتیوں کو سیراب کرتے ہیں اور کچھ حصہ وہ ہوتا ہے اس پر بارش ہوتی ہے لیکن نہ اس پر سبزہ اگتا ہے اور نہ وہ پانی کو روکتا ہے۔ بالکل یہی مثال اس شخص کی ہے جس نے دین خدا کو سمجھا اور جو میں خدا کی طرف سے لایا ہوں اسے تسلیم کیا وہ خود بھی صاحب علم ہو گیا اور دوسروں کو بھی سکھا دیا اور جو اس کے ذریعہ سے سربلند نہیں ہوا در اصل اس نے خدا کی اس ہدایت کو قبول نہیں کیا جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔[3]

رسولؐ کے بعد امام

اے عمار میرے بعد مصیبت آئیگی یہاں تک کہ لوگوں میں تلوار کھینچ جائیگی وہ ایک دوسرے کو قتل کریں گے۔ وہ ایک دوسرے سے نفرت کریں گے پس جب تم ایسے حالات دیکھو تو تم اس اصلع یعنی علی بن ابی طالبؑ کے ساتھ ہو جانا، چاہے سارے لوگ کسی وادی کو طے کریں اور علیؑ تنہا دوسری وادی کو اختیار کریں تم لوگوں کو چھوڑ کر علیؑ والی وادی کو اختیار کرنا۔

اے عمار! علیؑ تمہیں ہدایت سے نہیں ہٹائیں گے اور پستی میں نہیں گرائیں گے۔

---

1 بحار الانوار ج۱۶ ص ۳۲۴۔

2 کلمۃ رسول الاعظم ص ۳۵، بحار الانوار ج۱۶ ص ۳۲۳۔

3 بحار الانوار ج۱ ص ۱۸۴۔

اے عمار! علیؑ کی اطاعت میری اطاعت ہے اور میری اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔

اے عمار! جس نے میری اس جانشینی کے سلسلہ میں میری وفات کے بعد علیؑ پر ظلم کیا تو گویا اس نے میری نبوت کا انکار کر دیا اور مجھ سے پہلے والے انبیاء کی نبوت کو قبول نہیں کیا۔

حضرت علیؑ کی فضیلت

اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ تمہارے بارے میں بعض لوگ وہی کہنے لگیں گے جو عیسیٰؑ کے بارے میں نصاریٰ کہتے ہیں تو آج میں تمہارے بارے میں ایک بات کہتا اور پھر ان میں سے جو بھی سر بر آوردہ گزرتا وہ تمہاری خاکِ پا کو برکت کے لئے ضرور اٹھاتا۔

رسولؐ کے بعد ائمہ

میرے بعد میری عترت سے اتنے ہی امام ہونگے جتنے بنی اسرائیل کے نقباء اور عیسیٰؑ کے حواری تھے پھر جو شخص ان سے محبت کرے گا وہ مومن ہے اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ منافق ہے، خدا کی خلقت میں یہ اس کی حجت ہیں اور اسکی مخلوق میں اس کی نشانیاں ہیں۔

ائمہ حق

اے علیؑ! تم میرے بعد امام و خلیفہ ہو اور مومنوں کی جانوں پر خود ان سے زیادہ تصرف کا حق رکھتے ہو اور تمہارے بعد تمہارے بیٹے حسن مومنوں کی جانوں پر خود ان سے زیادہ تصرف کا حق رکھیں گے اور حسن کے بعد حسینؑ مومنوں کی جانوں پر خود ان سے زیادہ تصرف کا حق رکھیں گے اور حسینؑ کے بعد ان کے بیٹے علی بن الحسین مومنوں کی جانوں پر خود ان سے زیادہ تصرف کا حق رکھیں گے اور ان کے بعد ان کے فرزند محمدؑ مومنوں کی جانوں پر خود ان سے زیادہ تصرف کا حق رکھیں گے اور ان کے اُٹھ جانے کے بعد ان کے پسر جعفرؑ مومنوں کی جانوں پر خود ان سے زیادہ تصرف کا حق رکھیں گے اور ان کے بعد ان کے بیٹے موسیٰؑ مومنوں کی جانوں پر خود ان سے زیادہ تصرف کا حق رکھیں گے اور ان کے بعد ان کے فرزند علیؑ مومنوں کی جانوں پر خود ان سے زیادہ تصرف کا حق رکھیں گے۔ ان کے بعد ان کے پسر محمد مومنوں کی جانوں پر خود ان سے زیادہ تصرف کا حق رکھیں گے ان کے بعد ان کے بیٹے علیؑ مومنوں کی جانوں پر خود ان سے زیادہ تصرف کا حق رکھیں گے اور ان کے بعد ان کے فرزند حسن مومنوں کی جانوں پر خود ان سے زیادہ تصرف کا حق رکھیں گے اور ان کے بعد ان کے لختِ جگر قائم مہدیؑ مومنوں کی جانوں پر خود ان سے زیادہ تصرف کا حق رکھیں گے۔ ان کے ہاتھ پر خدا مشرق و مغرب کو فتح کرے گا، یہی ائمہ حق اور صداقت کی زبان ہیں۔ جو ان کی مدد کرے گا اس کی مدد کی جائے گی اور جو ان کو چھوڑ دے گا اسے چھوڑ دیا جائے گا۔

رسولؐ نے حضرت مہدیؑ کی بشارت دی

احمد نے رسولؐ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: قیامت برپا نہیں ہوگی یہاں تک کہ زمین ظلم وجور سے بھر جائے گی پھر میری عترت میں سے ایک شخص قیام کرے گا جو اسے عدل وانصاف سے بھر دے گا..۔[1]

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ جنگ خیبر میں رسولؐ نے حضرت علیؑ کو علم دیا اور خدا نے ان کے ذریعہ سے فتح نصیب کی۔ پھر غدیر خم میں لوگوں کو اس بات سے آگاہ کیا کہ علیؑ ہر مومن ومومنہ کے مولا ہیں، پوری حدیث بیان کی اور علیؑ وفاطمہؑ اور حسنؑ وحسینؑ کے فضائل بیان کئے پھر فرمایا: مجھے جبریل نے خبر دی ہے کہ میرے بعد ان پر ظلم کیا جائے گا اور ان کے قائم کے ظہور تک ان پر ظلم ہوتا رہے گا پھر ان کا بول بالا ہوگا امت ان کی محبت پر جمع ہو جائیگی، ان کے دشمن کم ہونگے اور ان سے نفرت کرنے والا ذلیل ہوگا اور ان کی مدح کرنے والوں کی کثرت ہوگی اور یہ اس وقت ہوگا جب شہروں کے حالات بدل جائیں گے، خدا کے بندوں کو کمزور کر دیا جائے گا اور کشائش سے لوگ مایوس ہو جائیں گے اس وقت میرے بیٹے قائم مہدیؑ کا ایک قوم میں ظہور ہوگا کہ جن کے ذریعہ خدا حق کو ظاہر وکامیاب کرے گا اور ان کی تلواروں سے باطل کو مٹا دے گا۔ سلسلہ جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ اے لوگو! میں تمہیں کشائش کی بشارت دیتا ہوں، کیونکہ خدا کا وعدہ حق ہے اس کے خلاف نہیں ہو سکتا اور اس کے فیصلہ کو ٹالا نہیں جا سکتا وہ حکیم وخبیر ہے بیشک خدا کی نصرت قریب ہے۔[2]

ام سلمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے رسولؐ کو فرماتے ہوئے سنا۔

مہدی، میری عترت سے اور اولادِ فاطمہؑ سے ہوں گے۔[3]

حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: رسولؐ نے ہمارے درمیان خطبہ دیا اور قیامت تک کے حالات بیان کئے پھر فرمایا: اگر دنیا کا ایک دن بھی باقی رہے گا تو خدا اس دن کو طولانی کر دے گا یہاں تک کہ خدا میری اولاد میں سے اس شخص کو بھیجے گا کہ جس کا نام میرے نام پر ہوگا۔

یہ سن کر سلمان اٹھے اور عرض کی اے اللہ کے رسولؐ! وہ آپؐ کے کس بیٹے کی نسل سے ہوں گے؟ آپؐ نے حسین کے شانے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا میرے اس بیٹے کی نسل سے۔[4]

۴۔ رسولؐ کی میراث میں اسلامی تشریع کے اصول

الف۔ اسلام کی خصوصیات

---

1 مسند احمد ج۳ ص ۴۲۵، حدیث ۱۰۹۲۰۔

2 ینابیع المودۃ ص ۴۴۰۔

3 ینابیع المودۃ ص ۴۳۰، سنن ابی داؤد ج۴ ص ۸۷۔

4 البیان فی اخبار صاحب الزمان، حافظ ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن محمد نوفلی ص ۱۲۹۔

۱۔'' الاسلام یعلو و لا یعلیٰ علیه''

اسلام غالب ہے، سربلند ہے اس پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا۔

۲۔''الاسلام یجُبُّ ما قبله''

اسلام اپنے سے پہلے کے عمل اور گناہ کو ختم کرتا ہے۔

۳۔''الناس فی سعةٍ ما لم یعلموا''

لوگوں کے لئے اس وقت تک گنجائش ہے جب تک کہ نہیں جانتے۔

۴۔''رفع عن امتي الخطأ والنسیان وما استکرهوا علیه''

میری امت کی خطا و نسیان اور مکرہ (زبردستی کئے جانے والے) کو معاف رکھا گیا ہے۔

۵۔''رفع القلم عن ثلاثة: الصبی و المجنون و النائم''

تین آدمیوں، بچے، مجنون اور سوئے ہوئے سے قلمِ تکلیف اٹھالیا گیا ہے۔

ب۔ علم اور علماء کی ذمہ داری

۱۔''من مات و لم یعرف امام زمانه مات میتةً جاہلیة''

جو شخص اپنے زمانہ کے امامؑ کی معرفت حاصل کئے بغیر مر جائے، وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔

۲۔ ''من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعده من النار''

جو شخص علم کے بغیر قرآن کے بارے میں لب کشائی کرتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

۳۔ ''من سئل عن علم فکتمه الجمه اللّٰه بلجامٍ من نار''

جس شخص سے علم طلب کیا جائے اور وہ اسے چھپالے تو خدا اس کے منہ پر آگ کی لگام چڑھادے گا۔

۴۔'' من افتیٰ بما لا یعلم لعنته ملائکة السماء و الارض''

جو شخص ایسی چیز کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے کہ جس کو نہیں جانتا اس پر آسمان و زمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

۵۔'' کل مفتٍ ضامن''

ہر فتویٰ دینے والا ضامن ہے۔

۶۔'' کل بدعة ضلالة و کل ضلالة سبیلها الیٰ النار''

ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جاتی ہے۔

۷۔''من یرد اللّٰه به خیراً یفقهه فی الدین''

جس شخص کو خدا خیر دینا چاہتا ہے اسے علم دین سے نواز دیتا ہے۔

۸۔''تعلموا الفرائض و علموها النّاس فانها نصف العلم''

فرائض (واجبات) کا علم حاصل کرو اور دوسروں کو اس کی تعلیم دو کہ یہ نصف علم ہے۔

۹۔" اذا اتاکم عنی حدیث فاعرضوه علیٰ کتاب اللّٰہ فما وافقه فاقبلوه وما خالفه فاضربوا به عرض الحائط"

جب تمہارے پاس میری کوئی حدیث آئے تو اسے کتابِ خدا کے معیار پر پرکھو اگر قرآن کے موافق ہے تو اسے قبول کرلو اور اگر اس کے خلاف ہے تو دیوار پر دے مارو۔

۱۰۔" اذا ظهرت البدعة فلیظهر العالم علمه فمن لم یفعل فعلیه لعنة اللّٰہ"

جب بدعت ظاہر ہو تو عالم کو چاہئے کہ اپنا علم ظاہر کرے پھر جو ایسا نہیں کرے گا اس پر خدا کی لعنت ہے۔

ج۔ اسلامی طرز زندگی کے عام قواعد

۱۔ "لا رهبانیة فی الاسلام"

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔

۲۔" لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق"

خالق کی معصیت کر کے مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔

۳۔"لا دین لمن لا تقیة له"

جس کے پاس تقیہ نہیں ہے اس کے پاس دین نہیں ہے۔

۴۔"لا خیر فی النوافل اذا اضرت بالفرائض"

ان نوافل کا کوئی فائدہ نہیں ہے جن سے واجبات متاثر ہوتے ہیں۔

۵۔"فی کل امر مشکل القرعة"

ہر مشکل کام کے لئے قرعہ ہے۔

۶۔"انما الاعمال بالنیات"

اعمال کی قدر و قیمت نیتوں کے مطابق ہے۔

۷۔" نیة المرء ابلغ من عمله"

انسان کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

۸۔" افضل الاعمال احمزها"

بہترین عمل وہی ہے جو دشوار ہوتا ہے۔

۹۔ "من دان بدین قوم لزمه حکمهم"

جو شخص کسی قوم کا دین اختیار کرتا ہے اس پر اسی کا حکم لگتا ہے۔

۱۰۔" من سن سنة حسنة كان له اجرها و اجر العامل بها الیٰ یوم القیامة و من سن سنة سیئة كان علیه

وزرها و وزر العامل بها الیٰ یوم القیامة"

جس شخص نے نیک طریقہ ایجاد کیا اسے اس کا اجر ملے گا اور جو شخص بھی قیامت تک اس پر عمل کرے گا اس کا اجر بھی اس شخص کو ملے گا اور جس نے کوئی غلط طریقہ ایجاد کیا اسے اس کا عذاب ملے گا اور جو بھی قیامت تک اس پر عمل کرے گا اس کا عذاب بھی اسی (ایجاد کرنے والے) کو ملے گا۔

د۔ فیصلے کے عام خطوط

۱۔"اذا اجتہد الحاکم فأخطأ فله اجر و ان اصاب فله اجران"

اگر حاکم کی پوری کوشش کے باوجود اس سے غلطی ہو جائے تو اسے خدا کی طرف سے ایک اجر ملے گا اور اگر غلطی نہ ہو تو دو اجر ملیں گے۔

۲۔"اقرار العقلاء علیٰ انفسهم جائز"

عقلاء کا اپنے خلاف اقرار کرنا جائز ہے۔

۳۔" البینة علی المدعی و الیمین علیٰ من انکر"

مدعی کے ذمہ بینہ (گواہ) اور منکر کے لئے قسم ہے۔

۴۔"لا یمین الا باللّٰه"

خدا کی قسم کے علاوہ اور کوئی قسم نہیں ہے۔

۵۔"ادرؤا الحدود بالشبهات"

شبہات کے ذریعہ حدود ختم کرو۔

۶۔" من قتل دون ما له فهو شهید"

جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہو وہ شہید ہے۔

۷۔"علی الید ما اخذت حتی تؤدّی"

جو چیز لی ہے اس کی ذمہ داری ہے یہاں تک کہ ادا کر دی جائے۔

۸۔"لا یؤاخذ الرجل بجریرة ابنه، ولا ابن بجریرة ابیه"

بیٹے کے گناہ میں باپ نہیں پکڑا جائے گا اور باپ کے گناہ میں بیٹا نہیں گرفتار کیا جائے گا۔

۹۔"الناس مسلطون علیٰ اموالهم"

لوگوں کا اپنی دولت پر حق ہے۔

۱۰۔"جنایة العجماوات جبار"

بے زبانوں (حیوانوں اور بے جان چیزوں) کی اذیت و آزار جبر طبعی ہے۔

ھ۔ عبادات اپنے وسیع مفہوم کے ساتھ

۱۔’’ان عمود الدین الصلاۃ‘‘

نماز دین کا ستون ہے۔

۲۔’’خذوا عنی مناسککم‘‘

مجھ سے اپنی عبادتوں کا طریقہ سیکھو۔

۳۔’’صلوا کما رایتمونی اصلی‘‘

اس طرح نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

۴۔’’زکوا اموالکم تقبل صلاتکم‘‘

اپنے مال کی زکات دے دو تمہاری نماز قبول ہو جائے گی۔

۵۔’’زکاۃ الفطرۃ علیٰ کل ذکر و انثیٰ‘‘

فطرہ ہر مرد و عورت پر واجب ہے۔

۶۔’’جعلت لی الارض مسجداً و ترابها طهوراً‘‘

زمین کو میرے لئے جائے سجدہ اور اس کی خاک کو ذریعۂ طہارت قرار دیا گیا ہے۔

۷۔ ’’جنبوا مساجدکم بیعکم و شرائکم و خصوماتکم‘‘

اپنی مسجدوں کو اپنی خرید و فروخت اور جھگڑوں سے پاک رکھو۔

۸۔’’ سیاحۃ امتی الصوم‘‘

روزہ میری امت کی سیاحت ہے۔

۹۔’’ کل معروف صدقۃ‘‘

ہر نیکی صدقہ ہے۔

۱۰۔’’افضل الجهاد کلمة حقٍ بین یدی سلطان جائر‘‘

سب سے بڑا جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے۔

و۔ خاندانی نظام کے اصول

۱۔’’النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی‘‘

نکاح میری سنت ہے، جو اس سے روگردانی کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

۲۔’’تناکحوا تناسلوا فانی اباهی بکم الامم یوم القیامة‘‘

نکاح کرو، نسلیں بڑھاؤ کیونکہ روز قیامت میں تمہاری (کثرت کی) وجہ سے تمام امتوں پر فخر کروں گا۔

۳۔’’تزوجوا ولا تطلقوا فان الطلاق یهتز منه عرش الرحمن‘‘

شادیاں کرو، طلاق نہ دو کیونکہ طلاق سے رحمن خدا کا عرش ہل جاتا ہے۔

۴۔”تخیروا لنطفکم، فانکحوا الأکفاء و انکحوا الیھم“
اپنے نطفوں کے لئے نیک وشائستہ عورتوں کا انتخاب کرو پس کفو کا کفو سے نکاح کرو۔
۵۔”الولد للفراش و للعاھر الحجر“
بچہ اصل شوہر کا ہے اور زناکار کے لئے پتھر ہے۔
۶۔ ”جہاد المرأة حسن التبعل لزوجھا“
شوہر کے ساتھ بہترین رویہ ہی عورت کا جہاد ہے۔
۷۔”لیس علی النساء جمعة ولا جماعة ولا اذان ولا اقامة ولا عیادة مریض ولا ھرولة بین الصفا و المروة ولا جہاد ولا استلام الحجر ولا تولی القضاء ولا الحلق“
عورت کے لئے نماز جمعہ و جماعت میں جانا اور اذان واقامت کہنا، بیمار کی عیادت، صفاو مروہ کے درمیان سعی کرنا، حجر اسود کو چھونا، سر منڈانا، جہاد کرنا ضروری نہیں ہے۔
۸۔” المتلاعنان لا یجتمعان ابدا“
ایک دوسرے پر لعنت کرنے والے کبھی یک جا نہیں ہو سکتے۔
۹۔”قذف المحصنة یحبط عمل مءة سنة“
محصنہ و پاک دامن عورت پر تہمت لگانے سے سو سال کے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔
۱۰۔”الرضاع ما انبت اللحم و شد العظم“
رضاعت یہ ہے کہ اس سے گوشت بڑھے اور ہڈی مضبوط ہو جائے۔
۱۱۔”علموا اولادکم السباحة و الرمی“
اپنی اولاد کو تیراکی اور تیر اندازی سکھاؤ۔
۱۲۔” من کان عندہ صبی فلیتصاب لہ“
جس کے یہاں بچہ ہے اسے اس سے محبت کرنا چاہئے۔

ز۔ نظام اقتصاد اسلامی کی چند شقیں

۱۔” العبادة سبعة اجزاء افضلھا طلب الحلال“
عبادت کے سات جزء ہیں، طلبِ حلال ان میں سب سے افضل ہے۔
۲۔”الفقه ثم المتجر“
پہلے فقہ ہے بعد میں تجارت۔
۳۔” ملعون من القی کله علی الناس“
ملعون ہے وہ شخص جو دوسروں پر اپنا بار ڈالتا ہے۔

۴۔’’ابدا بمن تعول‘‘

محتاج کو پہلے دو۔

۵۔’’اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ‘‘

مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیدو۔

۶۔’’علیٰ کل ذی کبد حرّی اجر‘‘

ہر مشقت اٹھانے والا اجر کا مستحق ہے۔

۷۔’’ المسلمون عند شروطھم‘‘

مسلمان اپنی شروط کے پابند ہیں۔

۸۔’’ المسلم احق بما لہ اینما وجدہ‘‘

مسلمان اپنے مال کے زیادہ حقدار ہیں خواہ وہ کہیں بھی ملے۔

۹۔’’الوقوف علیٰ حسب ما یوقفھا اھلھا‘‘

جس کا جو موقف ہے اسے اسی پر رہنے دو۔

۱۰۔ ’’لا یحل ما ل امرئ مسلمٍ الا عن طیب نفسٍ منہ‘‘

مسلمان کا مال اس کی خوشی واجازت کے بغیر حلال نہیں ہے۔

۱۱۔’’الکفن ثم الدین ثم الوصیۃ ثم المیراث‘‘

پہلے کفن، پھر قرض۔اس کے بعد وصیت اور پھر میراث۔

۱۲۔’’ الصلح جائز بین المسلمین الا ما احل حراماً او حرم حلالاً‘‘

مسلمانوں کے درمیان صلح ہونا صحیح ہے مگر یہ کہ کسی نے حرام کو حلال سمجھ لیا ہو اور حلال کو حرام قرار دیدیا ہو۔

۱۳۔’’ مطل الموسر المسلم ظلم للمسلم‘‘

مال دار مسلمان کا ٹال مٹول کرنا مسلمان پر ظلم ہے۔

۱۴۔’’ البائعان بالخیار ما داما فی المجلس‘‘

جب خرید وفروخت کرنے والے اس جگہ موجود ہیں جہاں معاملہ ہوا ہے اس وقت دونوں کو معاملہ توڑنے کا اختیار ہے۔

۱۵۔’’شر المکاسب الربا‘‘

بدترین کمائی سود ہے۔

۱۶۔ ’’لا ینتفع من المیتۃ باھابٍ ولا عصب‘‘

مردار کو نہ تو ہبہ کیا جا سکتا ہے اور نہ اسے ملکیت میں دیا جا سکتا ہے۔

ح۔اجتماعی زندگی کے کچھ اصول

۱۔ ''قتال المؤمن كفر و اكل لحمه معصية''
مومن سے جنگ کرنا کفر ہے اور اس کا گوشت کھانا (اس کی غیبت کرنا) معصیت ہے۔
۲۔ ''حرمة المؤمن ميتاً كحرمته حياً''
مر جانے والا مومن ویسا ہی محترم ہے جیسا زندگی میں محترم تھا۔
۳۔ ''كرامة الميت تعجيله فی التجهيز''
میت کی عظمت میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے غسل و کفن اور دفن وغیرہ میں عجلت کی جائے۔
۴۔ ''المومنون اخوة تتكافأ دماؤهم و يسعیٰ بذمتهم ادناهم و هم يد علیٰ من سواهم''
مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ان سب کا خون برابر ہے اور اگر ان میں سے چھوٹا بھی امان دیدے تو سب اسے محترم سمجھیں گے اور غیر کے مقابلہ میں وہ ایک ہیں۔
۵۔ ''الولاء للعتق''
ولاء اس کے لئے ہے جس نے آزاد کیا ہے۔
۶۔ ''الولاء لحمة كلحمة النسب''
ولاء ایک قسم کا خونی رشتہ ہے جیسے نسب ہوتا ہے۔
۷۔ ''سباب المؤمن فسوق''
مومن پر سب و شتم کرنا فسق ہے۔
۸۔ ''كل مسكر حرام''
ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔
۹۔ ''ما اسكر كثيرة فالجرعة من حرام''
جس چیز کی زیادتی سے نشہ ہوتا ہے اس کا گھونٹ پینا حرام ہے۔
۱۰۔ ''عذاب القبر من النميمة و الغيبة و الكذب''
نکتہ چینی، غیبت اور جھوٹ، عذاب قبر کا باعث ہے۔
۱۱۔ ''لا غيبة لفاسق''
فاسق کے عیوب کو بیان کرنا غیبت نہیں ہے۔
۱۲۔ ''حرم لباس الذهب علیٰ ذكور امتی و حل لاناثهم''
میری امت کے مردوں پر سونے کا لباس حرام ہے اور ان کی عورتوں کے لئے حلال ہے۔

۵۔میراث رسولؐ کے کچھ حکمت آمیز کلمات

۱۔''انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق''

مجھے تو مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔

۲۔''انا مدینة العلم و علیٌ بابها''

میں علم کا شہر ہوں علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔

۳۔''احب الاعمال الیٰ اللّٰه ادومها و ان قل''

خدا کی نظر میں وہ اعمال زیادہ محبوب ہیں جن کا دوام زیادہ ہے خواہ وہ کم ہی ہوں۔

۴۔''اذا عمل احد کم عملاً فلیتقن''

جب تم میں سے کوئی شخص کوئی کام انجام دے تو اسے چاہئے کہ محکم و احسن طریقہ سے انجام دے۔

۵۔'' الایمان نصفان: نصف فی الصبر و نصف فی الشکر''

ایمان کے دو حصے ہیں: نصف صبر اور نصف شکر۔

۶۔'' استعینوا علیٰ امورکم بالکتمان''

اپنے امور کی حفاظت میں، زبان بندی سے مدد لو۔

۷۔''الامانة تجلب الرزق و الخیانة تجلب الفقر''

امانت داری سے روزی اور خیانت کاری سے تنگ دستی آتی ہے۔

۸۔'' الایدی ثلاثة: سائلة و منفقة و ممسکة، فخیر الایادی المنفقة''

ہاتھ تین قسم کے ہیں: مانگنے والا، خرچ کرنے والا اور روکنے والا، بہترین ہاتھ خرچ کرنے والا ہے۔

۹۔''اذا ساد القوم فاسقهم و کان زعیم القوم اذلهم و اکرم الرجل الفاسق فلینظر البلاء''

جب قوم کا سردار فاسق ہو اور ان کا لیڈر ذلیل ہو اور اس کا احترام کیا جاتا ہو تو لوگوں کو بلا نازل ہونے کا انتظار کرنا چاہئے۔

۱۰۔''اعجل الشر عقوبة البغی''

جس بدی کی بہت جلد سزا ملتی ہے وہ ظلم و زیادتی ہے۔

۱۱۔''الا ان شرار امتی الذین یکرمون مخافة شرهم۔ الا و من اکرمه النّاس اتقاء شره فلیس منی''

آگاہ ہو جاؤ کہ میری امت کے بدترین لوگ وہ ہیں جن کی عزت ان کے شر سے بچنے کے لئے کی جاتی ہے۔ جان لو کہ جس شخص کے شر سے بچنے کے لئے لوگ اس کی عزت کرتے ہوں اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۱۲۔''بالبر یستعبد الحر''

نیکی سے آزاد شخص کو غلام بنایا جاتا ہے۔

۱۳۔'' بشروا ولا تنفروا''

(لوگوں کو)خوش کرو متنفر نہ کرو۔

۱۴۔ ''بادر باربع قبل اربع: شبابک قبل ھرمک و صحتک قبل سقمک و غناک قبل فقرک و حیاتک قبل موتک''

چار چیزوں سے پہلے چار چیزوں سے فائدہ حاصل کرلو۔ اپنے بڑھاپے سے پہلے، اپنی جوانی سے، اپنی بیماری سے قبل اپنی تندرستی سے، اپنی ناداری سے قبل اپنی بے نیازی سے اور اپنی موت سے پہلے اپنی زندگی سے۔

۱۵۔ '' ثلاث من مکارم الاخلاق فی الدنیا و الآخرۃ: ان تعفو عمن ظلمک و تصل من قطعک و تحلم علیٰ من جھل علیک''

تین چیزیں دنیا و آخرت میں مکارم اخلاق میں شمار ہوتی ہیں:

جس نے تمہارے اوپر ظلم کیا ہے اسے معاف کردو، جس نے تمہیں محروم کیا ہے اس کے ساتھ صلۂ رحم کرو اور جس نے تمہارے ساتھ جہالت آمیز سلوک کیا ہے اس سے کچھ نہ کہو۔

۱۶۔ '' ثلاث تخرق الحجب و تنتھی الیٰ ما بین یدی اللّٰہ: صریر اقلام العلماء و وطئ المجاھدین و صوت مغازل المحصنات''

تین چیزیں پردوں کو چاک کردیتی ہیں اور بارگاہ خدا تک پہنچتی ہیں، علماء کے قلم کی آواز، (میدانِ جہاد میں) مجاہدین کی دوڑ دھوپ اور شادی شدہ عورتوں کے چرخہ کاتنے کی آواز۔

۱۷۔ ''ثلاث تقسی القلب: استماع اللھو، و طلب الصید و اتیان باب السلطان''

تین چیزوں سے دل سخت ہوتا ہے: گانا سننا، شکار کا پیچھا کرنا اور بادشاہ کے دروازہ پر جانا۔

۱۸۔ ''جبلت القلوب علیٰ: حب من احسن الیھا، و بغض من اساء الیھا''

دلوں کی جبلت یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھ نیک سلوک کرنے والے سے محبت اور بدسلوکی کرنے والے سے نفرت کرے۔

۱۹۔ '' حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا''

اپنے نفسوں کا حساب کرو قبل اس کے تم سے حساب لیا جائے۔

۲۰۔ ''حب الدنیا رأس کل خطیئۃ''

ہر خطا کی جڑ دنیا کی محبت ہے۔

۲۱۔ ''الحکمۃ ضالۃ المومن۔ راس الحکمۃ مخافۃ اللّٰہ''

حکمت مومن کا گمشدہ سرمایہ ہے۔ حکمت کی معراج خوف خدا ہے۔

۲۲۔ ''حفت الجنۃ بالمکارہ و حفت النار بالشھوات''

جنت سختیوں میں اور دوزخ شہوتوں میں لپٹی ہوئی ہے۔

۲۳۔ '' حسنوا اخلاقکم و الطفوا بجیرانکم و اکرموا نسائکم تدخلوا الجنۃ بغیر حساب، داووا امراضکم بالصدقۃ''

اپنے اخلاق کو اچھا بناؤ، اپنے ہمسایوں کے ساتھ مہربانی کرو اور اپنی عورتوں کی عزت کرو تو بے حساب جنت میں داخل ہو گے، اپنے بیماروں کا صدقہ کے ذریعہ سے علاج کرو۔

۲۴۔"رأس العقل بعد الایمان باللّٰہ مداراۃ النّاس فی غیر ترک حق"

خدا پر ایمان لانے کے بعد عقل کا کمال یہ ہے کہ حق کو چھوڑے بغیر لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔

۲۵۔"سادۃ النّاس فی الدنیا الاسخیاء، سادۃ النّاس فی الآخرۃ الاتقیاء۔ السعید من وعظ بغیرہ"

دنیا میں لوگوں کے سردار اہل سخاوت ہیں اور آخرت میں لوگوں کے سردار اتقیاء ہیں اور نیک وہ ہے جو اپنے غیر سے نصیحت حاصل کرے۔

۲۶۔"شر النّاس من باع آخرتہ بدنیاہ، و شر من ذلک من باع آخرتہ بدنیا غیرہ"

بدترین انسان وہ ہے جو اپنی آخرت کو اپنی دنیا کے عوض بیچ دے اور اس سے بدتر وہ شخص ہے جو اپنی آخرت کو غیر کی دنیا کے عوض بیچ دے۔

۲۷۔"طوبیٰ لمن شغلہ عیبہ عن عیوب الناس"

خوش نصیب ہے وہ شخص کہ جس کے عیوب اسے دوسروں کی عیب جوئی سے غافل رکھتے ہیں۔

۲۸۔"علیک بالجماعۃ فان الذئب یاخذ القاصیۃ"

تمہارے لئے ضروری ہے کہ جماعت کے ساتھ رہو اس لئے کہ گلہ سے بچھڑ جانے والی بکری کو بھیڑیا اچک لیتا ہے۔

۲۹۔"علیکم بالاقتصاد فما افتقر قوم اقتصدوا"

تمہارے لئے لازم ہے کہ میانہ روی اختیار کرو اس لئے کہ وہ قوم کبھی مفلس و نادار نہیں ہوئی جس نے میانہ روی اختیار کی۔

۳۰۔"عجبت لمن یحتمی من الطعام مخافۃ الداء، کیف لا یحتمی من الذنوب مخافۃ النار"

مجھے اس شخص پر تعجب ہے کہ جو بیماری کے خوف سے کھانے میں احتیاط کرتا ہے لیکن جہنم کے خوف سے گناہوں سے نہیں بچتا۔

۳۱۔"عز المؤمن استغناؤہ عن الناس"

مومن کی عزت اس میں ہے کہ وہ لوگوں سے بے نیاز رہے۔

۳۲۔"عد من لا یعودک، و اھد لمن لم یھد الیک"

جس نے تمہاری عیادت نہیں کی اس کی عیادت کرو اور جس نے تمہیں ہدیہ نہیں دیا اسے ہدیہ دو۔

۳۳۔"الغنی غنی النفس"

صحیح معنی میں بے نیاز وہی ہے جو اپنے نفس سے بے نیاز ہو۔

۳۴۔"کن عالماً او متعلماً او مستمعاً او محباً، ولا تکن الخامس فتھلک"

عالم یا طالب یا (عذر سے) سننے والے یا (ان تینوں کے) چاہنے والے بن جاؤ اگر ان کے پانچویں بنو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔

۳۵۔"لا مال اعود من العقل"

عقل سے زیادہ نفع بخش کوئی مال نہیں ہے۔

۳۶۔"لا فقر اشد من الجھل"

جہالت سے بڑی مفلسی و ناداری کوئی چیز نہیں ہے۔

۳۷۔''لا عقل کالتدبیر''
تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں ہے۔
۳۸۔''لیس منا من غش مسلماً او ضره او ما کره''
جس نے مسلمان کو دھوکا دیا یا اس کو نقصان پہنچایا یا اس کے ساتھ مکر کیا اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔
۳۹۔''من المروءة اصلاح المال''
مال کی اصلاح بھی جوانمردی ہے۔
۴۰۔''من احب عمل قوم اشرک معهم فی عملهم''
جو شخص کسی قوم کے عمل کو پسند کرتا ہے وہ اس کے عمل میں شریک ہوتا ہے۔
۴۱۔''من احب قوماً حشر معهم''
جو شخص کسی قوم سے محبت کرتا ہے وہ اسی کے ساتھ محشور ہوگا۔
۴۲۔''من عمل بما علم ورثه الله مالم یعلم''
جو شخص اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے خدا اسے اس چیز کا وارث بنادیتا ہے جس کو وہ نہیں جانتا تھا۔
۴۳۔''من اعان ظالماً علیٰ ظلمه سلطه الله علیه''
جو شخص ظلم میں ظالم کی مدد کرتا ہے خدا اس پر ظالم کو مسلط کردیتا ہے۔
۴۴۔''من یصلح ما بینه و بین الله یصلح الله ما بینه و بین الناس''
جو شخص ان چیزوں کی اصلاح کرتا ہے جو اس کے اور خدا کے درمیان ہیں تو خدا اس کے اور لوگوں کے درمیان کی چیزوں کی اصلاح کرتا ہے۔
۴۵۔''من لا یرحم لا یرحم''
جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔
۴۶۔''من غش غُشّ''
جو دھوکا دیتا ہے وہ دھوکا کھاتا ہے۔
۴۷۔''من تساویٰ یوماه فهو مغبون''
جس شخص کے دو دن یکساں گذریں وہ گھاٹے میں ہے۔
۴۸۔''ما عال من اقتصد''
میانہ روی اختیار کرنے والا کبھی تنگ دست نہیں ہوتا۔
۴۹۔'' المؤمن من امن النّاس من یده و لسانه''
مومن تو بس وہی ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہتے ہیں۔
۵۰۔'' المسلم من سلم النّاس من اذاه''
مسلمان وہ ہے جس کی اذیتوں سے لوگ محفوظ و سالم رہتے ہیں۔

۵۱۔''المجالس بالامانة''

مجالس کا اعتبار امانتداری کے ساتھ ہے۔

۵۲۔''المسلم مرآة لاخیه المسلم''

مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے لئے آئینہ ہے۔

۵۳۔''المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یثلمه''

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ستاتا ہے۔

۵۴۔''المستشار موتمن''

جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہونا چاہئے۔

۵۵۔''ما هلک امرؤ عرف قدر نفسه''

جو اپنی قدر و منزلت جانتا ہے وہ ہلاک نہیں ہوتا۔

۵۶۔''من تفاقر افتقر''

جو غربت کا اظہار کرتا ہے وہ غریب ہو جاتا ہے۔

۵۷۔''من عمل علیٰ غیر علم کان ما یفسد اکثر ما یصلح''

جس نے علم کے بغیر عمل کیا اس نے فائدہ سے زیادہ نقصان اٹھایا۔

۵۸۔''من اذا ع فاحشةً کان کمبدها''

جس شخص نے زنا کی خبر کو عام کیا گویا اس نے خود زنا کیا۔

۵۹۔''و من عیر مومناً بشیء لم یمت حتی یرکبه''

جس شخص نے کسی مومن پر کسی چیز کی تہمت لگائی وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک خود اس کا مرتکب نہیں ہو گا۔

۶۰۔''من عد غداً من اجله فقد اساء صحبة الموت''

جو شخص آنے والے کل کو اپنی عمر کا جز سمجھتا ہے گویا وہ موت پر یقین نہیں رکھتا۔

۶۱۔''من ارضیٰ سلطاناً بما یسخط اللّٰه خرج من دین اللّٰه''

جس شخص نے خدا کو ناراض کر کے کسی بادشاہ کو خوش کیا وہ دین خدا سے نکل گیا۔

۶۲۔''مداراة النّاس نصف الایمان و الرفق بهم نصف العیش''

لوگوں کی خاطر مدارات کرنا نصف ایمان ہے اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آنا نصف زندگی ہے۔

۶۳۔'' یسروا ولا تعسروا''

آسانی فراہم کرو دشواری نہیں۔

۶۴۔''یطبَّع المؤمن علیٰ کل خصلة ولا یطبع علیٰ الکذب ولا علیٰ الخیانة''

مومن میں ہر خصلت ہو سکتی ہے لیکن جھوٹ اور خیانت نہیں ہو سکتی۔

۶۔آپؐ کی چند دعائیں

الف۔یہ دعا آپ ماہ رمضان میں پڑھتے تھے:

"اللّٰھم ادخل علیٰ اھل القبور السّرور،اللّٰھم اغن کل فقیر، اللّٰھم اشبع کل جائع، اللّٰھم اکس کل عریان، اللّٰھم اقض دین کل مدین، اللّٰھم فرِّج عن کل مکروب، اللّٰھم رد کل غریب، اللّٰھم فُکَّ کل اسیر، اللّٰھم اصلح کل فاسد من امور المسلمین، اللّٰھم اشف کل مریض، اللّٰھم سد فقرنا بغناک، اللّٰھم غیرِّ سوء حالنا بحسن حالک، اللّٰھم اقضِ عنّا الدّین و اَغنِنا من الفقر انَّک علیٰ کل شیء قدیر"۔

اے اللہ! اہل قبر کو شاد و مسرور فرما۔اے اللہ! ہر مفلس و نادار کو مالا مال کر دے،اے اللہ! ہر بھوکے کو شکم سیر کر،اے اللہ! ہر برہنہ کو لباس عطا کر، اے اللہ! ہر مقروض کا قرض ادا کرا،اے اللہ! ہر رنجیدہ و پریشان کو آسودہ گی و کشائش عطا کر،اے اللہ! ہر مسافر کو وطن لوٹا،اے اللہ! ہر قیدی کو رہائی دلا،اے اللہ! مسلمانوں کے خراب امور کی اصلاح کر،اے اللہ! مریض کو شفاعطا کر،اے اللہ! اپنی بے نیازی سے ہماری ناداری کا سد باب کر،اے اللہ! اپنے بہترین حالات کے ذریعہ سے ہمارے برے حالات کو بدل دے،اے اللہ! ہمارا قرض ادا کرا اور ہمیں فقر سے نجات دلا کر غنی کر دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

ب۔یہ دعا آپؐ نے جنگ بدر میں پڑھی تھی:

"اللّٰھم انت ثقتی فی کل کرب، و انت رجائی فی کل شدة، و انت لی فی کل امر نزل بی ثقة و عده، کم من کرب یضعف عنه الفؤاد و تقل فیه الحیلة، و یخذل فیه القریب ، و یشمت به العدو، و تعیینی فیه الامور، انزلته بک و شکوته الیک راغباً فیه الیک عمن سواک ففرجته و کشفته عنی و کفیتنیه، فانت ولی کل نعمة، و صاحب کل حاجة، و منتھیٰ کل رغبة، فلک الحمد کثیراً ولک المن فاضلاً"۔

اے اللہ! ہر رنج و پریشانی میں تو ہی میرا سہارا ہے، ہر سختی میں تو ہی میری امید ہے اور جو مصیبت مجھ پر پڑتی ہے اس میں تو ہی میری پناہ گاہ ہے، کتنے ہی رنج و غم ایسے ہیں جن سے دل دہل جاتے ہیں اور تدبیر ساتھ نہیں دیتی،ایسے حالات میں قریب والے بھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، دشمن طعنہ زنی کرتے ہیں، اس موقعہ پر میں تجھ سے شکایت کرتا ہوں اور سب کو چھوڑ کر تجھ سے لو لگاتا ہوں۔ تو نے غم سے نجات دی اور کشائش عطا فرمائی،اے معبود! ہر نعمت تیری ہی ہے، ہر حاجت تجھ ہی سے بیان کی جا سکتی ہے، ہر آرزو کی انتہا تو ہے۔بے پناہ حمد تیرے لئے ہے اور احسان کا سر چشمہ تو ہے۔

ج۔ جنگ خندق کے دن آپؐ نے یہ دعا پڑھی تھی:

”یا صریخ المکروبین و یا مجیب دعوۃ المضطرین اکشف عنّی همّی و غمّی و کربی فانک تعلم حالی و حال اصحابی فاکفنی حول عدوي فانه لا یکشف ذلک غیرک“۔

اے غم زدہ ورنجیدہ لوگوں کے فریادرس! اے مضطرو پریشان حال لوگوں کی دعا قبول کرنے والے! میرے رنج و غم اور کرب کو برطرف کردے بیشک تو میری اور میرے اصحاب کی حالت سے بخوبی واقف ہے پس میرے دشمن کے خلاف میری مدد فرما بیشک تیرے علاوہ کوئی بھی اس مشکل کو حل نہیں کر سکتا۔

د۔ آپؐ نے اپنے اصحاب کو دشمن کے شر سے بچنے کے لئے درج ذیل دعا تعلیم کی۔

سید بن طاؤس نے اس دعا کو اس طرح نقل کیا ہے:

”یا سامع کلِّ صوت، یا محیی النُّفُوس بعد الموت، یا من لا یعجل لاَنَّه لا یخاف الفوت، یا دائم الثبات، یا مخرج النبات یا محیی العظام الرمیم الدارسات۔ بسم اللّٰه، اعتصمت باللّٰه و توکلت علی الحی الذی لا یموت، و رمیت کل من یؤذینی بلا حول ولا قوۃ الا باللّٰه العلی العظیم“۔

اے ہر آواز کو سننے والے! اے انسانوں کو مرنے کے بعد زندہ کرنے والے! اے وہ جو کسی کام میں اس لئے عجلت نہیں کرتا اس لئے کہ اسے اس کام کے چھوٹنے کا خوف نہیں ہے، اے ہمیشہ سے قائم، اے وہ جو اشجار نبات، پیڑ پودوں کو اگانے والے! اے بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرنے والے! اس اللہ کے نام سے تمسک کرتا ہوں اور اس زندہ پر توکل کرتا ہوں جس کو کبھی موت نہیں آئے گی، میں بلند و برتر خدا کے وسیلہ سے جس کے علاوہ کوئی طاقت نہیں ہے، ہر اس شخص کو پست کرتا ہوں جو مجھے اذیت دیتا ہے۔

ھ۔ آپؐ کی وہ دعا جو آپؐ نے حضرت علی بن ابی طالبؑ کو قرض کی ادائیگی کے لئے تعلیم دی تھی:

”اللهم اغننی بحلالک عن حرامک و بفضلک عمن سواک“۔

اے اللہ مجھے اپنی حلال چیزوں کے ذریعہ اپنی حرام کی ہوئی چیزوں سے بے نیاز کر دے اور اپنے فضل و کرم سے اپنے غیر سے بے نیاز کر دے۔

و۔ درج ذیل دعا آپؐ اس وقت پڑھتے تھے جب آپؐ کے سامنے دستر خوان لگایا جاتا تھا:

”سبحانک الّلھم ما احسن ما تبتلینا، سبحانک الّلھم ما اکثر ما تعطینا، سبحانک الّلھم ما اکثر ما تعافینا، الّلھم اوسع علینا و علیٰ فقراء المومنین و المسلمین “۔[1]

اے اللہ! تو پاک اور لائق تسبیح ہے، تونے ہمیں کتنی اچھی نعمتیں عطا کی ہیں۔

اے اللہ! تو پاک و پاکیزہ ہے تونے ہمیں کتنی زیادہ نعمتوں سے نوازا ہے۔

اے اللہ! تو پاک و پاکیزہ ہے تونے ہمیں کتنی عافیت عطا کی ہے۔

اے اللہ! ہمیں اور تمام مومنین و مسلمین میں سے جو نادار ہیں ان کی نعمتوں میں وسعت عطا کر۔

آخر میں ہماری دعا یہ ہے کہ ساری تعریف اس خدا کے لئے ہے جو عالمین کا رب ہے۔

---

1 اعیان الشیعہ، ج۱، ص۳۰۶۔